LOVE IS GOD - GOD IS LOVE

العشقِ ھوُ اللہ

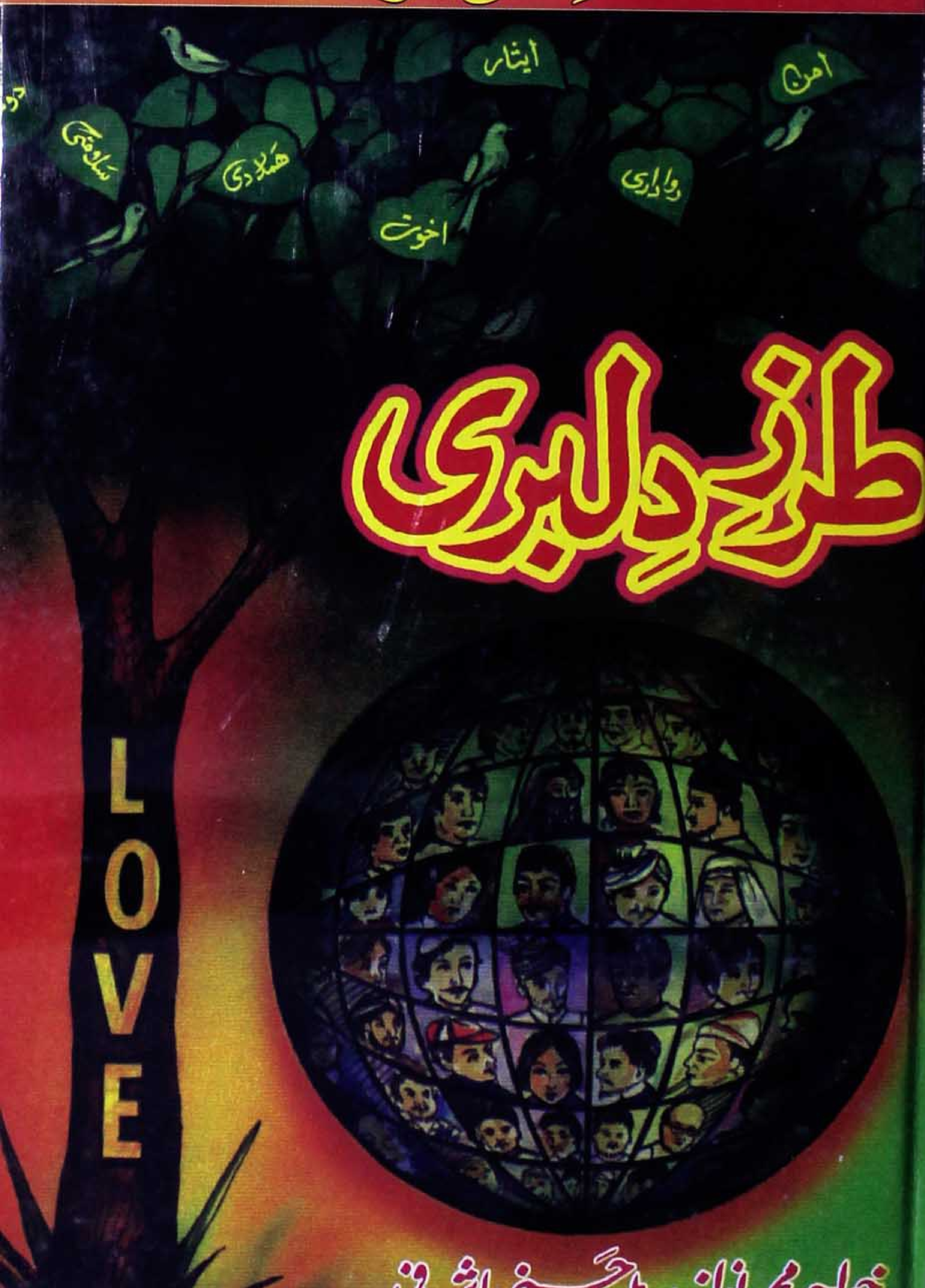

طرزِ دلبری

خواجہ محمد نواز بٹ حسنی اشرفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طرزِ دلبری

Marfat.com

طرزِ دلبری

سوانح حیات پاک اور کلمات جاں فزا

سیّد المشائخ حضرت سیّد آل حسن صاحب اشرفی الجیلانی رحمۃ اللہ علیہ

المخاطب بہ احسن اللہ شاہ

مع

احوال وارشادات عالیہ کبار خواجگان چشتیہ، نظامیہ، اشرفیہ

تالیف وتصنیف

خواجہ محمد نواز بٹ حسنی اشرفی

بہ القاب اسیر اللہ شاہ

ماورا

Marfat.com

باذوق لوگوں کے لیے
ہماری کتابیں
خوبصورت کتابیں
تزئین واہتمام اشاعت

خالد شریف

All rights of Text & Layout reserved.
No part of this book may be produced without permission otherwise legal proceeding shall be initiated.

ماورا

ضابطہ

باراوّل	۲۰۰۷ء
کمپوزنگ	ماورا کمپوزنگ
ناشر	ماورا پبلشرز' لاہور
طابع	شرکت پرنٹنگ پریس' لاہور
قیمت	-/250 روپے
رابطہ مصنف :	210 مصطفیٰ سنٹر گذری' کراچی

021-5876461 Fax: 5876462

خوبصورت کتب کی اشاعت کیلئے رابطہ

MAVRA BOOKS
60-The Mall, Lahore.
Ph: 6303390 - 6304063
Mob: 0300-4020955
0333-4224788
E-mail-mavrabooks@yahoo.com

Marfat.com

انتساب

الله جمیل ویحب الجمال

اللہ حسین ہے اور حُسن سے محبت رکھتا ہے

کے فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے

مسلک پر چلنے والے

سالکوں کے نام

Marfat.com

چشم بد از تو دور کہ در طرزِ دلبری
خط بر جمالِ یوسفِ کنعاں کشیدہ ای

اللہ تجھے نظر بد سے بچائے کہ انداز دلبری میں
تم نے حسنِ یوسف کو مات دے دی ہے
(حافظ شیرازیؔ)

تم فتنۂ بہار بھی، جانِ بہار بھی
تم وجہِ اضطراب بھی، وجہِ قرار بھی
کیا طرزِ دلبری ہے نرالی ادا تری
ساقی بھی تم، شراب بھی، تمہی خمار بھی
(نواز حسنیؔ)

Marfat.com

فہرست مضامین

۱- ابتدائیہ ، ۱۱

۲- حمد باری تعالیٰ ، ۲۵

۳- ثناءِ رسولؐ ، ۲۶

۴- خلفائے راشدین ، ۲۸

۵- خلیفہ اوّل ، ۲۸

۶- خلیفہ دوم ، ۲۸

۷- خلیفہ سوم ، ۲۹

۸- خلیفہ چہارم ، ۲۹

۹- شجرہ چشتیہ، نظامیہ، اشرفیہ ، ۳۲

۱۰- خلافت راشدہ بسلسلہ طریقت ، ۳۴

۱۱- حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ ، ۳۴

۱۲- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ، ۳۶

۱۳- حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ ، ۳۸

۱۴- حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ ، ۴۶

۱۵- حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانیؒ ، ۵۲

۱۶- حضرت ابواحمد شاہ محمد علی حسین اشرفی جیلانیؒ ، ۶۱

۱۷- حضرت سیّد آل حسن اشرفی جیلانیؒ ، ۶۷

۱۸- باب المشائخ ، ۹۸

Marfat.com

۱۹- ضرورتِ شیخ ' ۹۸
۲۰- کارِ مشائخ کارِ پیغمبری ' ۱۰۰
۲۱- نفسِ امارہ ' ۱۰۲
۲۲- نفسِ لوامہ ' ۱۰۲
۲۳- نفسِ ملہمہ ' ۱۰۳
۲۴- نفسِ مطمئنہ ' ۱۰۳
۲۵- درجاتِ مشائخ ' ۱۰۴
۲۶- گروہ اولادِ آدمؑ ' ۱۰۵
۲۷- واقعۂ حضرت موسیٰؑ ' ۱۰۶
۲۸- فقر کا بیان ' ۱۰۹
۲۹- اولی الامر کون ہیں؟ ' ۱۲۶
۳۰- بیعتِ مشائخ ' ۱۲۹
۳۱- بابِ محبت و عشق ' ۱۳۲
۳۲- مقاماتِ محبت ' ۱۳۳
۳۳- خطراتِ محبت ' ۱۳۵
۳۴- محبت کارِ خداوندی ' ۱۳۸
۳۵- محبت کی عظمت ' ۱۴۱
۳۶- حضرت اویس قرنی کا واقعہ ' ۱۴۴
۳۷- صحابی حضرت ہلال کا واقعہ ' ۱۴۵
۳۸- اُم المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کا واقعہ ' ۱۴۶
۳۹- قلبِ سلیم کا بیان ' ۱۴۹
۴۰- قلب کی تعریف ' ۱۵۱
۴۱- اصحابِ کہف کا واقعہ ' ۱۵۲
۴۲- احادیثِ نبویؐ اور محبت ' ۱۵۳

Marfat.com

۴۳- محبت اور انسانیت ' ۱۵۵
۴۴- محسنِ اعظمِ انسانیت ' ۱۵۶
۴۵- محسنِ انسانیت' مدر ٹریسا/لیڈی ڈایانا ' ۱۵۷
۴۶- بابِ ادب اور تعظیم ' ۱۶۱
۴۷- دست بوسی/قدم بوسی ' ۱۶۳
۴۸- سلطان ناصر الدین محمود کا واقعہ ' ۱۶۴
۴۹- سلطان محمود غزنوی اور ایاز کا واقعہ ' ۱۶۶
۵۰- سجدۂ تعظیمی ' ۱۶۷
۵۱- فقہ اسلامی اور شرع کا مسئلہ ' ۱۶۹
۵۲- مزاراتِ مقدسہ ' ۱۶۹
۵۳- قلبِ انسانی اللہ کا گھر ہے ' ۱۷۰
۵۴- باب الاخلاق ' ۱۷۲
۵۵- حکیم بوعلی سینا کا واقعہ ' ۱۷۵
۵۶- باب السماع (نغمہ و موسیقی) ' ۱۷۶
۵۷- موسیقی روح کی غذا ہے ' ۱۸۰
۵۸- بہشتی نغمہ ' ۱۸۱
۵۹- آلاتِ موسیقی ' ۱۸۲
۶۰- موسیقی اور کائنات ' ۱۸۳
۶۱- حکیم فارابی کا واقعہ ' ۱۸۴
۶۲- علم موسیقی کا بیان ' ۱۸۵
۶۳- فنِ موسیقی اور مسلمان ' ۱۸۸
۶۴- سُر اور فطرت انسانی ' ۱۸۹
۶۵- مولانا روم کا واقعہ ' ۱۹۰
۶۶- نوشیرواں بادشاہ اور بزرجمہر کا قصہ ' ۱۹۱

Marfat.com

۶۷- سماع (نغمات) اور قوالی ' ۱۹۲

۶۸- سماع اور نغمہ کی حلت (حلال ـ مباح) کا بیان ' ۱۹۵

۶۹- کعب بن زبیرؓ کا واقعہ ' ۱۹۸

۷۰- اختتامیہ ' ۲۰۲

۷۱- کیفیت قلب دنیا اور آخرت میں ' ۲۰۲

۷۲- متاع الدنیا قلیل ' ۲۰۴

۷۳- فلاح انسانی اور صدقہ جاریہ ' ۲۰۴

۷۴- دنیا کسے کہتے ہیں؟ ' ۲۰۵

۷۵- اسلام اور دیگر مذاہب ' ۲۰۶

۷۶- حرف وعرض آخر ' ۲۰۷

Marfat.com

ابتدائیہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم بعدہ یہ عاجز اور حقیر بندہ عرض پرداز ہے کہ عمر عزیز کے ساٹھ برس گزرنے اور سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد جب فراغت میسر ہوئی اور بیعت وطوق غلامی حضرت سیّد المشائخ قبلہ سیّد آلِ حسن صاحب پہنے چالیس برس گزر گئے اور کوئی ایسا کام نہ ہوا جس سے بے تاب دل کو قرار آتا تو حضرت قبلہ کے کرمِ عمیم اور مشیتِ ایزدی کے بھروسہ پر یہ خیال آیا کہ ان کے اور ان کے بزرگوں کے حالات، واقعات اور ارشاداتِ عالیہ کو قلمبند کیا جائے تاکہ اہل دل کے لیے باعث راہنمائی اور تسکین ذوق ہوں اور اسی کے صدقے میں اس غریب کو بھی لطف وکرم کی بادِ نسیم کا جھونکا نصیب ہوجائے۔

عصر حاضر میں سائنس، تعلیم اور ٹیکنالوجی کی بے پناہ ترقی کی وجہ سے نوجوان نسل کے خیالات اور رجحانات میں بہت بڑی تبدیلی آئی بلکہ یکسر بدل ہی گئے اور سوچنے اور سمجھنے کا انداز بھی جدید ہوگیا ہے یعنی ہر شخص ہر بات کے لیے Reason اور Logic طلب کرتا ہے جبکہ گزشتہ دور یعنی سو دوسو برس پیشتر بات صرف اسی وجہ سے مان لی جاتی تھی کہ بزرگوں نے کہی ہے۔ جیسا کہ آپ کے بھی علم میں ہوگا کہ نوجوان تو جیسے ہیں ہی آج کل کے تو بچوں کا آئی کیو اتنا بڑھ گیا ہے کہ بسا اوقات اللہ یا دین ومذہب کے بارے میں والدین سے ایسے سوال کردیتے ہیں کہ جو خود ماں باپ نے کبھی سوچے نہیں ہوں گے اور نہ ہی ان کے پاس ایسے سوالات کا کوئی تسلی بخش بلکہ عام طور پر جواب ہوتا ہی نہیں۔ زمانہ اور وقت تو اللہ ہی کی شان کے مظاہر ہیں اور قدرت کے اصول ارتقاء کے تحت ان میں اس دورِ جدید میں اس قدر ترقی اور تیزی آئی ہے جس کا اس سے پہلے کی صدیوں میں تصور بھی ناممکن تھا۔ قرآنِ پاک میں جن باتوں کو غیب یا صرف اللہ کے علم میں ہونا بیان کیا گیا جیسے بارش کا کب ہونا یا عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی وغیرہ وغیرہ تو آج کا

Marfat.com

انسان اس علم اور عقل کی بدولت جو اللہ نے اسے دی ہے ان باتوں کو جان لیتا ہے اور صد فیصد درست پیش گوئی کر سکتا ہے۔ گویا اللہ نے اپنا یہ غیب اس پر کھول دیا یعنی ظاہر کر دیا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں اس بات کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ مذہب اور خاص طور پر طریقت کے متعلق معاملات کو دورِ جدید کی روشنی میں اس طرح سے بیان کیا جائے کہ نوجوان اور آئندہ نسل کو قابلِ قبول ہو۔ اسی لیے اللہ نے اپنی حکمتِ الٰہی کے تحت یہ اصول بیان فرمایا کہ:

تَکَلِّمُوا لنَّاس عَلٰی قدرِ عقُولِہٖ

''لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق بات کرو''

اور یہ تحریر اسی اصول کے تحت سادہ اور عام فہم زبان میں تاہم دلیل اور مثال کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ آج سے پہلے جتنے بھی ملفوظات یعنی بزرگانِ دین کے حالات لکھے گئے ان میں اعتقاد اور کرامت کا پہلو غالب ہے اور اس سے جوان بزرگوں کا تصور بنتا ہے ویسے آج کل نایاب ہیں بلکہ صورت حال یہ ہے کہ پڑھے لکھے لوگ اور نوجوان نسل بزرگوں اور پیروں کے معاملے میں بہت بدظن ہیں گرچہ اس کی بڑی وجہ جاہل، منافق اور وہ بے علم و عمل جعلی پیر ہیں جنہوں نے پیروں کا روپ بھر رکھا ہے۔ ورنہ باطنی طور پر وہ لوگ کٹر دنیا پرست بلکہ دولت اور جاہ کی ہوس کے علاوہ دل میں کچھ نہیں رکھتے اور ایسے بزرگوں کے لیے باعث بدنامی ہوتے ہیں جو گرچہ کم ہی لیکن ہیں اور ظاہر و باطن سے اللہ کی رضا جوئی اور محبت میں مصروف ہیں اور کہ ایسی ہستیوں کا ہونا ہی اس دنیا کے باقی رہ جانے کا جواز ہے۔

حضرت سیّد صاحب قبلہ اپنے مشرب، مسلک اور طریقہ تعلیم میں بالکل منفرد اور یکتا تھے۔ ان کی تمام تعلیمات اور معاملات کا محور اور بنیاد محبت اور صرف محبت تھی اور یہی زندگی بھر تلقین فرماتے رہے محبت سے مراد اللہ کی محبت اور اس سے مراد مخلوق سے محبت تھی۔ فرماتے تھے کہ بندوں کی محبت ہی اللہ کی محبت ہے چونکہ انسان تمام مظاہرِ کائنات میں ذات وصفات باری تعالیٰ کا بدرجہ کمال مظہر ہے اور اسی بنا پر اشرف المخلوقات کا شرف بھی اسے بخشا گیا۔ مزید فرمایا کہ جہاں تک مجاہدات طریقت کا تعلق ہے اور وہ روایتی مجاہدات جو سابقہ بزرگان نے کیے یا بیان فرمائے ہیں آج کل کے انسان میں نہ تو اس کی ہمت ہے اور نہ ہی وقت۔ لہٰذا اللہ طلبی میں اب ایسا طریقہ ہونا چاہیے جو ممکن العمل، تیز اور نتیجہ خیز ہو جو سوائے محبت کے کوئی نہیں اور یہ عین فطرت ہے کہ ہر

Marfat.com

انسان کو یہ جذبہ پیدائشی طور پر ودیعت کیا گیا ہے۔ البتہ اس میں راہنمائی کی اشد ضرورت بلکہ لازمی ہے۔ کیونکہ بغیر کسی راہنما یا اُستادِ کامل کے انسان محبت (Love) اور ہوس (Lust) میں تمیز نہیں کر سکتا کہ بظاہر دونوں کی ظاہری صورتیں ملتی جلتی ہیں اور آج کل یعنی اس زمانے میں کہ اہلِ ہوس زیادہ ہیں اہلِ محبت اسی طرح چھپ گئے جیسے جعلی پیروں کے مقابلے میں اہل اللہ گوشہ نشین ہو گئے۔ بقولِ غالبؔ

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی　　　　اب آبروئے شیوۂ اہلِ نظر گئی

محبت کوئی ماورائی شے نہیں بلکہ اس کا تعلق وجود سے ہے یعنی ایک جذبۂ لطیف جو دو وجودوں کے درمیان ہوتا ہے جسے مجازی محبت یا مجاز کہتے ہیں اور وہ سب بھی مجاز ہے جو دنیا میں اللہ نے تخلیق کیا ہے۔ جس میں حسن کا مظاہرہ سبزہ زاروں چشموں اور دیگر مناظرِ قدرت سے لے کر حسنِ انسانی تک پھیلا ہوا ہے۔ بلکہ حسنِ انسانی ان تمام قدرتی نظاروں و دیگر مظاہرِ حسن سے اپنی تخلیق کے اعتبار سے اکمل اور اتم ہے جسے آنکھ دیکھ سکتی ہے اور حواس محسوس کر سکتے ہیں سو اگر کوئی شخص اس سے متاثر نہیں ہوتا یعنی بالفاظِ دیگر یہ حسن اس کے دل میں محبت پیدا نہیں کرتا تو گویا اس جذبے یا اس کی لطافت سے قطعاً ناآشنا ہے اب اگر کوئی ایسا شخص محبتِ الٰہی کا دعویٰ کرے تو اسے کیسے درست مان سکتے ہیں کہ جو ہے اور سامنے ہے اس سے تو متاثر نہیں ہوتا اور دعویٰ محبت اس سے کرتا ہے جو لامحدود اور ہر قسم کے ادراک تک سے پاک ہے نہ فہم اور نظر نہ احساس اور عقل یعنی کسی بھی شے میں لایا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ تحقیق سے یہ بات ثابت ہے کہ جتنے بھی اللہ کے محبّ ہو گزرے ہیں وہ مجاز ہی سے شروع ہوئے جیسے کہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں فرماتے ہیں:

مجازی عشق سب کہتے ہیں جس کو　　　　وہی بامِ حقیقت کا ہے زینہ

اور وارث شاہ صاحب کہتے ہیں:

''وارث شاہ حقیقت کی مٹھاس وہی چکھتے ہیں جو پہلے مجاز کا نمک چکھتے ہیں۔''

اور اگر مجاز بھی وہ ہو جو حقیقت کی معرفت رکھتا ہو تو سبحان اللہ اور یہاں ایسے مجاز سے مراد اپنے پیرو مرشد کی ذاتِ گرامی ہے۔

دراصل شرفِ انسانی ہے ہی یہی کہ اسے یہ جوہر جو محبت کہلاتا ہے دیا گیا ہے۔ محبت و عشق کی خلعت جو جنابِ باری تعالیٰ سے صرف آدم علیہ السلام کو دی گئی سوائے انسان کے کسی مخلوق پر

Marfat.com

درست نہیں آتی۔ یہ جوہر صرف وجودِ انسانی میں ہی رکھا گیا ہے۔ دیگر مخلوقات یعنی فرشتے اور جنات بھی اس سے محروم ہیں۔اس اجمال کی تفصیل اور تشریح انشاءاللہ آگے بابِ محبت میں آئے گی۔

جن جھوٹے دعویداروں اور پیروں کی وجہ سے اللہ کے ولی بندوں کا تشخص مجروح ہوا وہ اصلی نہیں بلکہ نقلی پیر ہیں اور ان کا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اصلی اور حقیقی بزرگان بھی ہیں۔ کیونکہ نقل ہمیشہ اصل اور اچھی چیز کی ہوتی ہے۔اگر اصل نہیں تو نقل کس کی۔ ہمارا یہ دور تو ویسے ہی اخلاقی انحطاط کا دور ہے ورنہ اس صورت حال کی نشاندہی حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب کشف المحجوب میں آج سے ہزار برس پہلے کردی تھی۔فرماتے ہیں سوائے اولیاء کرام کے جو بارگاہ حق کے مقرب ہوتے ہیں لوگ حقیقت آشنا نہیں ہوتے اور خداوند عزوجل نے ہمیں ایسے دور (یعنی آج سے ہزار برس پیشتر) میں پیدا کیا ہے جس میں لوگ ہوا ہوس کو شریعت کہتے ہیں۔ طلبِ جاہ، طلبِ حکومت اور تکبر کو عزت اور علم جانتے ہیں۔خلقِ خدا سے ریا کاری کو خوف خدا گردانتے ہیں اور کینہ کو دل میں چھپا رکھنے کو بردباری، لڑائی کرنے کو مناظرہ، جنگ اور حماقت کو عظمت، منافقت کو زہد، ہوس کو سلوک، ہذیانِ طبع کو معرفت، دل کی دھڑکن اور نفس کی تاویلات کو حجت وغیرہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت چھوڑ دینے کو طریقت اور زمانے میں فساد پھیلانے کو معاملت سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اربابِ حقیقت (یعنی جو سچے بزرگ تھے) مغلوب ہو کر رہ گئے اور یہ منافق ہر طرف چھا گئے جس طرح کہ پہلے دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت پر آل مروان غلبہ پا گئے تھے۔داتا صاحب مزید فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جاہل صوفی ہوتے ہیں اور جاہل صوفی وہ ہوتا ہے جو صحبت پیر سے محروم رہا ہو اور اس نے کسی کامل بزرگ سے ادب نہ سیکھا ہو بلکہ بغیر کسی مشاہدہ یا تربیت اور زمانہ کی سختی وغیرہ برداشت کیے لوگوں میں کود پڑے اور پیر بن بیٹھے اور اہلِ تصوف یعنی مشائخ کے طریقے نقل کرتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں وہ آدمی جو ساری عمر تن پروری (کھانا، پینا اور سونا) اور جسمانی خواہشات پوری کرنے میں گزار دے اس شخص کی برابری کیسے کرسکتا ہے جو ساری عمر اپنے باطن کی پرورش کرے اور خواہشاتِ جسمانی اور نفسانی سے آزاد ہو کر اللہ کے ذکر وفکر اور محبت میں گزار دے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے کہ اللہ کے دوست اور محبوب بندے کون ہوتے ہیں ان کی پہچان

Marfat.com

کیا ہے اور طریقت یعنی تصوف کی اصل کیا ہے ہمیں اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندوں جنہیں عرف عام میں پیرانِ عظام، مشائخ کرام اور بزرگانِ دین کہا جاتا ہے ان کی حیاتِ پاک اور تعلیمات و ارشادات کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ حقیقت سمجھ میں آسکے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنے مشہور زمانہ کتاب اخبار الاخیار کے دیباچہ میں لکھتے ہیں ''مقربان الٰہی کے حالات سننا اور ان کے آثار ڈھونڈنا، دل بڑھانے اور شک وشبہ کی کثافت دل سے دور کرنے میں وہی تاثیر رکھتا ہے جو ان کی صحبت اور مجلس کو حاصل ہے۔'' مستند کتابوں اور حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان بزرگان دین نے (جن کا تذکرہ آگے آئے گا) اپنی گفتار، کردار اور حسنِ معاملہ سے زندگی کا وہ معیاری نمونہ پیش کیا جو اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ حسنہ کی ایک روشن مثال ہے وہ انسانِ کامل تھے، علمِ ظاہری اور باطنی پر مکمل عبور عمل کے ساتھ رکھتے تھے۔ ہر قسم کے قومی، مذہبی اور نسلی امتیازات سے پاک اور تعصبات سے آزاد تھے۔ سادگی، ملنساری، صداقت، حلم، بردباری، عفو درگزر، حق گوئی، ضبطِ نفس، ایثار و قربانی، جیسے اعلیٰ اوصاف سے مزین تھے۔ ان اخلاق حمیدہ کی وجہ سے انہوں نے اپنے اپنے دور میں ایسا معاشرہ تخلیق کیا جس میں انسانوں کے لیے امن، اخوت، محبت اور وہ بھائی چارہ پیدا ہوا جو ہر قسم کے مذہبی، لسانی یا گروہی تعصبات اور فرقہ بازی سے پاک تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت سے ان کے حلقۂ ارادت سے ایسے ایسے جلیل القدر عالم، فاضل اور کامل اشخاص پیدا ہوئے جنہوں نے جملہ علوم و فنون، سائنس طب اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں بے مثال اور یادگار تاریخی کارنامے سرانجام دیے ان میں سابقہ صدیوں میں سعدی شیرازی، حافظ شیرازی، امام غزالی، مولانائے روم، امیر خسرو، مورخ ضیاء الدین برنی، حکیم فارابی، عمر خیام، یگانۂ روزگار اور بے مثل ہیں۔ موجودہ صدی میں حضرت امام احمد رضا خان صاحب بریلویؒ جو پیر طریقت بھی تھے اور جدید ریاضی اور فزکس میں بہت بلند مرتبہ محقق ہوئے ہیں۔ ان سے علوم ریاضی پر گفتگو کے بعد اس صدی کے سب سے بڑے ریاضی داں ڈاکٹر ضیاء الدین وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اعتراف کیا کہ ''علم لدنی کے بارے میں سنا ضرور تھا آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا'' انہیں مقتدر ہستیوں میں حکیم الامت علامہ اقبال بھی ہیں جو خود کو مرید ہندی اور مولانائے روم کو اپنا پیر مان کر پیر رومی کہتے ہیں اور ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ مولانا روم کی مثنوی گویا فارسی میں قرآن ہے۔ علامہ اقبال فقراء اور کامل مشائخ کے بارے میں فرماتے ہیں:

Marfat.com

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ علامہ اقبال کا شمار دورِ جدید کے صوفیائے کرام کے زمرہ میں بھی رکھا جاتا ہے۔ ان کے اسمِ گرامی کے ساتھ علامہ کا خطاب ہی اس بات کی دلیل ہے ورنہ وہ کوئی مولوی یا باقاعدہ مستند عالمِ دین نہیں تھے۔ یہ خطاب دراصل وہ آوازِ خلق ہے جسے نقارہ خدا کہا جاتا ہے۔ وہ بھی خود کو فقراء کے گروہ سے نسبت دیتے ہیں ان کا ایک مصرعہ ہے ''میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے'' اور ایک جگہ کہتے ہیں:

میرا فقر بہتر ہے اسکندری سے　　　یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

دراصل تصوف یا طریقت کی حقیقت ہے ہی یہی کہ آدمی کو پہلے انسان بنائے اور پھر اللہ تعالیٰ کے راستے پر لے جائے کہ آدمی سے انسان بننا بھی ایک منزل ہے بقول غالب:

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا　　　آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

انسانِ کامل ہی اللہ کی محبت اور دوستی کے لائق ہوتا ہے اگر کوئی اس کے بغیر اللہ کی دوستی یا محبت کا دعویٰ کرے جھوٹا ہے اور جو طریقت آدمی کو انسان نہ بنائے اور اس کے اخلاق نہ سنوارے وہ ناقص اور غلط ہے جس کا رُخ دونوں میں سے کسی ایک کی طرف یا دونوں طرف ہو سکتا ہے یعنی پیر یا مرید۔ اخلاق اجزائے محبت میں سے ایک جزو ہے اور دین اسلام کی بنیاد ہے۔ حدیث شریف کی تمام کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو ایک نہایت حسین وجمیل شخص نے حاضرین میں سے سوال کیا کہ یارسول اللہ دین کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ''اخلاق'' اس نے دوبارہ پھر سہ بارہ یہی پوچھا اور وہی جواب پایا۔ وہ چلا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے حضورؐ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب تھے کہ پہلے انہیں کبھی یہاں نہیں دیکھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ جبریلؑ تھے اور تمہیں دین بتانے آئے تھے۔

اس ضمن میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ بھی غور طلب ہے کہ جب غارِ حرا میں حضورؐ پر پہلی وحی آئی اور آپؐ واپس گھر آئے تو دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور جسم مبارک پر کپکپی طاری

Marfat.com

تھی۔ آپؐ نے اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ کچھ دیر بعد جب وہ کیفیت کم ہوئی تو آپؐ نے سارا واقعہ جو غارِ حرا میں پیش آیا تھا بی بی صاحبہ کو سنایا جس پر انہوں نے فرمایا کہ آپؐ ہرگز نہ ڈریں خدا آپ کو کبھی رُسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپؐ (۱) صلہ رُحمی کرتے ہیں (۲) سچ بولتے ہیں (۳) مہمان نواز ہیں (۴) بے کسوں کی مدد کرتے ہیں (۵) اور لوگوں کی مصیبتوں میں ان کے کام آتے ہیں۔

یہ گویا ایک چارٹر ہے جو ظہورِ نبوت سے پہلے ہی قائم ہو چکا تھا اسے ہم دین اسلام کی بنیاد بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس وقت تک ابھی عبادات یا احکاماتِ الٰہی کا کوئی سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا اور یہ بات بھی تسلسل سے ثابت ہے کہ تمام اولیاء اللہ اور برگزیدہ ہستیوں میں مذکورہ بالا صفات کامل طور پر پائی جاتی ہیں اور بلاشبہ یہ صفات عالم گیر انسانیت کا چارٹر ہیں اس لیے ہم نے اس کتاب میں جن بزرگانِ دین کے حالات زندگی لکھے ہیں ان کی کرامات کے ذکر سے گریز کیا ہے (اگرچہ ان سے زندگی میں بے شمار کرامتیں بھی ظاہر ہوئی ہیں) تاہم اس کے برعکس ان کے حسن معاملہ کو جو وہ انسانوں کے ساتھ رکھتے تھے اُجاگر کیا ہے جس میں انسانیت کی معراج اور اخلاق کی وہ بلندی پائی جاتی ہے جو دین و مذہب کی اصل روح اور اللہ کے قرب کی نشانی اور پہچان ہے جیسے کہ شیخ ابوسعید ابوالخیر جو ایک بہت بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں سے کسی نے پوچھا کہ اللہ کی طرف جانے کا کون سا راستہ ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کی طرف جانے کے لیے بے شمار راستے ہیں لیکن سب سے نزدیکی راستہ دلوں کو آرام پہنچانا اور لوگوں کی حاجتیں پوری کرنا ہے۔ ہمیں جو کچھ ملا اسی راستے سے ملا اور ہم اسی کی وصیت کرتے ہیں۔

اب ہم مثال کے طور پر چند ایسے برگزیدہ اور اللہ کے محبوب بندوں کا نام لیتے ہیں (جن میں سے کچھ کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا) جو مندرجہ بالا چارٹر کا مجسم نمونہ ہو گزرے ہیں اور ان کی بزرگی اور عظمت کا ڈنکا سارے جہاں میں بج رہا ہے۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کے قرب اور ان کے اعلیٰ درجات کے معاملہ میں مسلمانوں کے تمام گروہ اور فرقے بلکہ دوسرے مذاہب کے اکابرین کو بھی کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ، غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانیؒ، حضرت مولانا جلال الدین رومی المعروف مولانائے رومؒ، حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور برصغیر پاک و ہند میں خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین

Marfat.com

حسن چشتی اجمیریؒ، حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، سلطان المشائخ حضرت سید محمد نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ، حضرت ابوالحسن امیر خسروؒ، حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی، محبوب یزدانیؒ اور ماضی قریب میں حضرت شاہ سلیمانؒ تونسہ شریف، اعلیٰ حضرت ابو احمد شاہ محمد علی حسین اشرفی الجیلانی محبوب ربانی کچھوچھہ شریف (انڈیا)، حضرت مولانا امام احمد رضا خان صاحب بریلویؒ، حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریفؒ، بابا سیّد بلھے شاہ قصور، حضرت خواجہ غلام فریدؒ، حضرت سیّد وارث شاہ صاحب (میر فیم) اور ہمارے آقا و مولا حضرت سیّد آلِ حسن صاحب اشرفی الجیلانیؒ۔

یہ تمام پاک نفوس نہ صرف کہ عالم باعمل تھے اور صاحبِ اعلیٰ اخلاق و کردار تھے بلکہ اس علمِ باطنی کے بھی حامل تھے جسے قرآن کی اصطلاح میں علم لدنی کہا گیا ہے اور جو علم ذات ہے اور اس کا معلم بھی خود ذات باری تعالیٰ ہی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کے واقعہ میں قرآن میں سورۂ کہف میں ارشاد ہوا:

عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا

''میرے بندوں میں سے ایک بندہ جسے میں نے اپنے علم لدنی سے علم عطا کیا تھا''۔

عبد سے مراد کوئی ماورائی مخلوق جیسے خضر وغیرہ ہرگز نہیں بلکہ جسم و جاں رکھنے والا اللہ کا خاص بندہ ہے جو مقام عبدیت پر ہوتا ہے (اس اجمال کی تفصیل انشاءاللہ باب المشائخ میں آئے گی)

مندرجہ بالا پاک ہستیاں بے شک اللہ کے وہی عبد یعنی خاص بندے تھے جن کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ

''وہ تو ایسے بندے ہیں جن پر کرم کیا گیا ہے''

ان پاک اور خاص بندوں کی زندگیاں کھلی کتاب تھیں اور آج تک کوئی ان کی ذات کے بارے میں یا بارگاہِ الٰہی میں ان کی قدر و منزلت اور ان کے مقرب ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رکھتا۔ ایسے صادق اور برگزیدہ بندے جن کی زندگی سراپا شریعت، محبت اور اسوۂ حسنہ کا کامل نمونہ ہو ان کے کسی کلام خواہ وہ نثر میں ہو یا نظم میں یا خطاب و بیان میں اس سے اگر کوئی اختلاف کرے

Marfat.com

تو یقیناً وہ کوئی متکبر یا منافق یا ریا کار ہی ہو سکتا ہے یا پھر بقول شکیل بدایونی:

آنکھوں میں نور دل میں اُجالے نہیں رہے
جلوے وہی ہیں دیکھنے والے نہیں رہے

جبکہ ان پاک لوگوں سے جو زندگی بھر ظاہر ہوا اس سے سچائی، اخلاص، دردمندی، انسانیت، محبت اور اخوت، روز روشن کی طرح عیاں ہے ان سے ہمیشہ آفتاب جیسی شفقت، دریا جیسی سخاوت، زمین جیسی تواضع اور انکساری ہی کا اظہار ہوا جو کہ مقربانِ الٰہی کے اوصاف ہیں۔

پہلے زمانے میں بزرگان دین کو صوفیائے کرام کہتے تھے جو صوفی ازم یا تصوف سے لیا گیا ہے۔ تاہم اس سے مراد یعنی اس کی حقیقت یہی تھی اور ہے جسے دور جدید کی اصلاح میں ہیومن ازم (Humanism) کہتے ہیں۔ اس زمانے میں تصوف کے یہی معنی لیے جاتے تھے اور تربیت کی ابتدا اسی سے ہوتی تھی کیونکہ یہی بنیاد تھی اور مشائخ طریقت اپنے قول و عمل سے اس کی تربیت دیتے تھے جس سے اعلیٰ انسانی قدریں اُجاگر ہوتیں اور آدمی کو انسان بلکہ کامل کے مقام تک پہنچاتے جسے اصطلاحاً تزکیہ نفس یا اصلاح نفس بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد ہی انسان اسرار الٰہیہ کو جاننے اور ان کا بوجھ اُٹھانے کے لائق ہوتا ہے اور اللہ کے خاص بندوں (عباد) میں شامل ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین جو خود تمام اوصاف حمیدہ سے متصف اور اخلاق عالیہ حسنہ سے مزین ہوتے تھے اپنے متعلقین یا مریدین کو پند و نصیحت کے ساتھ خود اس پر عمل کر کے اس بات کا حق ادا کرتے جس سے بہت گہرا اثر پڑتا۔

حضرت نظام الدین اولیاء، محبوبِ الٰہی سرکار کی مجلس میں حاضرین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ جبکہ گرمی کا موسم تھا کچھ لوگ دھوپ میں ہی بیٹھ گئے کیونکہ ساری جگہ پر سایہ نہیں تھا۔ آپ نے ان لوگوں سے جو آگے سائے میں بیٹھے تھے کہا کہ ذرا نزدیک نزدیک ہو بیٹھو اور آگے آ جاؤ تا کہ وہ بھی جو دھوپ میں بیٹھے ہیں سائے میں آ جائیں کیونکہ دھوپ میں بیٹھے تو وہ ہیں مگر جل میں رہا ہوں۔ ایک اور جگہ پر فرمایا کہ اگر کوئی تیرے آگے کانٹا بچھائے اور تو بھی جواباً اس کے عوض کانٹا رکھ دے تو ہر جانب کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ صوفیوں اور درویشوں کا کام نیک اور برے ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا ہے اور تحمل اور برداشت کرنا ہے۔ ایک شخص خواجہ اجل شیرازیؒ (ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں) کا مرید ہوا تو انہوں نے مرید کرنے

Marfat.com

کے بعد اسے تلقین کی کہ جس چیز کو تم اپنے لیے پسند نہ کرو دوسرے کے لیے بھی وہ پسند نہ کرنا۔ یعنی ابتدا میں اسے عبادت اور ریاضت کی تلقین نہیں کی بلکہ بنیاد کو درست کیا تا کہ اس پر فرائض و نوافل کی عمارت بنائی جا سکے۔

ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ وہ ذات باری جو زمین، افلاک، زمانہ، وقت اور ہر شے کا خالق ہے اور کوئی شے اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ اس وقت بھی جانتا تھا جب ہم نہیں جانتے تھے کہ آئندہ زمانے میں کیا کیا تغیرات ہونے والے تھے کہ زمانے کے خمیر میں تبدیلی رکھی گئی ہے۔ یہ سدا ایک سا نہ رہا ہے اور نہ رہے گا۔ اس لیے حکمت الٰہیہ سے دین اسلام میں اجتہاد کی گنجائش رکھی گئی تا کہ وقت اور زمانے کے ساتھ ساتھ جب انسانوں کے مزاج، رہن سہن، علم و عقل میں ترقی اور تبدیلی آئے تو دین و اخلاق کی بنیادی قدروں کو قائم رکھتے ہوئے ظاہری طور طریقوں میں ایسی تبدیلی کی جا سکے کہ جس سے زمانے کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے انسان اپنی پیدائش کے مقصد کو بھی پورا کر سکے۔

لہٰذا آج کے اس جدید دور میں جسے کمپیوٹر ایج کہتے ہیں اگر ہم بزرگانِ دین یا وہ جو اللہ سے معاملہ اور محبت رکھتے ہیں ان کو اس روایتی اور مخصوص حلیہ میں محدود کر دیں جو آج سے دو چار سو سال پہلے تھا تو شاید اپنے مقصد کو نہ پا سکیں کہ وہ زمانہ خانقاہی طریقت کا دور تھا اور انسانوں کی عادات اور ضروریات نہایت سادہ اور کم ہوتی تھیں۔ وقت اور فراغت وافر میسر تھی جو اس دور میں بہت ہی کم رہ گئی ہے کہ زمانہ ہی بہت تیز رفتار ہو گیا ہے۔ اس ساری بات کا لب لباب یہ ہے کہ اگر ہم آج یعنی اس وقت اور دور میں کسی ایسے شخص سے ملنا چاہیں جو اللہ سے محبت رکھتا ہو یا اس کا خاص بندہ (عبد) ہو تو ضروری نہیں کہ ایسا بندہ ہمیں صرف ان لوگوں میں ملے جو خانقاہوں میں رہتے ہوں، مخصوص قسم کا لباس، سر پر پگڑی لمبی ڈاڑھی اور لوگوں کی کثرت اور ایک انبوہ اسے گھیرے ہوئے ہو اور ظاہری نمود و نمائش یعنی (Publicity) کے لیے ذکر، ہو حق اور مراقبے وغیرہ کی محفلیں منعقد کرا رہا ہو بلکہ اللہ کا کوئی مقبول یا محبت کرنے والا بندہ ان ظاہری لوازمات اور سجادوں کے بغیر بھی ہو سکتا ہے اور کہیں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اصل اور حقیقی اوصاف جو مقربان الٰہی کی نشانیاں ہیں وہ تو وہی ہیں جو اس سے پیشتر بزرگانِ دین کے اوصاف اور کردار کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں اور ایسا مومن بندہ آج کے اس جدید دور میں روایتی حلیے اور طریقے کے برعکس

Marfat.com

اس حالت میں بھی ہوسکتا ہے کہ ظاہری طور پر بغیر ڈاڑھی کے یعنی کلین شیو ہو، عمدہ اور جدید لباس پہنتا ہو، تعلیم یافتہ یعنی انگریزی یا دیگر زبانوں پر عبور رکھتا ہو اور دورِ جدید کی جو جائز نعمتیں ہیں ان سے مستفید ہوتا ہو البتہ یہ ضروری ہے کہ اخلاق، محبت، رواداری، دردمندی، ایثار و قربانی برداشت وتحمل جیسے اوصاف رکھتا ہو اور رنگ ونسل اور مذہبی تعصبات سے پاک ہو کہ یہی وہ اخلاق حمیدہ ہیں جو اللہ کی پسندیدگی اور قرب کی نشانیاں ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰہِ لَا یَنْظُرِ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَنِیَّتِکُمْ

''بے شک اللہ نہیں دیکھتا تمہاری شکلوں کو اور نہ تمہارے اعمال کو لیکن ضرور دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو اور ان میں چھپی نیتوں کو۔''

اللہ کے فضل پر کسی کی اجارہ داری نہیں کہ وہ شکلوں اور عملوں تک پر نظر نہیں رکھتا ہاں مگر دلوں کو دیکھتا ہے جو کچھ ان میں ہے۔

ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاء

''یہ صرف اللہ کا فضل ہے اور وہ جس پر چاہتا ہے کرتا ہے۔''

حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ خدا کو وہی افراد محبوب ہیں جو اس کے بندوں میں خدا کی محبت پیدا کرتے ہیں اور انہیں خدا کا محبوب بنانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ روئے زمین پر ہر شخص کے ساتھ خیر خواہی اور محبت کے ساتھ گامزن ہیں''

غالباً اسی حدیث شریف سے متاثر ہو کر علامہ اقبال فرماتے ہیں گویا ان کا مسلک ہے:

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اس کے علاوہ ایسی اور بھی احادیث مبارکہ ہیں کہ جن میں ان لوگوں کے لیے اللہ کا عتاب فرمایا گیا جو اگرچہ فرضی اور نفلی عبادت بہت کرتے تھے لیکن اپنی بدخلقی اور بدزبانی کی وجہ سے فتنہ و فساد کا موجب تھے اور اس کے برعکس جو لوگ زیادہ عبادت گزار نہیں تھے تاہم ان کی خوش اخلاقی اور ایثار و قربانی مثالی تھی، انہیں جنت کی بشارت دی گئی۔

دنیا بھر کے تمام صاحبانِ عقل و دانش اس بات پر متفق ہیں کہ پیدائش انسانی کا سب سے

Marfat.com

ارفع اور اعلیٰ مقصد محبت الٰہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

مَا خَلَقْنَا الجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن

''نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اپنی عبادت کے لیے''

جبکہ جملہ مفسرین نے لیعبدون کا ترجمہ لیعرفون کیا ہے یعنی جنوں اور انسانوں کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا کہ اللہ کی معرفت حاصل کریں جبکہ مسلمہ امر ہے کہ معرفت محبت کے بغیر نہیں ہوتی بلکہ کسی بھی شے کی معرفت اسی قدر ہوتی ہے جس قدر کہ اس سے محبت ہوتی ہے۔ قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ اطاعت کرو اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہیں۔ اطاعت سے مراد ان تمام فرائض اور واجبات کی ادائیگی ہے جن کا شرع میں حکم دیا گیا ہے۔ یعنی ارکانِ اسلام جس میں نماز، روزہ اور دیگر واجبات شامل ہیں جن کو اعمالِ صالح کہا گیا ہے گویا عبادت کل ہے اور اطاعت اس کا جزو ہے اسی لیے قرآن میں انسانی پیدائش کے مقصد کے لیے عبادت یعنی کل کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے قلمی جہاد میں اس موضوع پر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے شعائرِ اسلام یعنی نماز، روزہ وغیرہ کو ہی اپنا مقصود بنا لیا ہے یعنی نماز برائے نماز اور روزہ برائے روزہ اور ان کی حقیقت کو بھول گئے ہیں۔ جبکہ یہ ارکان تو ایک طریقہ یا راستے تھے کہ کسی منزل اور مقصد تک پہنچنے کے لیے گویا اس طرح انہوں نے اپنی منزل اور مقصد کو گم کر دیا ہے اور جو کر رہے ہیں وہ صرف رسمی اطاعت ہے۔ مثلاً ارکانِ اسلام میں سب سے پہلا اور بڑا رکن نماز ہے جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

اِنَّ الصلوٰةَ تَنْهٰوْنَ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

''بے شک نماز روکتی ہے بے حیائی کے کاموں سے حرام کاموں سے۔''

اس آیت شریف میں نماز کا مقصد اور اس کی منزل بیان فرما دی گئی اب اگر کوئی شخص جو نماز پڑھے لیکن بے حیائی، حرام کاری، رشوت خوری، زنا کاری اور عیاشی بھی کرے تو یہ فکر کرنے کا مقام ہے کہ نہیں کہ اس نے کیسی اور کیا نماز پڑھی۔ ویسے تو اللہ نے ایسی نماز پڑھنے والے نمازیوں کے بارے میں خود ہی فیصلہ فرما دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَيلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ هُمْ فِيْ صَلوٰتِهِمْ سَاهُوْنَ

''برائی ہے ان نمازیوں کے لیے جو صرف بدنی یعنی جسمانی نماز پڑھتے ہیں۔''

Marfat.com

یعنی ان کے صرف جسم نماز میں ہوتے ہیں قلب و ذہن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ المیہ یہ ہے کہ من حیث القوم ہم نے غور و فکر کرنا ہی چھوڑ دیا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اکثریت تو ان الفاظ سے ہی واقف نہیں کرنا کیا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں ایک مثال، ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جس سے قدرت خداوندی کے ایک طریقے کا اظہار ہوتا ہے کہ اللہ کس کس طرح انسان کو ہدایت کراتا ہے۔

عزیزانِ محترم! کافی عرصے سے پاکستان (T.V) پر ایک پروگرام ناظرہ قرآن شریف پڑھانے کا اقراء کے نام سے چل رہا ہے۔ پروگرام شروع ہونے سے پہلے حسب قاعدہ اس کا ٹائٹل آتا ہے جو قرآن کی ایک آیت ہے جو پڑھ کر مع ترجمہ آواز میں سنایا جاتا ہے جو یہ ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِر

''ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا پھر کوئی ہے جو سوچے اور سمجھے؟''

قرآن میں اللہ نے اپنی آیات کے بارے میں غور و فکر کے لیے اس قدر اصرار اور اتنے تکرار کے ساتھ یعنی بار بار اور کئی جگہ اس طرح کیا ہے کہ یہ بذات خود ایک غور طلب مسئلہ بن جاتا ہے۔ کئی جگہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ تم کیوں میری آیات (نشانیوں) میں غور و فکر نہیں کرتے کیا تمہارے قلوب پر قفل پڑے ہیں۔ کہیں پر انداز بدل کر اسی بات کی ترغیب دی جاتی ہے یہ کہہ کر کہ اس بات میں میری نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے:

لِقَومٍ يَّعْقِلُوْن اور اُولِى الْاَلْبَاب

''عقل والوں اور غور کرنے والوں کے لیے''

سورہ رحمٰن میں جو بار بار فرمان ہے کہ میری کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ تو وہ بھی گویا یہ اندازِ دگر دعوتِ غور و فکر ہی ہے جو بہت خوبصورت اور لطیف پیرائے میں دی گئی ہے۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ دورِ جدید کے سب سے بڑے نشری ذریعہ کی وساطت سے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ بالا پکار ساری دنیا میں سنائی دے رہی ہے۔ مع سوال کے یعنی ''پھر کوئی ہے جو سوچے اور سمجھے'' میری لکھنے کی یہ عاجزانہ کاوش دراصل اللہ کی اسی پکار کی بازگشت ہے اس دعا کے ساتھ کہ اللہ ہمیں سوچنے اور خلوصِ دل سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئین محترم کی خدمت میں ایک مؤدبانہ عرض یہ ہے کہ دورانِ مطالعہ کتاب ہذا انہیں کسی مسئلہ یا مسلک کے بارے میں جو اس میں بیان ہوئے ہیں اگر کوئی اختلاف پیدا ہو تو براہِ کرم

Marfat.com

ٹھنڈے دل و دماغ سے اور غیر جانبدارانہ (Nutral) ہو کر ایک سوال اپنے آپ سے ضرور کر لیں کہ عقل، علم، عشق اور عمل میں ہماری ان پاک اور برگزیدہ ہستیوں سے کیا نسبت اور مقابلہ ہے جن کی کسی بات یا روش سے ہمیں اختلاف ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی حق گوئی، سچائی، دیانت اور امانتداری عین اسوۂ حسنہ کے مطابق ہے اور وہ ہر قسم کے شک وشبہ سے ہر وقت میں پاک اور صاف اور زاہد اور عابد لوگ تھے۔

آخر میں یہ عاجز بندہ دست بہ دعا ہے کہ اے اللہ! اے رب کائنات! ہر اس شخص پر جو اس کتاب کو دل سے پڑھے جس میں تیرے، تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور تیرے محبوب اور برگزیدہ بندوں کے ارشادات اور حالات لکھے گئے ہیں اس پر اپنے حبیب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم، پنج تن پاک اور اپنی انہیں محبوب ہستیوں کے صدقے میں اپنی رحمت اور لطف وکرم فرما اور ان کے باطن کو اپنی محبت اور ظاہر کو عمدہ اخلاق سے سنوار دے۔ آمین

احقر العباد

خواجہ محمد نواز بٹ حسنی اشرفی

Marfat.com

حمد

حمد بے پناہ اس ذاتِ باری تعالیٰ کی جس کی پناہ میں کل کائنات ہے اس قادر مطلق، یکتا اور بے ہمتا کی جس نے اپنے جمال کو اپنے جلال سے، اپنی ذات کو اپنی صفات سے اور اپنے باطن کو اپنے ظاہر سے مقدم کیا۔ جو تخلیق کرنے والا ہے جمادات کا، نباتات کا، حیوانات کا اور فضائے بسیط اور افلاک کا۔ اسی لیے جو کچھ اس میں ہے وہ اسی کی تسبیح کرنے والا ہے:

يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

''جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں''

الحمدللہ کے مصداق سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں تعریف خواہ کسی انسان کی ہو یا کسی شے یا ہنر کی وہ بالواسطہ اللہ ہی کی ہوتی ہے جیسے کہ کسی تصویر کی تعریف اصل میں بالواسطہ مصور ہی کی ہوتی ہے اور اللہ تو تصویر کائنات کا مصور ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

فَلَهُ الْاَسْمَا الْحُسْنٰى

جس کا عام طور پر ترجمہ یہی کیا جاتا ہے کہ ''اللہ کے سب نام اچھے ہیں'' اسمائے حسنہ ۹۹ بیان کیے جاتے ہیں۔ تاہم اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ان کے علاوہ کوئی اور نام اسمائے حسنہ میں نہیں ہوسکتا۔ آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ اگر بہ لطافت اس طرح پڑھا جائے جو کہ حقیقت بھی ہے کہ ''سب اچھے نام اللہ ہی کے ہیں'' تو مفہوم خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک کہ عربی زبان میں ہے تمام اسمائے حسنہ عربی میں ہیں جبکہ اس سے پہلے جو اللہ کی کتابیں دنیا میں آئیں جن میں زبور، توریت اور انجیل ہیں وہ عربی نہیں بلکہ سریانی یا عبرانی زبانوں میں تھیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں اللہ کا نام انہیں زبانوں میں ہوگا۔ پس جبکہ کل کائنات اللہ کے احاطہ میں ہے جس میں تمام زبانیں (Languages) رنگ، نسل اور ہر شے شامل ہے۔ لہٰذا کوئی اچھا نام خواہ وہ کسی زبان میں ہو اللہ ہی کا ہوگا جیسے کہ تعریف کسی بھی شے کی درحقیقت اللہ ہی کی ہوتی ہے۔

Marfat.com

ثناء

جب تک کہ پرندہ اُڑتا ہے، ہوا چلتی ہے اور پانی بہتا ہے بے انتہا درود وسلام ہو اس دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل کی ذات پاک پر کہ جو افضل الانبیاء رحمت اللعالمین شفیع المذنبین راحت العاشقین محبوب رب العالمین ہیں اور ان کی آل پر اور پنج پاک اہل بیت پر کہ جو تاریکی میں بمنزلہ روشن آفتاب ہیں اور جن کے دم قدم سے اہل دل اور اہل معرفت کی مجلسوں کی رونق اور آبادی ہے۔ مجھ حقیر پر تقصیر اور بے مایہ کی کیا حیثیت ہے کہ ان کی مدح بیان کروں کہ غالب جیسا قادر الکلام شاعر یہ کہتا ہے۔

''غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم''

غالب! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثناء میں نے اللہ پر چھوڑ دی ہے۔

''کاں ذات پاک مرتبہ دانے محمدؐ است''

کہ صرف وہ ذات پاک ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ جانتی ہے۔

تاہم اظہار عجز وانکسار کے لیے محبان وعاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اشعار کہ اہل محبت کے دلوں کو چھوتے ہیں اور گداز پیدا کرتے ہیں عرض کرتا ہوں:

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

''ہزار بار اپنے منہ کو مشک اور گلاب سے دھوئیں، تب بھی منہ سے آپ کا نام لینا بے ادبی ہے''۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

مزید فرماتے ہیں:

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

Marfat.com

مزید فرماتے ہیں:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

''خود کو حضور تک پہنچا (یعنی ان کی محبت) کہ دین صرف یہی ہے۔ اگر وہاں تو نہیں پہنچا (محبت نصیب نہ ہوئی) جو بھی کیا جہالت ہے۔''

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

مزید فرماتے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

Marfat.com

خلفائے راشدین

خلیفہ اوّل:

ہزاروں رحمتیں اور سلام ہو امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو کہ افضل البشر بعد الانبیاء کے لقب سے مخصوص ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خلیفہ ہیں اور جن کی امامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں نماز ادا فرمائی۔ تقویٰ، پرہیزگاری اور جود و سخا میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جب واقعہ معراج پیش آیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی نے سنایا تو انہوں نے صرف یہ پوچھا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔ کہا گیا ہاں تو فرمایا کہ میں تصدیق کرتا ہوں اور یہ سچ اور برحق ہے جس پر صدیق کا خطاب بارگاہِ نبوی سے عطا ہوا۔ حضور محبوب پاک فرماتے ہیں کہ ایک بدوی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے فرمایا میں خلیفہ نہیں بلکہ صرف ان کے پیچھے آیا ہوں۔ آپ رات کا اکثر حصہ حق تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے اور جب سحر ہوتی تو آہ مارتے جس سے جلے ہوئے جگر کی بو آتی۔ ۱۳ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

خلیفہ دوم:

امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی بہت بہت سلام جو کہ عدل، مضبوطی اور پختگی ارادہ سے مخصوص تھے۔ جن کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حق تعالیٰ عمر کی زبان سے بولتا ہے۔'' جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو جبرائیلؑ نے حضورؐ کی خدمت میں آ کر اہل آسمان کی جانب سے خوشخبری کی بشارت دی۔ آپ کے دُرّے کے

Marfat.com

خوف سے اہل جہاں کے کئی کام سنور گئے اور آپ کے عہد خلافت میں مسلمانوں نے بے شمار فتوحات حاصل کیں اور ایران اور روم وغیرہ پر اسلام کا غلبہ ہو گیا۔ آپ ؁۲۴ھ کو ابن لولو کے ہاتھوں حالتِ نماز میں شہید ہوئے۔

خلیفہ سوم:

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی بہت بہت سلام ہو جن کا لقب ذوالنورین ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آپ کے عقد میں آئیں۔ آپ حیا کا خزانہ اور بہت متقی تھے۔ آپ کو جامع القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی خلافت کے زمانے میں محسوس کیا کہ قرآن جو کہ حفاظ صحابہ کرام کے سینوں میں محفوظ تھا وہ جنگوں میں شہید ہوتے چلے جا رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان سے سن کر ترتیب دی اور جمع کر لیا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غزوات کے مواقع پر اپنے مال و زر سے اس قدر خدمت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سرخوشی میں فرمایا کہ ''عثمان کو اس کا کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچا سکتا'' آپ ہی کے قتل کی خبر (جو بعد میں غلط ثابت ہوئی) سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے بیت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے اور جس کا تذکرہ قرآن میں بھی آیا ہے۔ آپ کے زمانے میں بھی مسلمانوں نے بے پناہ فتوحات حاصل کیں اور اسلامی سلطنت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ آپ نے قریباً دس سال خلافت کی اور نوے سال کی عمر میں باغیوں کے ہاتھوں قرآن پڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔

خلیفہ چہارم:

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار

(مردانگی کے بادشاہ اللہ کے شیر اور اللہ کی قوت)

لَا فَتَا اِلَّا عَلی لَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفقعار

''کوئی بہادر نہیں جیسا علی کے، کوئی تلوار نہیں جیسی ذوالفقار''

امیر المومنین اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ پر ہزاروں سلام کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی، پروردہ دوستی کی آگ کے جلے ہوئے اولیاء کے

Marfat.com

مقتدا اصفیاء کے پیشوا اور جملہ سلسلہ ہائے طریقت کے بانی ہیں، جود و سخا، عطا، جنگ و جہاد، فقر اور صفا کے اوصاف سے صحابہ کرام میں ممتاز تھے۔ قوت اور شوکت کی وجہ سے جناب باری تعالیٰ سے آپ کو اسد اللہ الغالب اور کرم اللہ وجہہ کے خطاب عطا ہوئے۔ کثرتِ علم کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اَنَا مَدِیْنَةِ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا کہ کئی مرتبہ عدل و انصاف کرتے وقت حضرت علی کے مشورہ اور رائے سے فیصلہ کیا ورنہ فیصلہ غلط ہو جاتا۔ معراج کی رات جو خرقۂ فقر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا اس سے صرف آپ ہی مشرف ہوئے اور وہ آپ کو عطا کیا گیا۔ اسی لیے آپ تمام سلاسلِ طریقت کے بانی ہیں اور خرقۂ فقر قیامت تک آپ ہی سے منسوب ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات عالیہ آپ کے بارے میں ہیں جن میں اہلِ طریقت کے نزدیک بنیادی حیثیت خم غدیر (یک جگہ) پر حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَنْ کُنْتُ مولاہُ فَعلیٌّ مَولا

''کہ جس کا میں مولا (آقا) ہوں پس علی بھی اس کے مولا ہیں''

اور

اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ

''اے اللہ جو اس کے ساتھ محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔''

سورہ آل عمران آیت ۱۵۰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا:

بَلِ اللّٰھب مَولکُم وَھُوَ خَیرُ النّٰصِرِین

''بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے (آقا، محبوب) ہے اور وہی سب سے بہتر مددگار ہے۔''

گویا اللہ بذاتِ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مولا اور مددگار تھے اور بے شک آگے

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود اپنی اُمت کے مولا اور مددگار تھے یعنی اپنا یہ مقام اپنی موجودگی میں اپنی عطا اور رضا سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔ میں نے انگریزی میں ایک کتاب میں ایک حدیث شریف حضور مولائے کائنات حضرت علی کرم کی شان میں دیکھی ہے جو پیش ہے:

کوئی اللہ کو نہیں پہچانتا سوائے میں اور علی

No body knows Allah but me and Ali.

کوئی مجھے نہیں پہچانتا سوائے اللہ اور علی

No body knows me but Allah and Ali.

کوئی علی کو نہیں پہچانتا سوائے اللہ اور میں

No body knows Ali but Allah and me.

Marfat.com

شجرہ طریقت سلسلہ چشتیہ، نظامیہ، سراجیہ، اشرفیہ

مولائے کائنات حضرت علی کرم سے پہلی خلافت طریقت حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو عطا ہوئی جو شجرہ ذیل سے سلسلہ وار ہم تک پہنچی ہے۔

۱۔ حضرت خواجہ حسن بصریؒ
۲۔ حضرت عبدالواحد بن زیدؒ
۳۔ حضرت فضیل ابن عیاضؒ
۴۔ حضرت سلطان ابراہیم ادھمؒ
۵۔ حضرت حذیفۃ المرعشیؒ
۶۔ حضرت امین الدین ہبیرۃ البصریؒ
۷۔ حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ
۸۔ حضرت خواجہ ابواسحاق چشتیؒ
۹۔ حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتیؒ
۱۰۔ حضرت خواجہ ابومحمد چشتیؒ
۱۱۔ حضرت خواجہ ناصرالدین ابویوسف چشتیؒ
۱۲۔ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی
۱۳۔ حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ
۱۴۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ
۱۵۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ (اجمیری غریب نواز)
۱۶۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

Marfat.com

۱۷- حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ
۱۸- حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ
۱۹- حضرت شیخ اخی سراج آئینہ ہندؒ
۲۰- حضرت خواجہ علاء الحق گنج نبات خالدی لاہوریؒ
۲۱- حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی محبوب یزدانیؒ
۲۲- حضرت ابوالحسن سیّد عبدالرزاق نورالعینؒ
۲۳- حضرت سیّد حسین قتالؒ
۲۴- حضرت سیّد جعفر عرف لاڈؒ
۲۵- حضرت سیّد چراغ جہاںؒ
۲۶- حضرت سیّد محمود شمس الحقؒ
۲۷- حضرت سیّد راجوؒ
۲۸- حضرت سیّد احمدؒ
۲۹- حضرت سیّد فتح اللہؒ
۳۰- حضرت سیّد محمد مرادؒ
۳۱- حضرت سیّد بہاؤالدینؒ
۳۲- حضرت سیّد توکل علیؒ
۳۳- حضرت سیّد داؤد علیؒ
۳۴- حضرت سیّد شاہ نیاز اشرفؒ
۳۵- اعلیٰ حضرت سیّد شاہ ابو احمد محمد علی حسین اشرفی الجیلانی محبوب ربانیؒ
۳۶- سیّد المشائخ حضرت سیّد آل حسن اشرفی الجیلانی المخاطب بہ احسن اللہ شاہؒ

Marfat.com

خلافت راشدہ بسلسلہ طریقت

خلافتِ راشدہ کے بعد جب سلسلۂ طریقت حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے شروع ہوا تو اس دنیائے رنگ و بو اور راہِ سلوک میں چار خلفائے طریقت یکے بعد دیگرے تواتر سے اسی طرح تشریف لائے جیسے کہ خلفائے راشدین آئے اور یہ سعادت ہمارے اس خطۂ زمین کو نصیب ہوئی جسے برصغیر پاک و ہند کہا جاتا ہے۔ ان پاک اور بلند مرتبہ ہستیوں نے دنیا کو نورِ ہدایت اور محبت سے کچھ اس طرح منور کیا کہ ہزاروں کافروں، گنہگاروں اور سیاہ کاروں کی توبہ کی توفیق ملی اور محبت وعشق الٰہی کے ان حیات آفریں چشموں سے سیراب و فیضیاب ہو کر واصل باللہ ہوئے۔ یہ برگزیدہ اور محبوب ہستیاں کہ چہار خواجگان چشت کہلاتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرمان باری تعالٰی کے مصداق وَاللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَاءُ سے مخصوص ہوا اور جن کی محبوبیت کی خوشبو سے ساری دنیا معطر ہوگئی۔ ان میں سے پہلا نام نامی واسم گرامی ہے۔

اوّل:

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری بہ خطاب خواجہ غریب نواز اور نائب رسول اللہ فی الہند

آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ؒ کے خلیفہ اکبر تھے۔ آپ برصغیر میں طریقت کے بانی، واقف اسرار الٰہی اور طرح طرح کی کرامتوں اور بلندی درجات میں مشہور تھے۔ خواجہ غریب نواز خود فرماتے ہیں کہ جب میں شرف ارادت سے مشرف ہوا تو مکمل بیس برس پیر و مرشد کی خدمت میں رہا اور اس عرصہ میں ایک ساعت بھی نفس کو ان کی خدمت سے آرام نہیں لینے دیا۔ سفر و حضر

Marfat.com

میں ساتھ رہتا اور آپ کا سامان اور بستر اُٹھائے رہتا۔ آپ کے ارشادات بے شمار اور کرامتیں لاتعداد ہیں جن سے فقر کی خوشبو آتی ہے اور جو منفرد ہیں۔

فرمایا کہ اللہ کی سب سے بہتر اطاعت ہے مظلوموں کی فریاد سننا، بے چاروں کی حاجت روائی کرنا اور بھوکوں کا پیٹ بھرنا۔

فرمایا محبت الٰہی کی علامت یہ ہے کہ مطیع رہے اور اس بات سے نہ ڈرے کہ نکال دیں گے اور بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرے اور مقبول ہونے کی خواہش رکھے۔

فرمایا جس میں یہ تین خصلتیں ہوں وہ اللہ کا دوست ہے اوّل دریا کی سی سخاوت دوئم آفتاب کی سی شفقت تیسرے زمین جیسی تواضع اور انکساری۔

آپ مکہ معظمہ سے براستہ افغانستان اور پشاور، اجمیر شریف جانے کے لیے جب لاہور پہنچے تو حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش صاحبؒ کے مزار مبارک پر چلہ فرمایا (جس کی جگہ آج بھی مخصوص رکھی گئی ہے) جب چلہ سے فارغ ہوئے تو یہ شعر فرمایا:

گنج بخش فیضِ عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہ نما

کہا جاتا ہے کہ داتا صاحب کی قبر مبارک بعد وصال کے قریباً دو سو سال تک کچی مٹی ہی کی تھی اور ساتھ کی مسجد بھی ایسی مٹی ہی کی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کی پہچان ان کی کتاب کشف المحجوب کی وجہ سے زیادہ تر علماء اور مشائخ میں تھی جب خواجہ غریب نواز چلہ فرما کر اور مندرجہ بالا شعر کہہ کر رخصت ہوئے تو حضرت داتا گنج بخش صاحب کا فیض عام ہونا شروع ہوا۔ پہلے علی ہجویری کے نام سے جانے جاتے تھے۔ پھر گنج بخش اور داتا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آج لاکھوں دُکھی اور دنیا کے ستائے ہوئے لوگ جوق در جوق ان سے فیضیاب ہو رہے ہیں اور مزار مبارک بھی بہت وسیع اور خوبصورت بن گیا ہے۔

خواجہ غریب نواز کی تشریف آوری سے ہندوستان جو بت پرستی اور کفر کی تاریکی میں غرق تھا اسلام کے نور سے منور ہوا اور لاکھوں بندگان خدا نے ہدایت پائی۔ جب آپ نے وصال پایا تو آپ کی پیشانی مبارک پر بخط سبز یہ تحریر ظاہر ہوئی:

هٰذا حَبِیبُ اللّٰهِ مَاتَ فِی حُبِّ اللّٰهِ

Marfat.com

''یہ اللہ کے محبوب ہیں اللہ کی محبت میں فوت ہوئے ہیں''

آپ کا مزار شریف اجمیر میں ہی ہے جو آج بھی دردمندوں کے دل کی دوا اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کا نشان ہے۔

دوئم:

قطب الاقطاب، شیخ الاسلام حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ قدس اللہ سرالعزیز

حضرت خواجہ غریب نواز کے خلیفہ اکبر اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ ایک زمانہ آپ کا گرویدہ اور معتقد تھا۔ جس میں عوام و خواص بھی شامل تھے۔ ہندوستان کا بادشاہ سلطان شمس الدین التمش بھی آپ کے ارادتمندوں میں تھا اور بہت ادب کرتا تھا۔ بختیار اسم گرامی، قطب الدین لقب اور کاکی کے نام سے مشہور یعنی عرفیت تھی۔ جس کے بارے میں حضرت محبوب پاک فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ قطب صاحب کی زندگی ہمیشہ تنگی و عسرت میں گزری۔ اکثر مقروض رہتے۔ اللہ کے فضل سے آپ کے مصلے تلے سے ایک روٹی (جسے کاک کہتے ہیں) نکلنی شروع ہوگئی جو سارے گھر والوں کے لیے کافی ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ نے بنیے سے قرض لینا بند کر دیا۔ اس نے خیال کیا کہ شاید شیخ صاحب ناراض ہوگئے ہیں۔ چنانچہ اپنی بیوی کو آپ کے حرم کے پاس بھیجا تاکہ صورت حال دریافت کرے۔ شیخ صاحب کی حرم (زوجہ) نے مصلے تلے سے روٹی کا نکلنا بتا دیا جس کے بعد وہ روٹی پھر نہ ملی۔ خواجہ قطب صاحب نے اپنے حرم سے پوچھا کہ اس روٹی کا آپ نے کسی سے ذکر کیا تھا تو عرض کیا جی ہاں! اس واقعہ کے بعد سے آپ کاکی مشہور ہوگئے۔ آپ بڑے عابد اور شب بیدار تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص رئیس نام نے کہ آپ کا معتقد تھا خواب دیکھا کہ ایک گنبد ہے جس کے گرد بہت سی خلقت جمع ہے کسی نے بتایا کہ اندر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور ایک چھوٹے قد کا آدمی جس کا نام عبداللہ مسعود ہے دربانی کا فرض ادا کر رہا ہے۔ میں نے بھی زیارت کے لیے اس سے عرض کیا تو وہ اندر سے پیغام لایا کہ تم ابھی زیارت کرنے کے قابل نہیں ہو تاہم بختیار کاکی کو میرا اسلام کہنا اور

Marfat.com

کہنا کہ رات کے وقت جو تحفہ تم ہمیں بھیجا کرتے تھے تین رات سے نہیں پہنچا خیر ہو۔ اس وقت میری آنکھ کھل گئی۔ چنانچہ میں اگلے ہی دن خواجہ قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہنچایا اور پیغام بھی۔ خواجہ صاحب یہ سن کر اشکبار ہوئے اور اپنی زوجہ کو مہر دے کر رخصت کر دیا کہ تین راتیں شادی میں بسر ہو گئی تھیں اور اس لیے دستور میں ناغہ ہوا کہ آپ ہر رات سونے سے پیشتر تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے سو اس میں تین رات متواتر ناغہ ہوا۔

دلی میں خواجہ قطب صاحب کا شہرہ بدرجہ کمال تھا اور تمام اہل شہر بلا امتیاز مذہب وملت آپ کی طرف رجوع کرتے جس پر شیخ نجم الدین صغریٰ نے کہ دلی کے شیخ الاسلام تھے حضرت خواجہ غریب نواز سے جو کہ دلی تشریف لائے ہوئے تھے شکوہ کیا کہ آپ کے خلیفہ صاحب کی وجہ سے مجھے شہر میں کوئی پوچھتا ہی نہیں۔ جب پر خواجہ غریب نواز نے فرمایا کہ بابا بختیار تم یکبارگی اس قدر مشہور ہو گئے کہ لوگ تمہاری شکایت کرنے لگے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہمارے ساتھ اجمیر چلو اور وہیں رہو۔ چنانچہ خواجہ غریب نواز ان کو ساتھ لے کر دلی سے چلے تو تمام اہل شہر مع سلطان التمش کے کہ آپ کا مرید بھی تھا آپ کے پیچھے روانہ ہوئے اور نہایت گھبراہٹ کا اظہار اور گریہ وزاری کرنے لگے جس پر خواجہ غریب نواز نے فرمایا کہ بابا بختیار تم یہیں قیام کرو کہ ساری خلقت تمہارے جانے سے بہت مضطرب ہے۔ جاؤ یہ شہر تمہاری پناہ میں دیا۔

حضور محبوب پاکؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ قطب صاحب عید کے دن عیدگاہ سے واپسی پر جب اس مقام پر پہنچے جہاں آج کل آپ کا مزار شریف ہے تو وہاں ٹھہر گئے۔ حالانکہ یہ جگہ جنگل تھی اور کوئی قبر یا گنبد وغیرہ وہاں نہیں تھا۔ کچھ دیر وہاں خاموش کھڑے رہے اور لوگوں کے عرض کرنے پر فرمایا کہ مجھے اس زمین (جگہ) سے دلوں کی خوشبو آتی ہے اسی وقت مالک زمین کو طلب فرمایا اور اپنی جیب سے اس زمین کی قیمت ادا کی اور اسے اپنا مدفن قرار دیا۔ خواجہ قطب صاحب وصال سے پیشتر چار دن عالم تحیر اور کیفیت میں رہے جس کی صورت یوں ہے کہ شیخ علی سکتری کی خانقاہ میں (جو دلی کے ایک ہم عصر شیخ طریقت تھے) سماع ہو رہا تھا اور خواجہ قطب صاحب بھی مجلس میں موجود تھے۔ قوال نے یہ شعر پڑھا:

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

Marfat.com

"ان کے لیے جو تسلیم و رضا کے خنجر سے شہید ہوئے۔ ہر زمانے میں انہیں
اللہ کی جانب سے ایک دوسری جان عطا ہوئی ہے۔"

یہ شعر سن کر آپ پر حالت طاری ہوئی جب گھر بھی آئے تو متحیر اور بے خود تھے اور فرماتے تھے کہ وہی شعر پڑھو قوال ساتھ ہی تھے۔ پڑھتے تو آپ پھر اسی حالت اور کیفیت میں چلے جاتے۔ صرف نماز کے وقت ہوش میں آتے اور نماز ادا کرتے۔ پھر وہی صورت بن جاتی۔ حتیٰ کہ چار دن رات اسی حالت میں رہے اور پانچویں رات ۱۴ ربیع الاوّل کو وصال فرمایا۔ مصنف رسالہ سماع مولانا فخر الدین زرادیؒ (جو محبوب پاک کے بڑے خلفاء میں سے تھے) اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ جن دنوں خواجہ قطب صاحب عالم تحیر میں تھے لوگ آپ کا قارورہ (پیشاب) اس وقت کے ایک حاذق حکیم شمس الدین کے پاس لے گئے تا کہ وجہ دریافت کریں۔ چنانچہ حکیم صاحب نے قارورہ دیکھ کر کہا کہ ایسے شخص کا ہے جو محبت و عشق کی آگ میں جل رہا ہے اور اس کا جگر پگھل گیا ہے اور طبیب سچا تھا کہ عشقِ الٰہی میں خواجہ قطب صاحب ایسے ہی مقام پر تھے۔

سوئم:

شیخ شیوخ العالم حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

سلطان العارفین، علماء اور فقراء کے پیشوا ابدی سعادت اور دولتِ سرمدی کے حامل حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ جو عشق و محبت کے اسرار، ذوق اور رموزات میں بے نظیر تھے، اپنے عہد میں لاثانی تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ اکبر تھے۔ آپ نہایت اعلیٰ ہمت اور مجاہدہ میں اولیائے کرام میں سبقت لے جانے والوں میں سے تھے۔ تمام عمر سوائے عشق الٰہی کے کسی دنیاوی شے، رتبہ یا مرتبہ کی طرف راغب نہ ہوئے۔ آپ فرخ شاہ، بادشاہ کابل کی اولاد میں سے تھے اور آپ کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔ جب خاندان غزنی کا عروج ہوا تو انہوں نے کابل پر بھی قبضہ کر لیا۔ تاہم آپ کے آباؤ اجداد نے چنگیز خان کے غزنی کو تاراج کرنے کے بعد (جس میں انہوں نے شہادت بھی پائی) کابل سے ہجرت کی۔ آپ کے دادا قاضی شعیب فاروقی لاہور سے ہوتے ہوئے قصور پہنچے تو وہاں کے

Marfat.com

قاضیوں نے جو آپ کے خاندان کی عظمت اور بزرگی سے واقف تھے آپ کی بہت عزت افزائی اور خدمت کی بعد ازاں بادشاہ وقت شہاب الدین غوری سے کہہ کر انہیں ملتان کے قریب قصبہ کھتوال میں قاضی مقرر کرا دیا۔ والد صاحب کا اسم گرامی جمال الدین سلیمان ہے اور والدہ ماجدہ بی بی قرسم خاتون تھیں جو نہایت پاکباز، نیک سیرت اور عابدہ تھیں۔ آپ نسلاً سیّدہ تھیں اور ملتان کے ایک عالم دین مولانا وجیہہ الدین خجندی کی صاحبزادی تھیں۔ بابا صاحب ۵۶۹ھ میں پیدا ہوئے اور اسم گرامی مسعود رکھا گیا۔ پانچ یا چھ سال کی عمر میں والد گرامی کے انتقال سے آپ صدمہ یتیمی سے دوچار ہو گئے۔

بیعت:

آپ بسلسلہ تعلیم ملتان میں ایک مسجد میں قیام پذیر تھے۔ ایک روز مسجد میں بیٹھے فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''نافع'' پڑھ رہے تھے کہ خواجہ قطب صاحبؒ بھی وہاں تشریف لائے بابا صاحب ان کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر مسحور ہو گئے اور ان کی بہت تعظیم و تکریم کی خواجہ قطب صاحب نے نام پوچھا اور اس کے بعد کہا کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ عرض کیا نافع (معنی نفع دینے والی) فرمایا کہ تجھے معلوم ہے کہ یہ تیرے حق میں مفید ہو گی اور تمہیں نفع دے گی؟ اس بات کا اثر بابا صاحب کے دل پر ایسا ہوا کہ بے ساختہ عرض کیا کہ حضور فائدہ تو مجھے آپ کی بخشش اور نظرِ عنایت سے ہوگا۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

خواجہ صاحب کو یہ ادب اور ذہانت پسند آئی۔ چنانچہ بابا صاحب بھی واپسی پر ان کے ساتھ دلی آ گئے اور بعد ازاں بیعت ہو کر، پیر و مرشد کی خدمت میں رہ کر یادِ حق میں مشغول ہو گئے۔ خواجہ صاحب باب صاحب کو بابا فرید کہہ کر پکارتے تھے۔ جس کی برکت ہے یہ لقب دائمی اور سارے جہان میں مشہور ہو گیا۔ قناعت کا عالم یہ تھا کہ بادشاہانِ وقت جس میں التمش اور بلبن جیسے جلیل القدر بادشاہ تھے آپ کے ارادت اور عقیدتمندوں میں شامل تھے اور آپ کی خدمت کرنا اپنے لیے باعث سعادت اور برکت سمجھتے تھے۔ تاہم آپ نے ان سے اپنے لیے کبھی کوئی جاگیر یا دولت باوجود ان کے پیش کرنے کے بطور نذرانہ قبول نہیں کی۔ زندگی درویشانہ لباس اور فقیرانہ

Marfat.com

طریقے سے بسر کی۔ اس علاقے یعنی پاک پتن جو اس زمانے میں اجودھن کہلاتا تھا اور ایک غیر معروف قصبہ تھا جس کے اردگرد جنگل تھا اور آبادی کم تھی، میں صرف اس لیے مقیم رہے کہ شہرت نہیں چاہتے تھے بلکہ ارادتاً اس سے گریز فرماتے تھے۔ اس علاقے کے پھل پھول اور پیلو وغیرہ پر گزارا کرتے جبکہ لنگر میں ہر قسم کا اچھا کھانا پکتا جو صرف آنے والے مہمانوں کے لیے ہوتا خود اس میں سے نہیں کھاتے تھے۔ دن بدن مرضی مولا سے خلقت کا آنا جانا بڑھتا گیا۔ ہر ایک سے خواہ نیا آنے والا ہو یا پرانا یکساں سلوک فرماتے۔ کوئی کام پوشیدگی میں ایسا نہیں کیا جسے ظاہر میں نہ کہہ سکتے۔ یعنی آپ کا ظاہر اور باطن ایک تھا۔ اکثر روزہ رکھتے، افطاری کے وقت ایک پیالہ شربت ہوتا جس میں کبھی کبھی تھوڑا منقہ پڑا ہوتا۔ اس میں سے بھی کبھی نصف کبھی تیسرا حصہ حاضرین کو دے دیتے باقی خود نوش فرماتے۔ کھانے کے لیے دو روٹیاں جو ذرا موٹی اور نرم ہوتیں، گھی سے چپڑ کر لائی جاتیں۔ ایک روٹی حاضرین میں تقسیم فرما دیتے اور دوسری خود تناول فرماتے۔ بعض اوقات اگر کوئی تبرکاً اس روٹی میں سے طلب کر لیتا تو اس میں سے بھی دے دیتے۔ رات آرام کرتے وقت ایک سادی سی چارپائی پر وہی گودڑی بچھا دی جاتی جس پر دن میں فرش پر بیٹھتے تھے اور جو چارپائی پر پوری نہیں آتی تھی۔ اس قدر سادگی، قناعت اور توکل کے ساتھ باری تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے برگزیدہ کر دیتا ہے کی عنایت سے آپ کے حسن معاملہ اور بلندی درجات کا ڈنکا سارے جہان میں بج گیا اور اس کی آواز قیامت تک سنائی دیتی رہے گی۔

خطاب گنج شکرؒ:

اس بارے میں دو روایات مستند ہیں۔ ایک بابا صاحب کے بچپن سے تعلق رکھتی ہے اور جس سے گویا مستقبل کی نشان دہی ہوتی ہے اور اللہ کے امر کی پیشین گوئی کہی جا سکتی ہے جیسے کہ کہاوت ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات!" یہ بات اس طرح ہے کہ بابا صاحب کی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ بچپن میں آپ کو نماز کی ترغیب اور شوق دلانے کی خاطر بیٹے سے کہہ رکھا تھا کہ جو بچہ نماز پڑھتا ہے۔ اللہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں اور اسے شکر انعام میں دیتے ہیں۔ چنانچہ نماز سے پہلے وہ بابا صاحب کے مصلے کے نیچے ایک شکر کی پڑیا رکھ دیتیں اور بعد نماز اسے نکال کر دے دیتیں۔ ایک روز والدہ صاحب کسی مصروفیت کی وجہ سے وہ پڑیا نہ رکھ سکیں اور بابا

Marfat.com

صاحب نماز پر کھڑے ہو گئے۔ تب انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ باری تعالیٰ میری لاج رکھنا۔ جب بابا صاحب نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ مسعود شکر ملی۔ عرض کیا جی ہاں مل گئی۔ یہ سن کر انہوں نے شکرانہ ادا کیا اور دعا دی۔ اس واقعہ کو خطاب گنج شکر جو بعد میں بارگاہ الٰہی سے بابا صاحب کو عطا ہوا اس کی تمہید کہی جا سکتی ہے۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ بابا صاحب نے پیر و مرشد سے مجاہدہ یعنی ریاضت کرنے کے لیے عرض کیا تو انہوں نے فرمایا طے کرو (یعنی تین دن مسلسل روزہ رکھنا) چنانچہ آپ نے کیا تیسرے دن افطار کے وقت ایک ایک شخص کھانا بطور نذر لایا جو آپ نے کھایا معاً اسی وقت آپ کی نظر سامنے درخت پر پڑی جہاں ایک کوا مردہ آنتیں کھا رہا تھا۔ آپ کی طبیعت چونکہ بہت لطیف تھی اس لیے یہ دیکھ کر کراہت ہوئی اور قے ہو گئی۔ جب یہ ذکر پیر و مرشد سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ دوبارہ طے کرو کہ وہ کھانا ایک شرابی کے ہاں سے آیا تھا اور عنایت الٰہی سے تمہارے معدے میں قرار نہیں کیا جس سے تمہارا معدہ پاک رہا۔ اب جو کچھ غیب سے ملے اس سے افطار کرنا۔ چنانچہ جب افطار کا وقت آیا تو گویا مسلسل چھ دن کا روزہ ہو چکا تھا اور کمزوری بہت ہو گئی تھی تاہم کسی قسم کا کھانا نہ ملا جب رات کا پہلا پہر گزر گیا تو نقاہت بہت بڑھ گئی۔ آپ نے بھوک کی بے قراری سے زمین پر ہاتھ مارا تو چند سنگ ریزے ہاتھ میں آ گئے جو اضطراری طور پر آپ نے منہ میں ڈال لیے تو وہ شکر کے دانے بن گئے۔ آپ نے خیال کیا کہ کوئی مکر یا شیطانی فریب نہ ہو اس لیے تھوک دیا۔ جب ضعف حد سے بڑھ گیا تو دوسری دفعہ پھر اور پھر تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ تب آپ نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کیا اور یہ بھی یاد آیا کہ پیر و مرشد نے بھی فرمایا تھا کہ جو غیب سے ملے اسی سے افطار کرنا۔ جب یہ واقعہ پیر و مرشد سے عرض کیا تو انہوں نے اسے من جانب اللہ ہونے کی تصدیق کی اور فرمایا کہ تم بھی شکر کی طرح میٹھے ہو جاؤ گے۔ اس دن کے بعد سے لوگ آپ کو بابا گنج شکر کے نام سے پکارنے لگے اور یہ لقب دو جہانوں میں مشہور ہو گیا۔

والدہ ماجدہ:

بابا صاحب کی والدہ ماجدہ بڑی بزرگ، شب بیدار اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ ایک رات آپ تہجد کی نماز میں مصروف تھیں کہ ایک چور گھر میں آ گیا جبکہ گھر والے سب سو رہے تھے۔ چور اندر آیا تو اندھا ہو گیا اور اس وجہ سے بہت ڈر گیا۔ چنانچہ گھبرا کر اس نے بولا کہ اس گھر میں اگر

Marfat.com

کوئی مرد ہے تو وہ میرا باپ اور بھائی ہے اور اگر کوئی عورت ہے تو وہ میری ماں میری بہن ہے جو بھی ہے اس کی وجہ سے میں اندھا ہو گیا ہوں۔ مجھے کچھ بھائی نہیں دیتا، میں معافی مانگتا ہوں اور آئندہ کے لیے اس کام سے توبہ کرتا ہوں۔ مجھے معاف کیا جائے اس پر اس کی بینائی واپس آ گئی اور وہ چلا گیا۔ بی بی صاحبہ نے اس بات کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ دن چڑھا تو ایک شخص اپنے بیوی بچوں سمیت دہی سے بھرا گھڑا اپنے سر پر اُٹھائے آیا اور پوچھنے پر اپنا رات والا واقعہ بیان کیا اور توبہ کر کے مسلمان ہوا۔ اس کا نام شیخ عبداللہ رکھا گیا جو بعد میں اللہ کا ولی بندہ ہوا۔ ساری عمر وہیں رہا اور بابا صاحب کے بڑے بھائی اور والد صاحب کے پہلو میں دفن ہوا۔

بابا صاحب کے چھوٹے بھائی جو بابا صاحب کے مرید اور خلیفہ بھی تھے ان کا نام شیخ نجیب الدین متوکلؒ تھا نہایت باکمال اور خدارسیدہ بزرگ تھے اور دلی میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ والدہ صاحبہ کے ہمراہ بابا صاحب کو ملنے دلی سے پاک پتن آتے ہوئے راستے میں جنگل میں ایک جگہ انہیں ایک درخت تلے بٹھا کر خود پانی کی تلاش میں نکل گئے۔ جب واپس آئے تو والدہ صاحبہ وہاں درخت کے نیچے نہیں تھیں۔ کافی ادھر ادھر تلاش کیا کوئی پتہ نہ چلا چنانچہ افسردہ اور ملول بابا صاحب کے پاس جب پہنچے تو سارا معاملہ بیان کیا۔ بابا صاحب نے سن کر فرمایا کھانا پکا کر صدقہ دو جو کر دیا گیا۔ کافی مدت بعد ایک مرتبہ پھر شیخ نجیب الدین دلی سے پاک پتن جاتے ہوئے جب اسی جگہ پہنچے، جہاں والدہ صاحبہ گم ہوئی تھیں تو ان کا خیال کر کے پھر ادھر ادھر تلاش کیا تو ایک جگہ چند انسانی ہڈیاں ملیں جو اس خیال سے انہوں نے اُٹھا کر تھیلی میں رکھ لیں کہ شاید والدہ صاحبہ کی ہوں جب بابا صاحب کے پاس آ کر یہ ماجرا سنایا تو انہوں نے فرمایا وہ تھیلی لاؤ جب لا کر اسے کھولا اور جھاڑا تو اس میں سے کچھ بھی نہ نکلا جبکہ تھیلی بند تھی اور بڑی حفاظت سے لائی گئی تھی۔ یہ بات عجائب غرائب میں سے ہے اور بابا صاحب کی والدہ ماجدہ کی بزرگی پر دلیل ہے۔

فصاحت اور بلاغت:

بابا صاحب کی تقریر اور تحریر میں ایسی فصاحت اور لطافت تھی کہ سننے اور پڑھنے والوں کے دلوں پر گہرا اثر کرتی تھی۔ پیرایہ بڑا دلنشیں اور اس میں بے باکی، جرات، معرفت اور ہدایت کا ایسا حسین امتزاج ہوتا جو بالکل منفرد تھا۔ ایک مرتبہ کسی کی درخواست پر بادشاہ وقت غیاث الدین بلبن کو اس طرح لکھا کہ ''میں نے اس کا حال پہلے اللہ تعالیٰ کے اور پھر تمہارے آگے پیش کیا ہے۔

Marfat.com

اگر تم اسے کچھ دو گے تو اصلی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور تم اس کے لیے مشکور (شکریے کے مستحق) ہو گے اور اگر تم نے اسے کچھ نہ دیا تو اصلی مانع اللہ ہے اور تم اس میں معذور سمجھے جاؤ گے۔"

حضرت جمال الدین ہانسویؒ بابا صاحب کے اوّل اور بڑے خلفاء میں سے تھے اور بابا صاحب ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ ان کے بارے میں اکثر فرماتے "جمال ہمارا جمال ہے" ایک مرتبہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ نے بابا صاحب کو لکھا کہ میرے تمام مرید اور خلفاء کو لے لیجیے اور صرف جمال الدین ہانسوی کو مجھے دے دیجیے۔ بابا صاحب نے جواباً لکھا کہ جمال ہمارا جمال ہے۔ تبادلہ مال میں ہو سکتا ہے جمال میں نہیں۔

ایک اور موقع پر حضرت بہاؤ الدین زکریا نے کسی بات کے معاملہ پر بابا صاحب کو لکھا کہ "بابا میان ما وشما عشق بازی است" (کہ بابا ہمارے اور آپ کے درمیان عشق بازی ہے) بابا صاحب نے جواباً لکھا کہ میان ما وشما عشق است بازی نیست (کہ ہمارے اور تمہارے درمیان عشق ہے بازی نہیں ہے)۔

بابا صاحب کے ایک فرزند تھے۔ جن کا نام نظام الدین تھا ایک مرتبہ وہ اور ان کے ساتھ حضرت نظام الدین اولیاء اکٹھے حاضر تھے بابا صاحب نے دونوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم دونوں فرزند ہو بیٹے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم فرزند "نانی" ہو اور حضرت نظام الدین اولیاء کے بارے میں فرمایا کہ یہ فرزند "جانی" ہے۔ یعنی بیٹے سے کہا کہ تم سے اولاد کی حیثیت میں "نان" یعنی روٹی پانی کا رشتہ ہے اور ان سے صرف محبت یعنی "جان" کا رشتہ ہے جس کی نسبت سے ایک کو "نانی" اور دوسرے کو "جانی" فرمایا۔

دلی اور پاکپتن:

بابا صاحب کا مستقل قیام پاک پتن میں تھا۔ جس رات خواجہ قطب صاحب کا دلی میں وصال ہوا۔ بابا صاحب ہانسی میں تھے آپ نے خواب میں دیکھا کہ سرکار اپنے پاس بلاتے ہیں۔ چنانچہ فوراً صبح اُٹھتے ہی دلی روانہ ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو پیر و مرشد کو وصال فرمائے چار روز گزر چکے تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے خواجہ قطب صاحب کی وصیت کے مطابق ان کے تبرکات یعنی خرقہ، عصا اور لکڑی کی کھڑاویں بابا صاحب کو دے دیں۔ بابا صاحب اپنے پیر صاحب کے مکان پر آئے اور ان کی جگہ جانشین ہوئے کہ خواجہ قطب صاحب نے ایک مرتبہ برسر مجلس فرمایا تھا

Marfat.com

کہ "ہمارا مقام تمہارا مقام ہے" اور دعا دی تھی۔ چند دن بعد ایک روز بابا صاحب گھر سے باہر جب نکلے تو سرہنگا نامی ایک شخص جو ہانسی سے آیا تھا اور آپ کا بہت عقیدتمند تھا اس نے رو رو کر عرض کی کہ کئی دن سے باہر پڑا ہوں خادموں نے آپ کی زیارت کے لیے اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ جبکہ ہانسی میں آپ کی زیارت آسانی سے اور جب چاہتے تھے ہو جاتی تھی۔ آپ نے اسی وقت یاروں سے کہا کہ اب میں یہاں نہیں رہوں گا اور واپس پاک پتن جاؤں گا۔ حاضرین نے کہا کہ پیر و مرشد نے آپ سے فرمایا تھا کہ ہمارا مقام تمہارا مقام ہے۔ پھر آپ اور کہیں کیوں جا رہے ہیں۔ بابا صاحب نے فرمایا کہ میرے پیر کی نعمت رواں ہے شہر میں بھی وہی ہے اور جنگل میں بھی وہی۔ چنانچہ آپ واپس پاک پتن آ گئے اور وہیں پر بالآخر ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ پچانوے برس کی عمر میں وصال فرمایا۔ آپ کا مزار شریف لاکھوں بندگان خدا کے لیے آج بھی اور قیامت تلک مینارہ نور اور حاجت روائی کا منبع رہے گا۔

اقوال و ارشادات:

حضرت بابا گنج شکرؒ کے ارشادات اور تعلیمات بے شمار ہیں۔ تاہم کتاب ہذا کے نفس مضمون کے اعتبار سے چند پیش خدمت ہیں:

☆ نادان کو زندہ نہ خیال کر اور دانا نما نادان سے پرہیز کر۔
☆ مال و متاع اور مرتبے کی خاطر غم نہ کر۔
☆ مصیبت کو حرص و ہوس کا نتیجہ سمجھ اور گناہ کی لاف زنی نہ کر۔
☆ اپنے باطن کو ظاہر سے اچھا رکھ۔
☆ مستورات کو گالی دینے اور مارنے کی عادت سے باز رہ۔
☆ بدمزاجی اور شراب کے انجام کو دیکھ۔
☆ جو نیکی اور احسان کرے اسے اپنا سمجھ۔
☆ پورے طور پر نہ لڑ، صلح کی گنجائش رکھ۔
☆ جب تو دولت مندوں کے پاس بیٹھے تو دین کو مت بھلا۔
☆ وقت کی قدر کر اس کا عوض کوئی چیز نہیں۔
☆ مہمانوں سے تکلف نہ کر۔

Marfat.com

☆ جو درویش دولت کا آرزومند ہو اسے لالچی شخص سمجھو۔
☆ دشمن کو تدبیر سے اور دوست کو تواضع سے قابو کر۔
☆ اگر لوگوں کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو تکبر کیا کرو اور اگر دوست بنانا چاہو تو انکساری اختیار کرو۔

چہارم:

محبوب الٰہی ست امیرِ دو جہاں
سلطان مشائخ ست و پیر دو جہاں

''محبوب الٰہی دو جہانوں کے امیر ہیں، مشائخ کے سلطان ہیں اور دو جہانوں کے پیر ہیں''

بر بندگیٔ نظام ملت نازم
مولائے من ست و دستگیرے دو جہاں

''حضور نظام کی غلامی پر مجھے فخر ہے۔ میرے آقا (محبوب) ہیں اور دونوں جہانوں میں مددگار ہیں''

سلطان المشائخ، اولیاء کے سردار، علوم ربانی اور اسرار الٰہیہ کے کاشف، ظاہر و باطن میں آراستہ، ذات الٰہی کے محبوب، مجسم لطافت و ذوق اور تمام اوصاف حمیدہ میں برگزیدہ حضرت سیّد محمد نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی حضرت بابا گنج شکرؒ کے خلیفہ اکبر اور جانشین تھے۔ اگرچہ آپ بابا صاحب کے آخری دور میں ان کے پاس آئے لیکن محبت و عشق الٰہی میں پہلے آنے والوں سے سبقت لے گئے۔ آپ کے آباؤ اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ آپ کے دادا حضرت خواجہ علی بخاری اور نانا حضرت خواجہ عرب بخارا سے ہجرت کر کے آئے اور بدایوں آ کر آباد ہو گئے۔ خواجہ علی کے فرزند خواجہ احمد جو ایک انتہائی نیک اور صالح نوجوان تھے ان کی شادی خواجہ عرب کی صاحبزادی بی بی زلیخا صاحبہ سے ہوئی۔ جو اپنے وقت کی رابعہ بصری اور عابدہ زاہدہ تھیں۔ آپ کی پیدائش آخری چہار شنبہ کے دن ۲۷ صفر ۶۳۶ھ کو ہوئی اور اسم گرامی محمد رکھا۔ آپ نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں اور آپ کا شجرہ نسب سید الشہداء حضرت امام حسینؓ کے واسطے سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ بچپن ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور آپ کی پرورش اور تربیت والدہ ماجدہ نے فرمائی۔

Marfat.com

لقب سلطان المشائخ اور خطاب، نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی

بچپن:

حضور محبوب پاک فرماتے ہیں کہ میری عمر قریباً ۱۲ سال تھی اور میں بدایوں میں پڑھتا تھا کہ ایک روز ایک شخص جس کا نام ابوبکر خراط اور وہ قوال تھا میرے اُستاد صاحب کے پاس آیا اور اپنے سفر کے حالات سنانے لگا۔ اُس نے کہا کہ میں نے ملتان میں شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کی زیارت کی ہے اور انہوں نے مجھ سے قوالی سنی ہے۔ مزید اس نے شیخ صاحب کی بہت تعریف کی کہ وہاں ذکر اس درجے کا ہے اور عبادت ایسی کہ ان کی چکی پیسنے والی لونڈیاں تک کام کرتے وقت ذکر کرتی ہیں۔ پھر اس نے بتایا کہ میں اجودھن (پاک پتن) بھی گیا وہاں میں نے بابا فرید گنج شکرؒ کی زیارت کی وہ بھی بہت برگزیدہ اور بزرگ ہستی ہیں۔ یہ ذکر سن کر بابا صاحب کی محبت اور ارادت خود بخود میرے دل میں پیدا ہوگئی۔ یہاں تک کہ ہر نماز کے بعد میں دس مرتبہ شیخ فرید اور دس مرتبہ مولانا فرید بطور وظیفہ پڑھتا اور سونے سے پہلے بھی ایسا ہی کرتا یہ محبت یہاں تک بڑھی کہ میرے تمام یاروں کو اس کی خبر ہوگئی۔ چنانچہ جب وہ مجھ سے کسی معاملے میں قسم لینا چاہتے تو کہتے کہ کھاؤ شیخ فرید کی قسم۔ جب میری عمر ۱۶ سال کی ہوئی تو میں تعلیم کی غرض سے مع والدہ صاحبہ اور ہمشیرہ کے دلی آ گیا۔ حسن اتفاق سے جہاں رہائش ملی قریب ہی خواجہ نجیب الدین متوکلؒ جو کہ بابا صاحب کے حقیقی چھوٹے بھائی اور خلیفہ بھی تھے وہ بھی رہتے تھے۔ دورانِ سفر ایک شخص عیوض نامی بھی ساتھ تھے۔ جہاں کہیں کسی درندے، چور یا ڈاکو وغیرہ کا ڈر ہوتا وہ بلند آواز سے پکارتا کہ یا پیر حاضر باش ہم تیری پناہ میں ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تمہارے پیر کون ہیں۔ اس نے بتایا کہ بابا فرید گنج شکرؒ یہ سن کر اور ماجرا دیکھ کر میرے دل میں بابا صاحب کی محبت اور بڑھ گئی اور ملنے کا اشتیاق بھی بڑھ گیا۔

فرمایا کہ بچپن میں جب میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا تو گھر میں تنگی اور غربت تھی۔ چنانچہ جب گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو والدہ صاحبہ فرماتیں کہ بیٹے آج ہم اللہ کے مہمان ہیں یہ سن کر میری طبیعت میں ایسا ذوق اور مزا پیدا ہوتا کہ سرور طاری ہو جاتا اور پھر جب چند روز بغیر فاقہ کشی کے گزر جاتے تو میری طبیعت تنگ سی ہونے لگتی اور مجھے وہ ذوق یاد آتا تب میں والدہ

Marfat.com

صاحبہ سے کہتا کہ اماں حضور اب ہم کب اللہ میاں کے مہمان ہوں گے اور وہ راحت ملے گی۔

حضرت بابا فرید کے نواسے خواجہ محمد انوار المجالس میں لکھتے ہیں کہ حضور محبوب پاک نے یہ بات سنائی کہ بدایوں کے کوتوال کا لڑکا نہایت صاحب جمال با کمال تھا۔ جب وہ گھر سے نکلتا تو بہت سے لوگ اس کے حسن سے متاثر ہو کر اس کے پیچھے ہو لیتے۔ میں بھی فطرتاً حسن پرست تھا۔ دوسرے اللہ نے اسے خوبصورتی ہی کچھ ایسی عطا کر رکھی تھی کہ جو دیکھتا اس کا دل قابو میں نہ رہتا۔ چنانچہ مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ ایک روز ملاقات کے لیے گھر سے نکلا لیکن ملاقات نصیب نہ ہوئی۔ میں نے دل میں کہا کہ جتنے میں وہ گھر سے نکلے میں اپنے گھر سے ہو آؤں۔ پھر آ کر دیکھ لوں گا۔ جب گھر آیا تو بے قرار ہو کر پھر ملاقات کے ارادے سے محبوب کے گھر کی راہ لی لیکن اس مرتبہ بھی ملاقات نہ ہو سکی میں نے پھر وہ خیال کیا کہ اپنے گھر سے ہو آؤں۔ جب گھر پہنچا تو بے قراری اور بڑھ گئی۔ فوراً واپس ملاقات کے لیے روانہ ہوا میرے گھر سے اس کے گھر کا فاصلہ قریباً تین چار کوس تھا۔ اس طرح میں اس دن قریباً بیس بائیس کوس پیدل چلا لیکن اس کا جمال دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ آخر تھک کر عصر کے بعد سو گیا جب جاگا تو بے خود ہو گیا اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ دوسرے روز پھر ملاقات کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک جگہ اچانک ایسی خوشبو آئی کہ دماغ معطر ہو گیا۔ کچھ دیر ٹھہر کر سوچا تو یاد آیا کہ اس جگہ میں نے اور میرے محبوب نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر باتیں کی تھیں اور وہ خوشبو گویا اس وصال کی علامت تھی۔ الغرض مدت تک میں اس پر فریفتہ رہا۔ ایک روز اس نے کہا کہ لوگ مجھے بہت تنگ کرتے ہیں لیکن میں آپ ہی کا ہوں اس فرحت بخش بات کو سن کر محبت اور بھی بڑھ گئی۔

والدہ ماجدہ:

حضور محبوب پاک کی والدہ ماجدہ اللہ کی ولی اور عارفہ تھیں اور آپ ان سے بہت محبت اور ان کی بڑی تعظیم اور ادب کرتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہر ماہ نیا چاند دیکھ کر ان کو سلام کہتے اور قدم بوسی کرتے۔ آخری ایام میں جب بی بی صاحبہ علیل تھیں تو آپ حسب دستور چاند دیکھ کر حاضر خدمت ہوئے۔ سلام عرض کیا اور قدم بوسی کی اور مادرِ گرامی نے دعائیں دیں اور فرمایا کہ آئندہ ماہ رؤیت ہلال کے موقع پر کس کی قدم بوسی کرو گے۔ آپ سوال کی حقیقت کو سمجھ کر رونے لگے اور عرض کیا کہ آپ مجھ غریب کو کس کے سپرد کر رہی ہیں۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ اس کا جواب تمہیں

Marfat.com

کل دوں گی اور آج رات تم خواجہ نجیب الدین متوکل کے گھر رہنا۔ صبح صادق کے وقت خادمہ آپ کو بلانے آ گئی کہ بی بی صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ آپ گھر پہنچے تو ان کا آخری وقت تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ بیٹے تمہارے سوال کے جواب کا وقت آ گیا ہے۔ اپنا دایاں ہاتھ لاؤ اور اسے پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لیا اور نہایت پرسوز لہجے میں کہا ''اے اللہ! میں سیّد محمد کو تیرے سپرد کرتی ہوں کہ بے شک تو ہی اپنے بندوں کا سب سے بڑا کفیل ہے۔'' یہ دعا دے کر وصال فرمایا۔

بیعت وخلافت:

تمام علومِ ظاہری، فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، حکمت اور فلسفہ و ریاضی وغیرہ میں اپنے وقت کے جید علماء اور اساتذہ سے ان کی تکمیل کی اور ساتوں قراتوں سے قرآن بھی حفظ کیا۔ دلی جامع مسجد میں ایک روز نماز پڑھ رہے تھے تو امام صاحب نے قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ ''کیا اہل ایمان کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر سے جھک جائیں'' آپ پر گریہ طاری ہوا اور اسی وقت پاک پتن جانے اور بابا صاحب سے ملاقات کا ارادہ کر لیا۔ جب بابا فرید گنج شکر کے دربار میں پہنچے تو انہیں دیکھتے ہی رعب اور دہشت سے ان کی ہیبت طاری ہو گئی۔ بابا صاحب نے کمال محبت اور شفقت سے اُٹھ کر استقبال کیا اور یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراقت دل ہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جاں ہا خراب کردہ

''تیرے فراق کی آگ نے دلوں کو کباب کر ڈالا۔ شوق کے سیلاب نے جانوں کو برباد کر دیا۔''

بابا صاحب کے حکم سے ان کے لیے خاص حجرہ اور سونے کے لیے چارپائی کا انتظام کیا گیا جبکہ باقی دوسرے سب لوگ زمین پر سوتے تھے۔ اسی دن یعنی ۱۱ رجب ۶۵۵ھ بروز بدھ بابا صاحب نے آپ کو بیعت سے سرفراز فرمایا۔ جماعت خانے میں قیام کے دوران حضور محبوب پاک نے بابا صاحب اور ان کے ذاتی مہمانوں کے لیے کھانا پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لے لی۔ چھ سات ماہ بعد بابا صاحب کی اجازت سے دلی تشریف لے آئے اور مختلف مقامات پر رہنے کے بعد اشارۂ غیبی سے غیاث پور میں جو نسبتاً غیر آباد علاقہ تھا قیام کیا۔ آپ سال میں ایک بار بابا صاحب سے ملنے پاک پتن جاتے اور تین سال میں تین بار گئے چوتھی مرتبہ بابا صاحب نے خود

Marfat.com

بلوایا اور ۱۳ رمضان المبارک ۶۵۹ھ کو اپنی خلافت سے سرفراز کیا اور اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا اور دعائیں دیں اور فرمایا کہ تو ایک ایسا درخت ہوگا جس کی چھاؤں تلے ایک خلقت آرام پائے گی۔ آپ کے خلافت نامے میں بابا صاحب نے تحریر فرمایا کہ جو ہم تک نہیں پہنچ سکے انہیں نعمت یہ عطا کریں۔ نظام الدین ہمارے نائب اور خلیفہ ہیں ان کے حکم کی پابندی ہماری تعظیم ہے۔ اللہ اس شخص پر رحم کرے جو اس کی عزت اور توقیر کرے جسے ہم نے معزز کہا اور اگر کوئی اس بات کو ملحوظ نہ رکھے تو اللہ اسے خوار کرے، بابا صاحب نے مزید کہا کہ یہ خلافت نامہ ہانسی میں بابا جمال الدین ہانسوی کو جوان کے پہلے اور بڑے خلفاء میں سے تھے۔ واپس دلی جاتے وقت، کھا دینا۔ حضور محبوب پاک نے وہاں پہنچ کر جب انہیں دکھایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور بہت محبت اور عزت سے پیش آئے پھر خلافت نامے پر یہ شعر لکھ کر مہر لگائی۔

خدائے جہاں راہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردہ بہ گوہر شناس

"جہانوں کے خدا کے لیے ہزاروں شکر، کہ موتی اسے دیا گیا ہے جو موتی کی قدر جانتا ہے۔"

بابا فرید گنج شکر کے وصال کے بعد ان کے تمام تبرکات ان کی وصیت کے مطابق حضور محبوب پاک کو دے دیے گئے جن میں بزرگانِ چشت کا خرقہ، عصا اور مصلے وغیرہ شامل تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی ہر دل عزیزی اور فیضِ عام بڑھتا ہی چلا گیا اور آپ کے نامِ نامی کا ڈنکہ دونوں جہانوں میں بجنے لگا۔ ہزاروں بندگانِ خدا، غریب اور مسکین آپ کے لنگر سے کھانا کھاتے اور ان کی ضروریات بھی پوری کی جاتیں جبکہ دوسری طرف آپ بادشاہوں سے خاص طور پر اور امراء سے عام طور پر ملنے سے بھی گریز فرماتے جبکہ ان میں جلال الدین خلجی اور علاؤ الدین خلجی جیسے جابر بادشاہ بھی تھے۔ انہوں نے آپ سے ملنے اور باریابی کے لیے بہت کوششیں کیں اور درخواستیں کیں لیکن آپ نے یہ شرف انہیں نہیں بخشا اور یہی جواب دیتے رہے کہ میں غائبانہ بادشاہ کے لیے اور عام مسلمانوں (رعایا) کے لیے دعا گو ہوں۔

بقول علامہ اقبال کے جو فرماتے ہیں:

نہ محتاجِ سلطاں نہ مرعوبِ سلطاں
محبت ہے آزادی و بے نیازی

Marfat.com

مطلق العنان بادشاہوں کے دور میں یہ شانِ بے نیازی اور استغناء آپ کی شان محبوبی اور عظمت کے مظہر تھے تاریخ شاہد ہے کہ جس بادشاہ نے آپ سے عداوت رکھی اس کا انجام نہایت ہولناک ہوا اور وہ دنیا میں رُسوا اور خوار ہوا کہ یہ بابا گنج شکر کی دعا کا اثر تھا جو انہوں نے خلافت نامہ میں لکھی تھی۔ آپ کے حسن و جمال و محبوبی کے ایک شہید حضرت امیر خسروؒ بھی تھے جو آپ کے سب سے چہیتے مرید اور شاعری، موسیقی اور فن ندیمی میں بے مثال تھے۔ شاعری میں ''طوطی ہند'' ان کا خطاب تھا اور موسیقی میں آج تک ان سے بڑا نائک نہیں گزرا۔ حضور محبوب پاک کہ جن کا مشرب اور مسلک محبت اور عشق الٰہی کے سوا کچھ تھا ہی نہیں۔ حضرت امیر خسروؒ سے خاص محبت اور نسبت رکھتے تھے جو طریقت میں اس طرح قائم ہوئی کہ آج بھی نسبت خسروی کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اس لافانی محبت کا دائمی گواہ حضرت امیر خسرو کا یہ شعر ہے:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی

تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

''میں تو اور تو میں ہو گیا میں جسم اور تو جاں ہو گیا، تاکہ آج کے بعد یہ کوئی نہ کہہ سکے کہ میں اور ہوں اور تم اور۔''

حضور محبوب پاک نے فرمایا کہ روز قیامت اللہ اگر پوچھیں گے کہ نظام الدین دنیا سے ہمارے لیے کیا تحفہ لائے ہو تو عرض کروں گا کہ مولا امیر خسرو کے دل کا سوز لایا ہوں۔ نیز فرمایا کہ اگر شریعت مانع نہ ہوتی تو میں اور خسرو ایک ہی قبر میں ہوتے۔

دردمندی اور حسنِ اخلاق:

آپ اکثر روزے سے ہوتے۔ حتیٰ کہ کئی مرتبہ سحری بھی نہ کرتے اور افطار کے وقت بھی بہت تھوڑا کھاتے۔ خواجہ عبدالرحیم نے جو اس خدمت پر مامور تھے۔ عرض کیا کہ اس قدر کم کھانے سے نقاہت ہو جائے گی آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ مسجدوں اور بازاروں کے گوشوں میں کئی درویش مسکین بھوکے اور فاقے سے ہوتے ہیں۔ ان کے خیال سے کھانا میرے حلق سے نہیں اُترتا۔

اور جیسا کہ پہلے وہ واقعہ بیان ہو چکا ہے دھوپ میں بیٹھے لوگوں کے بارے میں دل سوزی سے کہنا کہ دھوپ میں وہ بیٹھے ہیں لیکن جلتا میں بھی ہوں۔

ایک حاجتمند دوپہر کے وقت آیا جب آپ آرام فرما رہے تھے تو خادم نے اسے کچھ دیے

Marfat.com

بغیر واپس کر دیا۔ بیدار ہونے پر جب آپ کو معلوم ہوا تو خادم پر بہت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ اگر آئندہ کوئی ضرورت مند ایسے وقت میں بھی آئے تو مجھے جگا دیا جائے کہ میرے پاس کوئی ضرورتمند جس وقت چاہے آ سکتا ہے۔

ایک نہایت غریب سا شخص آپ کی خدمت میں آیا کرتا جس کی تعظیم اور دلداری آپ حد سے زیادہ کرتے جبکہ اس طرح آپ اپنے اعلیٰ یاروں اور خلفاء کی بھی نہیں کرتے تھے۔ بظاہر وہ شخص نہ تو کوئی عالم یا بزرگ لگتا تھا اور نہ ہی اس قدر تعظیم کے لائق نظر آتا تھا۔ چنانچہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ تنگ دستی کے زمانے میں اس شخص نے کچھ کپڑا مجھے بوقت ضرورت دیا تھا اور میں اس بات کو ملحوظ رکھتا ہوں۔

ایسے بے شمار واقعات ہیں جن سے آپ کی دردمندی، دلسوزی اور اسوہ حسنہ کی تصویر نظر آتی ہے۔ یعنی علاوہ آپ کی بزرگی، روحانیت اور قرب و محبوبیت الٰہی کے آپ میں وہ تمام اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ تھے جو ایک کامل انسان میں ہوتے ہیں۔

کھانا کھلانے کی فضیلت:

حضور محبوب پاک کا لنگر اس قدر وسیع تھا کہ اس میں سینکڑوں لوگ روزانہ دو وقت کا کھانا کھاتے جبکہ کھانے میں گوشت، چاول اور عمدہ سبزیاں وغیرہ بھی ہوتیں۔ ایک مرتبہ کھانا کھلانے کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی مخلوق کو کھانا کھلانا اللہ کے نزدیک انتہائی پسندیدہ فعل ہے۔ پھر ایک واقعہ سنایا کہ ایک بزرگ خواجہ رکن الدین چشتی کے بیٹے خواجہ علی کو چنگیز خان کے حملہ کے دوران گرفتار کر لیا گیا۔ چنگیز خان کی سنگدلی اور خونخواری کے پیش نظر عام لوگوں کا یہ خیال تھا کہ انہیں بھی قتل کر دیا جائے گا۔ جب انہیں اس کے دربار میں پیش کیا گیا تو وہاں اس کے فوجیوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جسے خواجہ صاحب مذکور کے خاندان سے بڑی عقیدت تھی۔ اس نے جب انہیں زنجیروں میں دیکھا تو کانپ گیا اور دل میں سوچا کہ اگر میں ان کی خاندانی بزرگی، روحانیت وغیرہ کا کہوں تو چنگیز خان ذرا بھی متاثر نہیں ہوگا کیونکہ وہ ان چیزوں کو مانتا ہی نہیں تھا۔ تاہم منگولوں کے رسم و رواج کے پیش نظر اسے ایک ترکیب سوجھی اور اس نے عرض کی کہ خان اعظم اس شخص کو رہا کر دیا جائے کہ یہ رحم کا مستحق ہے۔ کیوں اور کس وجہ سے؟ چنگیز خان نے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس قیدی کے باپ کا دسترخوان بڑا وسیع تھا اور وہ لوگوں کو بلاامتیاز

Marfat.com

مذہب و دین کھانا کھلاتا تھا اور سخی تھا۔ یہ دستور چونکہ چنگیزیوں میں بھی بہت پسندیدہ تھا لہٰذا یہ سن کر چنگیز خان نے انہیں عزت کے ساتھ خلعت دے کر رہا کر دیا۔ یہ واقعہ سنا کر محبوبِ پاک نے فرمایا کہ کھانا کھلانا تمام مذاہب اور غیر مذاہب میں بھی ایک پسندیدہ عمل ہے۔

وصال:

آخری عمر میں قریباً ۶ ماہ علیل رہنے کے بعد ۱۷/۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ بروز بدھ آپ نے وصال فرمایا۔ نمازِ جنازہ شیخ الاسلام حضرت شاہ رکن الدین ملتانیؒ جو حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے پوتے اور جانشین تھے اور دلی میں تھے۔ انہوں نے پڑھائی۔ آپ کا مزارِ اقدس دلی (غیاث پور) جو اب بستی نظام الدین کہلاتی ہے میں ہے اور آج بھی مرکزِ تجلیات مرجعِ خلائق اور اہلِ دل کے لیے سوز و گداز کا منبع ہے۔

ارشادات و فرمودات:

☆ فرمایا! نماز، روزہ اور عبادات کے باوجود انسان اللہ کا قرب نہیں پا سکتا جب تک کہ اس کے نفس کی اصلاح نہ ہو اور وہ دنیا ترک نہ کرے پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ دنیا دھن، دولت، عزت اور شہرت کا نام نہیں کہ یہ سب چیزیں بھی من جانب اللہ ہی ملتی ہیں۔ دنیا تو ان میں اُلجھ جانے اور ان سے محبت کرنے کو کہتے ہیں اور ترک دنیا یہ نہیں کہ انسان ننگا ہو کر یا لنگوٹ باندھ کر ایک جگہ بیٹھ جائے بلکہ جو اللہ دے وہ کھائے۔ پہنے اور اسے دوسرے بندگانِ خدا میں تقسیم کرے۔ خرچ کرے جمع نہ کرے اور طمع نہ کرے۔

☆ فرمایا! اطاعت الٰہی دو قسم کی ہے۔ ایک لازم دوسری متعدی۔ لازم کا اثر اسی شخص کی ذات تک محدود رہتا ہے مثلاً نماز، روزہ وغیرہ متعدی کا اثر دوسرے پر ہوتا ہے۔ جیسے کسی کو آرام پہنچانا، کھانا کھلانا، حاجت پوری کرنا وغیرہ اس کا ثواب بھی بہت ہے۔ لازمی اطاعت میں اخلاص، حضوری اور یکسوئی ضروری شرط ہے۔ اس کے بغیر اللہ کے ہاں وہ قبول نہیں ہوتی جبکہ متعدی ہر طرح سے درست ہے اور اس سے ثواب بہر حال مل جاتا ہے۔

☆ فرمایا! بازارِ قیامت میں دل جوئی اور محبت کے برابر کسی مال کی مانگ نہ ہوگی۔

☆ فرمایا! جو شخص کامل ہے وہ کسی طرح بھی بھید کو ظاہر نہیں کرتا۔ اسرار الٰہی کے لیے خاص قسم کا

Marfat.com

حوصلہ اور کوشش درکار ہے۔ نیز فرمایا کہ انسان کے لیے کشف و کرامت راستے کی رکاوٹ ہے۔ اصلی کام تو محبت پر قائم رہنا ہے۔ کرامت پیدا کر لینا کوئی بڑا کام نہیں۔ یہ تو ٹکڑ گداؤں کا کام ہے۔

☆ فرمایا! مرید کو محبت الٰہی اسی قدر حاصل ہوتی ہے جس قدر اسے اپنے پیر سے محبت ہوتی ہے۔

☆ فرمایا! برا کہنا بھی برا ہے مگر برا چاہنا تو اس سے بھی اور بہت برا ہے۔

☆ فرمایا! صدقے میں پانچ شرطیں ہوں تو قبول ہوتا ہے اس میں دو دینے سے پہلے دو دیتے وقت اور ایک بعد کے لیے ہے۔ اوّل جو کچھ دے حلال کمائی سے دے۔ دوسرے کسی نیک شخص کو دے۔ دیتے وقت پہلی شرط یہ ہے کہ خوشی اور تواضع سے دے اور دوسری ہے کہ پوشیدہ دے۔ بعد کی اور آخری شرط ہے کہ جو دے اس کا کسی سے ذکر نہ کرے بلکہ بھول جائے۔

☆ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے اور آپ کے خلیفۂ اکبر تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ عرض کی کہ شہر میں رہنے سے عبادت الٰہی میں یکسوئی نہیں ہوتی اور لوگوں کے آنے جانے سے خلل پڑتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو شہر سے باہر، لوگوں سے دور جا کر اللہ کی عبادت اور ریاضت کروں آپ نے فرمایا کہ شہر میں ہی رہو۔ لوگوں میں رہ کر ان کی جفا اور جور برداشت کرو اور اس کے بدلے میں ان سے ایثار اور احسان کرو۔

☆ فرمایا! آدمی اور خاص کر درویش کو ہر دری (ہر دروازے پہ جانے والا) نہیں ہونا چاہیے۔ ہر دری دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک ظاہری دوسرے باطنی۔ ظاہری تو در بدر پھرتے ہیں اور بھکاری ہوتے ہیں باطنی وہ جو بیٹھے تو گوشے میں رہتے ہیں لیکن ان کا خیال در بدر رہتا ہے۔ یعنی آج فلاں سے وہ چیز آئے گی، کل اس سے وہ مانگوں گا وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ظاہری تو ظاہر ہے لیکن باطنی ریاکار اور منافق یعنی ظاہر میں خدا پرست اور باطن میں خلق پرست۔ نعوذ باللہ

☆ فرمایا! ابن النجیب لا ینجب وان نجب فعجب یعنی شریف (بزرگ) کا بیٹا بزرگ نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو کمال درجے کا ہوتا ہے اور یہ اللہ کا بھید اور اس کی قدرت کا مظہر ہے۔

☆ فرمایا! بابا فرید گنج شکر کا بڑا بیٹا دلی جا کر خواجہ قطب صاحبؒ کے مزار شریف پر پائنتی جانب

Marfat.com

بیٹھا اور محلوق ہوا (سر منڈوانا جو مریدی کی نشانی ہے) جب یہ بات بابا صاحبؒ نے سنی تو فرمایا کہ ویسے تو خواجہ قطب صاحبؒ ہمارے پیر و مرشد اور مخدوم ہیں لیکن یہ مریدی (بیعت) درست نہیں بیعت کے لیے کسی زندہ حاضر پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینا۔

☆ فرمایا! پیر اور مرید کا تعلق ایسا ہے کہ اس میں اپنے پیر کے سوا کسی کا تعلق نہیں ہو سکتا۔ البتہ تربیت اور پرورش میں حقیقی مربی کے علاوہ اور بھی شریک ہو سکتے ہیں جیسے کہ جائز ہے کہ بچے کو اپنی ماں کے علاوہ دایہ دودھ پلائے اور پرورش کرے۔ اسی طرح اگر کسی کا شیخ وصال کر جائے تو بعد ازاں وہ کسی دوسرے شیخ سے تربیت حاصل کر سکتا ہے۔

☆ فرمایا! بموجب حدیث شریف ان الشیخ فی قومہ کا النبی فی امتہ یعنی پیر کا فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

☆ فرمایا! ارادت مرید کا فعل ہے۔ اگر کوئی شخص کسی شیخ کا ارادہ کر لے اور وہ شیخ کہے کہ تو میرا مرید نہیں ہے لیکن وہ مرید ارادت پر قائم رہے تو وہ اسی کا مرید ہے اور اگر کوئی شیخ کسی سے کہے کہ تو میرا مرید ہے اور وہ شخص ارادت نہ رکھتا ہو تو وہ اس کا مرید نہیں ہوتا۔

☆ فرمایا! جب مجھے خلافت دی گئی تو بابا فرید گنج شکرؒ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں علم، عقل اور عشق تینوں چیزیں عطا کی ہیں جو خلافت الٰہیہ کے لیے ضروری ہیں اور مجھے اللہ کی طرف سے الہام ہوا ہے اور یہی طریقہ رحمانی ہے۔ پیر کی اپنی مرضی کافی نہیں۔

☆ فرمایا! طہارت کے چار اجزاء ہیں۔ اوّل اپنے ظاہر کو نجاست سے صاف کرنا دوم اعضاء کو گناہوں سے پاک رکھنا۔ سوم دل کو اخلاقی برائیوں سے پاک رکھنا اور چہارم بھید کو اللہ کے غیر سے پاک رکھنا۔

☆ فرمایا! ایک صبح صادقوں کی ہوتی ہے جو صبح صادق سے شروع ہوتی ہے اور دوسری عاشقوں کی جو غروب آفتاب سے شروع ہوتی ہے اور شب بیداری اور ذکر الٰہی میں گزرتی ہے۔

☆ فرمایا! ماہ صفر کا آخری بدھ (جسے آخری چہار شنبہ کہتے ہیں) بڑا بابرکت دن ہے اس روز فقیروں کو کھانا کھلانا اور خوش رہنا چاہیے۔

☆ فرمایا! جب مہمان آئیں تو تکلف نہ کرنا چاہیے اور نہ انہیں بوجھ سمجھنا چاہیے۔ درویشی اس بات کا نام ہے کہ جو شخص آئے سلام کریں پھر اسے کھانا کھلائیں۔ یعنی تواضع کریں پھر

Marfat.com

گفتگو کریں یعنی پہلے سلام پھر طعام بعدہ کلام۔

☆ فرمایا! انسان مالی، بدنی یا اخلاقی جو خدمت کرتا ہے اگر اس میں سے تھوڑی سی بھی قبول ہو جائے تو اس کا کام سنور جاتا ہے۔ سعادت کے تالے کی کئی چابیاں ہیں، کوشش کرنی چاہیے اگر ایک سے نہ کھلے شاید دوسری یا تیسری سے کھل جائے۔

☆ فرمایا! کھانا کھاتے وقت خاموش نہیں رہنا چاہیے۔ کیونکہ یہ آتش پرستوں کا طریقہ ہے۔

☆ فرمایا! جو درویش خوب کھائے اور خوب سوئے اور پھر اللہ کی محبت کا دعویٰ بھی کرے، جھوٹا ہے۔

Marfat.com

اے اشرف زمانہ زمانے مدد نما   درہائے بستہ راز کلید کرم کشا

''اے کہ جو شرفِ زمانہ ہے ہر زمانہ مدد دے، بند کواڑوں کو اپنے کرم کی کنجی سے کھول دے۔''

تارک السلطنت مخدوم اوحدالدین میر سیّد اشرف جہانگیر سمنانی محبوب یزدانیؒ

آپ کے والد ماجد بزرگوار سلطان ابراہیم شاہ نور بخشی ملک ایران کی ریاست سمنان (موجودہ ایران کا صوبہ جو اصفہان سے ۲۰۰ میل ہے) کے بادشاہ تھے۔ اپنے عدل وانصاف سخاوت اور تقویٰ کی وجہ سے خواص وعام میں نہایت مقبول تھے۔ آپ آباؤ اجداد سے سمنان کی والی تھے اور آپ کا شجرہ نسب سید الشہداء حضرت امام حسینؓ کے واسطے سے حضور نبی اکرمؐ سے جا ملتا ہے۔ آپ علماء فقراء اور اولیائے کرام سے بہت عقیدت رکھتے تھے اور ان کی خدمت اور عزت افزائی کرتے تھے۔ ۱۲ برس کی عمر میں آپ تخت نشین ہوئے اور ۲۵ برس کی عمر میں شادی سیّدہ خدیجہ بیگم ''جو مشہور بزرگ خواہ احمد یسویؒ کی اولاد سے تھیں، سے ہوئی۔ بی بی صاحبہ نہایت متقی، پرہیز گار اور اکثر روزہ رکھتیں اور رات رات بھر تلاوت قرآن پاک فرماتیں آپ سے تہجد کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ شادی کے بعد سلطان ابراہیم کے ہاں تین بیٹیاں پیدا ہوئیں اور اس کے بعد آٹھ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اولاد نرینہ اور وارث تخت کے نہ ہونے سے آپ ملول رہتے لیکن اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں تھے۔ مناجات اور عبادات میں اللہ سے دُعا اور آرزو کرتے رہتے۔ اسی دوران ایک روز ابراہیم نامی ایک مجذوب آپ کے محل میں اندر آ پہنچا آپ حیران ہوئے کہ حفاظتی سپاہ کی موجودگی کے باوجود یہ شخص کیسے اندر آ گیا۔ تاہم آپ نے حسب عادت اور طبیعت اس کی

Marfat.com

خدمت اور عزت کی جس سے وہ مجذوب بہت خوش ہوئے اور دعائیہ بشارت دی کہ اے سلطان اللہ آپ کو ایک نہیں دو فرزند عطا کرے گا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد آپ کی ولادت کے آثار ظاہر ہوئے جس پر سلطان ابراہیم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور غریبوں، مسکینوں میں بہت خیرات تقسیم کی۔ ولادت سے کچھ عرصہ پیشتر سلطان ابراہیم کو خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابراہیم اللہ تمہیں دو فرزند دے گا ایک کا نام اشرف اور دوسرے کا محمد رکھنا۔

ولادت اور تربیت:

۶۸۸ھ میں مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کی ولادت ہوئی اور حسب ارشاد آنحضرتؐ آپ کا نام اشرف رکھا گیا۔ جہانگیر آپ کا لقب اور محبوب یزدانی خطاب ہے۔ اس موقع پر سلطان ابراہیم نے سخاوت و خیرات کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیے اور محتاجوں کو غنی کر دیا۔ آپ نے انتہائی ناز و نعم اور شاہانہ انداز میں پرورش پائی۔ جب سن مبارک چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہوا تو حسب روایت سادات، مولانا عماد الدین تبریزی نے جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے، آپ کی رسم بسم اللہ کرائی۔ گرامی قدر اساتذہ آپ کی تعلیم کے لیے مامور کیے گئے۔ آپ بچپن سے ہی انتہائی ذہین تھے اور آپ کا حافظہ اور یادداشت بہت غیر معمولی تھی۔ چنانچہ سات برس کی عمر میں آپ نے ساتوں قرأتوں کے ساتھ قرآن شریف حفظ کر لیا اور چودہ برس کی عمر میں جملہ علوم ظاہری کی تکمیل کر لی۔

تخت نشینی اور دستبرداری:

بیس برس کی عمر میں سلطان ابراہیم صاحب کے انتقال پر آپ تخت نشین ہوئے اور عدل و انصاف، سخاوت اور رعایا پروری میں اپنے والد ماجد سے بھی سبقت لے گئے اور ہر دلعزیزی کمال تک جا پہنچی۔ تاہم اللہ کی طلب اور اس میں بے قراری بھی بڑھتی ہی چلی گئی۔ جبکہ آپ کا ظاہر و باطن پابندی شریعت اور تقویٰ سے آراستہ تھا۔ تخت نشینی کو پانچ برس گزر گئے۔ تب ایک مرتبہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب آپ عبادت میں مشغول تھے تو جناب خضرؑ تشریف لائے اور فرمایا کہ اے اشرف اگر اللہ کا دیدار چاہتے ہو تو اُٹھو اور ہندوستان کا رُخ کرو کہ وہاں اللہ کے

Marfat.com

دوستوں میں سے ایک دوست رہتے ہیں جن کے باغِ ولایت سے تمہیں تمہارا گلِ مقصود ملے گا۔ جب یہ خبر ملی تو بے قراری اور بڑھ گئی اور آپ نے ہندوستان جانے کا فیصلہ کرلیا۔

آپ اپنی والدہ ماجدہ کا انتہائی ادب فرماتے تھے اور ان سے کمال محبت رکھتے تھے۔ لطائف اشرفی (ان کی تحریر کردہ کتاب) میں فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ والدہ صاحبہ کے وضو کا پانی بہانے کی بجائے نوش فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان کے پاس حاضر ہو کر، تخت سے دستبرداری اور ہندوستان جانے کی اجازت طلب کی۔ بی بی صاحبہ کہ عارفہ کاملہ، روشن ضمیر اور مشائے ایزدی کو جانتی تھیں۔ انہوں نے بخوشی اور دعا کے ساتھ اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ نے اپنے چھوٹے بھائی شہزادہ محمد کو تاج و تخت سونپا اور رعایا کو گریہ وزاری کرتے ہوئے چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ اوّل بارہ ہزار سوار اور پیادے آپ کے ہمراہ ہوئے جنہیں آپ نے ایک دو منزل جا کر واپس کر دیا۔ دوران سفر شیراز سے گزرے تو حافظ شیرازی نے یہ شعر نذر کیا۔

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند　　　زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

''ہندوستان کے تمام شاعر شکر شکن ہو جائیں گے، اس ایرانی شکر سے جو بنگال کی طرف جاتی ہے۔''

لطائف اشرفی میں مخدوم پاک نے بھی ایک جگہ ذکر اس طرح کیا ہے کہ حافظ شیرازی جو کہ بارگاہِ الٰہی کے ایک مجذوب اور بارگاہ محبوباں کے ایک محبوب تھے۔ اس فقیر کے ساتھ نیاز مندی رکھتے تھے اور ایک مدت ایک دوسرے سے ملاقات وصحبت رہی۔ جب آپ سمنان کے ولی عہد اور بعد میں بادشاہ رہے۔

دوران سفر بالکل کوئی خادم وغیرہ ساتھ نہیں رکھا۔ بلکہ ایک جگہ آ کر اپنا گھوڑا تک کسی ضرورت مند درویش کو دے کر پاپیادہ ہو گئے۔ بخارا و سمرقند سے ہوتے ہوئے اور بزرگانِ دین سے ملاقاتیں کرتے اور ان سے دعائیں لیتے، کئی تاریخی شہروں سے گزرے۔ ملتان سے گزرتے ہوئے جب اُوچ شریف پہنچے جو ریاست بہاولپور میں ہے تو وہاں حضرت جلال الدین بخاری جہانیاں جہاں گشت کی صحبت سے مستفیض ہوئے انہوں نے کمال محبت اور شفقت سے بہت سے اسرار اور رموز بھی تعلیم فرمائے اور اپنی خلافت بھی عطا کی۔ یہ سب کچھ ہونے اور ملنے کے باوجود مخدوم پاک کی تشنگی نہ مٹ سکی اور بے قراری بڑھتی ہی چلی گئی۔ چنانچہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت

Marfat.com

کہ صاحب کشف و کرامت تھے۔ ایک روز انہوں نے کہا کہ سیّد پیارے میرے پاس جس قدر تمہارا حصہ تھا میں نے تمہیں دے دیا۔ تمہاری حقیقی اور آخری منزل تو بنگال ہے جہاں برادر علاؤالحق چشتی نظامی گنج نباتؒ تمہارے منتظر ہیں اور یہی آسمانی فیصلہ ہے۔ چنانچہ آپ آگے روانہ ہوئے۔ دورانِ سفر جب صوبہ بہار کے قصبہ منیر پہنچے تو وہاں حضرت شرف الدین یحییٰ میزیؒ (صاحب مکتوبات صدی) کا جنازہ رکھا تھا اوران کی اولاد مع مریدین ان کی وصیت کے مطابق انتظار میں تھے کہ شمال کی جانب سے ایک تارک السلطنت سیّد زادے آئیں گے جو ساتوں قرأتوں کے حافظ اور چودہ علوم کے عالم ہوں گے وہ میری نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ چنانچہ آپ نے یہ سعادت بھی حاصل کی اور آگے روانہ ہوئے۔

بیعت و خلافت:

ارض بنگال میں شہر مالوہ کے قصبہ پنڈوا میں حضرت علاؤالحق گنج نباتؒ کا آستانہ تھا۔ ایک روز اچانک آپ پکار اُٹھے کہ بوئے دوست می آید (مجھے دوست کی خوشبو آتی ہے) اور اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو اپنے ہمراہ لے کر قصبہ سے باہر استقبال کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ قریباً چار کوس چلے تو سامنے سے مخدوم پاک آتے دکھائی دیے۔ مخدوم پاک کی بھی جونہی نظر پڑی وارفتہ ہو گئے آگے بڑھ کر قدم بوسی کی۔ حضرت گنج نباتؒ نے اُٹھا کر سینہ سے لگایا اور آستانے پر لے آئے۔ جہاں بڑی ضیافت کا اہتمام کیا گیا اور قسم قسم کے کھانے پکوائے گئے۔ گنج نباتؒ نے فرمایا کہ فرزند جب سے تم سمنان سے نکلے میں منزل بہ منزل تمہارا نگراں رہا۔ کھانے میں مقامی ڈش پن بھتہ بھی رکھی گئی۔ اوّل چار لقمے گنج نباتؒ نے اپنے ہاتھ سے مخدوم پاک کو کھلائے اور بعد ازاں ایک ایک کر کے چار پان بھی اپنے دست مبارک سے کھلائے۔ اس کے بعد بیعت فرمایا اور اپنی کلاہ مخدوم پاک کے سر پر رکھی۔ بعد میں اپنے حجرہ خاص میں لے گئے اور پورا ایک پہر کامل تنہائی میں تمام اسرار و رموز سے مالا مال کر دیا۔ آپ ۱۲ سال پیر و مرشد کے آستانہ پر ان کے زیرسایہ رہ کر جملہ علوم باطنی میں کامل ہو گئے اور بارگاہِ رب العزت کی طرف سے جہانگیر کا لقب عطا ہوا اور خلافتِ رحمانی سے سرفراز ہوئے۔

پھر ایک روز حضرت گنج نباتؒ نے فرمایا کہ ''فرزند پستان استعداد ما بر تو خشک کردہ ام'' (اے فرزند میرے سینے میں استعداد کا جس قدر دودھ تھا میں نے تم پر خشک کر دیا یعنی پلا دیا ہے)

Marfat.com

یعنی عشق و محبت اور معرفت کے سب اسرار تمہیں پہنچا دیے جو کہ انہیں اپنے پیر و مرشد حضرت اخی سراج آئینہ ہند اور انہیں ان کے پیر و مرشد سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سے عنایت ہوئے تھے۔ اس کے بعد حضرت گنج نباتؒ نے رخصت کیا کہ رضائے مولا یہی ہے کہ تم جاؤ اور جس مقام کی اللہ کی طرف سے نشاندہی کی گئی ہے وہاں جا کر لوگوں کو اللہ کا راستہ بتلاؤ اور انہیں نیکی کی تبلیغ کرو۔ چنانچہ آپ ارض بنگال سے چل کر جونپور کے علاقہ میں جو اب ضلع فیض آباد (انڈیا) کہلاتا ہے تشریف لائے اور اس جگہ قیام فرمایا جو آج کل کچھوچھہ شریف کہلاتا ہے جسے آپ کے زمانے میں روح آباد کہتے تھے۔ تیس برس میں دنیا کے گرد آپ نے تین بار سفر کیا اور حج بیت اللہ بھی کیے۔ دوران سفر علاوہ اپنے مسلک کی تبلیغ کے بے شمار بزرگانِ دین سے ملاقاتیں ہوئیں اور نہایت عجائب غرائب واقعات دیکھے جو کتاب لطائف اشرفی میں بیان فرمائے ہیں اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے یہاں بیان ممکن نہیں۔ یہ کتاب آپ نے تصنیف فرمائی ہے جو مشہور زمانے اور تصوف میں ایک مستند حیثیت رکھتی ہے اور جس میں رموزِ عشق و محبت اور معارفِ الٰہی کا بہت بڑا خزانہ ہے۔

وصال:

۲۰ محرم کو جذب و بے خودی طاری ہوگئی۔ کھانا پینا ترک ہوگیا صرف نماز کے وقت ہوش میں آتے اور پھر وہی صورت ہو جاتی۔ اسی حالت میں ۲۷/۲۸ محرم ۸۰۸ھ کو بعمر ۱۲۰ سال وصال فرمایا۔ مزار شریف کچھوچھہ شریف میں ہی ہے جو آج بھی مرجع خلائق ہے اور ہزاروں لوگ فیضیاب ہوتے ہیں۔ آپ نے عارفانہ کلام بھی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

مماتی نیست گر دیدار باشد　　　حیات جاوداں از یار باشد

"اسے موت نہیں جسے دیدار (الٰہی) ہو گیا، دائمی زندگی صرف دوست سے ملے گی۔"

زہے مقتولِ تیغ غمزۂ دوست　　　شہیداں را سپہ سالار باشد

"آفرین ہے جو دوست کے غمزہ کی تلوار سے قتل ہوا، وہ تو شہیدوں کا سردار ہوگا۔"

شدہ ز حسن و جمالم جمالِ یار عیاں　　　ز نقش و صورت من صورت نگار عیاں

Marfat.com

''میرے حسن و جمال سے یارِ حقیقی کا حسن ظاہر ہوا، میری شکل وصورت سے محبوب حقیقی کی صورت ظاہر ہوئی۔''

یہ کلام عارفانہ وعاشقانہ ہے۔

حاجی الحرمین اعلیٰ حضرت سیّد ابواحمد شاہ محمد علی حسین اشرفی الجیلانی محبوبِ ربانیؒ

سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد (انڈیا) کا جو حضرت اشرفی میاں صاحب کے نام سے معروف تھے۔ آپ حضرت سیّد عبدالرزاق نورالعین کی اولاد سے تھے جو حضرت مخدوم سیّد اشرف جہانگیر سمنائی کے سگے بھانجے اور ان کے بعد ان کے جانشین ہوئے تھے۔ آپ کی ولادتِ مبارک ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ بروز دوشنبہ کچھوچھہ شریف میں ہوئی۔ جب سن شریف چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہوا تو خاندانی دستور کے مطابق رسم بسم اللہ، مولانا گل محمد صاحب خلیل آبادی، جو اہل دل اور کامل بزرگ تھے، انہوں نے کرائی۔ وقت کے جید علمائے کرام سے آپ نے اکتساب علم کیا۔ اپنی غیر معمولی ذہانت اور استعداد کی بنا پر صرف سولہ برس کی عمر میں جملہ علومِ ظاہری کی تکمیل کر لی اور ۱۲۸۲ھ میں اپنے برادرِ کلاں حضرت سیّد شاہ محمد اشرف حسین صاحب سے بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔ ۱۲۸۵ھ میں شادی ہوئی اور بعد ازاں ۱۲۹۰ھ میں ایک سال کامل حضرت مخدومِ پاک کے آستانہ پر چلہ کشی فرمائی اور تمام منازل عرفان کچھ اس طرح طے فرمائیں کہ آپ سے جہانگیری انوار و آثار ظاہر ہونے لگے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خاندان اشرفی میں حضور مخدوم پاک سے اب تک (جن کا وصال ۸۰۸ھ میں ہوا تھا) ان کے تمام سجادگان میں ایسی شان محبوبی رکھنے والی ہستی نہیں ہوئی تھی جس سے شان جہانگیری (یعنی مخدوم اشرف جہانگیرؒ) اس طرح ظاہر ہوئی ہو اپنے کلام فیض ترجمان میں ایک جگہ خود فرماتے ہیں:

چہ گویم اشرفم یا اشرفیم مپرس ایں راز پنہانی خدارا

''کیا کہوں کہ میں اشرف ہوں یا اشرفی ہوں، خدا کے لیے یہ خفیہ راز نہ پوچھ۔''

Marfat.com

جب آپ مسندِ سجادہ نشینی پر فائز ہوئے تو آپ کے ایک استاد محترم مولوی قادر بخش نے بھی یہ کہہ کر بیعت کا شرف حاصل کیا کہ مجھ کو مدت سے اسی دن کا انتظار تھا۔ جب میں آپ کی غلامی کا طوق پہنوں گا۔

آپ ایک جید و کامل اور علوم و اسرار ربانی کے حامل بزرگ تھے اور سرتاپا اتباع شریعت، تقویٰ، عشق رسولؐ اور محبت و معرفت الٰہی کا ایک نہایت دلاویز پیکر اور مجسم نمونہ تھے۔ اگرچہ آپ کی ذات بابرکات میں جمع صفات حمیدہ بے شمار ہیں۔ تاہم بعض کا ذکر یہاں کرتے ہیں کہ ہر خاص و عام ان سے متاثر اور ان باتوں کے شاہد ہیں:

۱۔ آپ سے کبھی کوئی لغزش شرعی نہیں ہوئی۔
۲۔ آپ نے کبھی کسی کے دل کو آزار نہیں پہنچایا۔
۳۔ آپ نے کبھی کوئی ایسا لفظ نہیں بولا جو کانوں کو مکروہ معلوم ہو۔
۴۔ کبھی کسی سائل کے سوال کو رد نہیں کیا۔
۵۔ اپنے دسترخوان کو ہمیشہ وسیع رکھا۔
۶۔ آپ نے راہ سلوک میں تشنیع خلائق کی کبھی پرواہ نہ کی اور علامتی مشرب محبوب رکھا۔

بھائی بندوں کی محبت، مہمانوں کی عزت اور خاطر داری حسن سلوک کے ساتھ آپ کی عادات حسنہ تھیں۔

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں صاحبؒ ۱۲۹۷ھ میں مسند سجادہ نشینی پر بیٹھے اور خاندانی خرقہ جہانگیری زیب تن فرمایا۔ آپ نے چار حج کیے پہلا ۱۲۹۳ھ، دوسرا ۱۳۲۳ھ، تیسرا ۱۳۲۹ھ اور چوتھا ۱۳۵۴ھ میں کیا۔ اسی دوران دیگر مقامات مقدسہ کی، طائف شریف، بیت المقدس، شام و مصر اور حمص وغیرہ میں زیارت کی اور باطنی فیوض و نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ کے شوق سیاحت کی وجہ سے سلسلہ اشرفیہ کی بہت تبلیغ ہوئی جس میں بنگال مدارس، بمبئی کاٹھیاواڑ، مارواڑ، دکن، اودھ، پنجاب، سندھ اور بیرون ملک عدن، جدہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، شام، حلب، مصر اور عراق میں لوگ آپ کے مرید ہوئے جن کی تعداد لاکھوں میں ہے۔ طبقہ علماء میں بھی سینکڑوں عالم حضرات ہیں جن میں بڑے بڑے جید عالم شامل ہیں جو حلقہ ارادت میں آئے اور خلافت کے اعزاز سے بھی نوازے گئے۔ ان میں چند مشہور زمانہ عالمان دین یہ ہیں:

سیّد غلام بھیک نیرنگ صاحب، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی، مولانا

Marfat.com

فاخر صاحب الٰہ آبادی، مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سیّد احمد صاحب (بانی درسگاہ حزب الاحناف لاہور)، مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب، علامہ مفتی عبدالرشید صاحب (بانی جامعہ عربیہ اسلامیہ ناگپور) میدان مناظرہ کے شاہ سوار علامہ مفتی محمود رفاقت حسین صاحب، مولانا غلام جیلانی صاحب میرٹھی، مبلغ اعظم یورپ وایشیاء اور افریقہ مولانا عبدالعلیم صاحب میرٹھی، مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا عارف اللہ صاحب، مولانا ضیاء الدین صاحب، مہاجر مدنی المعروف مدنی صاحب جملہ علماء اور خلفاء کی تعداد سینکڑوں میں ہے جو اس چشمہ علم و عرفان سے فیضیاب ہوئے اور آگے لاکھوں بندگان خدا کو سیراب کیا۔

موجودہ دور کی ایک عظیم شخصیت جو خود نہ صرف شریعت، طریقت اور علم کے بحر بے کنار تھے اس دور کے مجدد اعظم تسلیم کیے جاتے ہیں اور سارا زمانہ ان کو امام احمد رضا خان صاحب بریلویؒ کے نام نامی سے جانتا ہے، وہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

اے اشرفی رخت آئینہ حسن خوباں　　　اے نظر کردہ و پروردۂ سہ محبوباں

"اے اشرفی تیرا چہرہ محبوبوں کے حسن کا آئینہ دار ہے، اے کہ جس پر نظر کرم اور جس کی پرورش تین محبوبوں نے کی ہے۔"

ان تین محبوبوں سے مراد، غوث الاعظم محبوب سبحانیؒ، نظام الدین اولیاء، محبوب الٰہی اور مخدوم اشرف جہانگیر محبوب یزدانی رحمۃ اللہ علیہان کی ہے۔

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں صاحبؒ ایک الہامی اور آفاقی شاعر بھی تھے اور ان کی تمام تر شاعری دراصل ان کی قلبی وارداتوں اور کیفیات کا اظہار ہے جو ان کی کتاب بنام "تحائف اشرفی" میں شائع ہو چکا ہے۔ ان کا کلام حسن و عشق کی عارفانہ سرمستی اور سرشاری سے لبریز ہے جس میں وہ حسن مجازی سے حسن حقیقی کی طرف لے جاتے ہیں اور اللہ کے بندوں سے محبت اللہ سے محبت کا پہلا زینہ قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں:

مجازی عشق سب کہتے ہیں جس کو　　　وہی بام حقیقت کا ہے زینہ

خواجہ میر درد، بیدم وارثی اور شاہ نیاز احمد صاحب بریلویؒ ایسے شاعر تھے جنہوں نے وہی لکھا یا کہا ہے جو محسوس کیا اور جس حالت سے گزرے اسی طرح اشرفی میاں صاحب کی ذات گرامی بھی کبھی سوز و گداز کا پیکر نظر آتی ہے تو کبھی اِک نعرہ مستانہ بن جاتی ہے۔ کبھی اضطرابی کیفیت سے

Marfat.com

گزرتے ہیں تو کبھی جذب وشوق کی فراوانی کے مراحل سے۔ جس سے ان کے رنگ تغزل میں ایسی گہرائی، سادگی، شادابی اور پاکیزگی پائی جاتی ہے اور ان کے کلام میں ایسی انفرادیت نظر آتی ہے جو انہیں دوسرے شاعروں سے ممتاز کرتی ہے۔ نعتیہ کلام سبحان اللہ ایسا ہے جس سے عشق رسولؐ کی وہ خوشبو آتی ہے جو انسان کے قلب اور روح میں سرائیت کر جاتی ہے اور ایسا گداز پیدا کرتی ہے کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ ان کا کلام فارسی اور اُردو کے علاوہ پوربی اور ہندی میں بھی ہے۔ مؤخر الذکر دونوں زبانیں اپنی مٹھاس، ترنگ، لوچ اور لچک، درد و سوز کی وجہ سے ایک منفرد اثر رکھتی ہیں جس سے کلام کا حسن دوبالا ہو گیا ہے۔ ان کے کلام میں ٹھمریاں اور راگوں کے بول (استھائیاں) تک لکھے گئے ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ موسیقی کا علم بھی بدرجہ کمال جانتے تھے۔

وصال:

ماہ رجب ۱۳۵۵ھ کے شروع ہوتے ہی ناسازیٔ طبع جو کچھ عرصہ سے چلی آ رہی تھی، زیادہ بڑھ گئی اور صورت یہ ہو گئی کہ اگر کوئی کچھ پوچھتا تو جواب دیر سے دیتے اور بعض اوقات نہیں بھی دیتے تھے۔ ہمہ وقت استغراق کا عالم رہتا، کھانا پینا سب ترک ہو گیا۔ البتہ نماز کا وقت ہوتا تو کوئی جا کر کان کے قریب ذرا اُونچی آواز میں عرض کرتا تب ہوش میں آ جاتے اور تیمم کر کے پلنگ پر گھڑا سامنے رکھ کر نماز ادا فرماتے تاہم جب خود اپنی مرضی سے بات کرتے تو معلوم ہوتا جیسے بالکل تندرست ہیں ہمہ وقت ذکر کسب وجودیہ میں مشغول رہتے جس میں کسی کی مداخلت اچھی نہیں لگتی تھی۔ فرمایا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ عنقریب ہم وصالِ محبوب حاصل کریں گے تاہم ہماری تمنا ہے کہ تاریخ ۱۱ یا ۱۲ ہو اور یہی رجب کا مہینہ ہو۔ وصال سے دو دن پیشتر فرمایا: ''الوداع'' اور پھر ۱۱ رجب ۱۳۵۵ھ بروز پیر بوقت شب ایک بج کر بیس منٹ پر بمطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء واصل محبوب حقیقی ہوئے مادہ تاریخ ''ہائے افسوس سلطان المشائخ'' ہے مزار شریف آستانہ عالیہ مخدوم پاک، کچھوچھہ شریف میں ہی ہے۔

آپ کے بعد آپ کے پوتے ابوالمسعود سیّد محمد مختار اشرف، اشرفی الجیلانی سجادہ نشین ہوئے جن کے بارے میں آپ کا فرمانا تھا کہ مادرزاد یعنی ماں کے پیٹ سے ہی ولی پیدا ہوئے۔ ان کے ذریعے بھی سلسلہ اشرفیہ کی بہت تبلیغ ہوئی آپ کا وصال پچھلے سال ۹ رجب ۱۴۱۷ھ کو ہوا

Marfat.com

اورآستانہ عالیہ میں ہی مزار شریف ہے۔آپ کے بعد آپ کے فرزند ابوالمحمود سیّد محمد اظہار اشرف، اشرفی الجیلانی، سجادہ نشینی کے منصب جلیلہ پر فائز ہیں آپ نہ صرف جید عالم دین اور صاحب دل درویش ہیں بلکہ بڑے عملی انسان بھی ہیں آپ کی مساعی جمیلہ سے آستانہ عالیہ میں جامعہ اشرف کے نام سے ایک مکمل اور جدید وقدیم علوم سے آراستہ درسگاہ قائم کی گئی ہے۔جس میں بہت بڑی لائبریری، ہوسٹل اور دیگر تمام ضروری لوازمات مہیا کیے گئے ہیں۔آپ کی کاوشوں سے جامعہ اشرف کی سند بھارتی محکمہ تعلیم اور حکومت بھی تسلیم کرتی ہے۔اللہ آپ کی جواں ہمتی اور تندرستی سلامت رکھے کہ آپ اسلاف کا نمونہ اور نشانی ہیں۔

Marfat.com

منقبت

بے گماں ظلِ الٰہی پرتو شاہ زمن سیرتاً "مثلِ علی وصورتاً" شاہ حسن

"بے شک اللہ کا سایہ اور آنحضرت کا عکس، سیرت میں علی کی مثل اور صورت میں امام حسنؑ۔"

شاہسوار راہ اُلفت تاجدار حسن وعشق من ندیدم دیگرے جز سیّد آل حسن

"راہ اُلفت کے شاہ سوار اور حسن وعشق کے تاجدار، میں نے سوائے سیّد آل حسن کے کسی کو نہیں دیکھا۔"

حسن کی ہر اک ادا آلِ حسن میں دیکھ لو عشق کی ہر انتہا آلِ حسن میں دیکھ لو
عقل کل کی ہر ضیاء آلِ حسن میں دیکھ لو موج رحمت جاں فزا آلِ حسن میں دیکھ لو
نجف کی مشکیں فضا، آلِ حسن میں دیکھ لو حسنین کا صبر و رضا آلِ حسن میں دیکھ لو
شیراز کی باد صبا آلِ حسن میں دیکھ لو سوز خسرو دلربا آلِ حسن میں دیکھ لو
ساز سرمد کی صدا آلِ حسن میں دیکھ لو اشرفی ماہ لقا، آلِ حسن میں دیکھ لو
ساقی رنگیں قبا آلِ حسن میں دیکھ لو معصوم کی شرم وحیا آلِ حسن میں دیکھ لو
عظمت عہد وفا آلِ حسن میں دیکھ لو شوکت فقر وغنا آلِ حسن میں دیکھ لو
دیدۂ دل گر ہو وا، آلِ حسن میں دیکھ لو ہو چکا نیر فنا، آلِ حسن میں دیکھ لو

شیخ نیر اقبال

Marfat.com

برزمیں آلِ حسن بر آسماں آلِ حسن　　　از مکاں تا لامکاں آلِ حسن آلِ حسن

''زمین پر بھی آلِ حسن، آسمان پر بھی آلِ حسن، مکاں سے لے کر لامکاں تک آلِ حسن آلِ حسن۔''

ارض وسما گردیدہ ام خوبانِ عالم دیدہ ام　　　دارند ایں وردِ زباں آلِ حسن آلِ حسن

''میں نے زمین آسمان گھوم کر تمام محبوبوں کو دیکھا، سب کی زبان پر یہی ورد ہے آلِ حسن آلِ حسن۔''

رِندِ رنداں، مستِ مستاں، خسروِ دوراں، محبوبِ محبوباں، سیّد المشائخ حضرت سیّد آلِ حسن صاحب المخاطب بہ احسن اللہ شاہ اشرف الجیلانیؒ المعروف بہ سیّد صاحب قبلہ

اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتاں آذری
ہر چند وصفت می کنم در حسن زاں بالاتری

''اے کہ تیرا حسین چہرہ آذر کی مورتیوں کے لیے باعث رشک ہے، میں تیری جتنی بھی تعریف کروں تو اس سے زیادہ حسین ہے۔''

میدان اُلفت کے شاہ سوار، اقلیم حسن وعشق کے تاجدار، پیکرِ لطافت، مجسم نفاست، جمال الٰہی کے فریفتہ، حامل قلب سوختہ، اہلِ محبت کے پیشوا، واقف اسرارِ محبت ومعرفت دردمندوں کے دردمند، مولا علی اور فاطمۃ الزہراؓ کے فرزند ارجمند، حضرت سیّد آل حسن صاحب اشرفی الجیلانی جو بارگاہ اعلیٰ حضرت شاہ ابو احمد محمد علی حسین اشرفی الجیلانی، سجادہ نشین سرکار کلاں کچھوچھہ شریف (انڈیا) کے پروردۂ ناز تھے جہاں سے انہیں نعمت اور خلافت الٰہیہ عطا ہوئی تھی۔ آپ جملہ خوبیوں کا ایک حسین مرقع اور رنگارنگ پھولوں کا ایک ایسا گلدستہ تھے جس سے ہر دم محبت وعشق الٰہی کی

Marfat.com

خوشبو آتی تھی۔ آپ سرتا پا نسبت خسروی کے مظہر اور حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّیُحِبُّ الْجَمَال کی مجسم تفسیر تھے جنہیں دیکھ کر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کا یہ شعر حقیقت کا روپ دھار لیتا تھا۔

دو زلفاں دے چھلے وے چھلے
ہر کوئی سوہنا ہے پر ماہیے دے تھلے وے تھلے

اور بے ساختہ حافظ شیرازی کی زبان میں کہنا پڑتا ہے:

جمالت آفتاب ہر نظر باد　　　زخوبی روئے خوبت خوب تر باد

''تیرا جمال ہر دیکھنے والے کے لیے آفتاب ہوجیو، خوبصورتی سے ترا چہرہ اور خوبصورت ہوجیو۔''

آپ اس قدر شیریں کلام تھے اور گفتگو میں ایسا سحر تھا کہ جو آپ کے پاس بیٹھتا وہ مسحور ہو جاتا اور گرویدہ ہو جاتا۔ اگر کوئی زندگی میں ایک بار بھی ملا تو اسے وہ ملاقات عمر بھر یاد رہی۔ وابستگان یعنی مریدین وغیرہ میں ہر ایک سے اس قدر ملائمت، شفقت اور محبت سے پیش آتے کہ ہر کوئی یہی سمجھتا کہ حضرت کو اس سے زیادہ تعلق ہے۔ ذوقِ سماع کا یہ عالم تھا کہ آخری دور میں اپنے کمرے پر ماہانہ تین محفلیں (چاند کی گیارہ، سترہ اور اکیسویں) ہوتی تھیں جبکہ باقی دنوں میں کراچی کے دیگر اپنے ہم عصر مشائخ اور احباب کے ہاں بھی محافل سماع میں شرکت فرماتے۔ غلبہ ذوقِ سماع کی وجہ سے اپنے ذاتی قوالوں کی چوکی مقرر کر رکھی تھی جو فاروق نظامی صاحب اور ان کے برادران خلیق صاحب اور رئیس صاحب پر مشتمل تھی جو طلب کیے جانے پر فوراً حاضر ہوتے جب کراچی سے باہر سفر پر لاہور وغیرہ جاتے تو اکثر اپنے ساتھ انہیں بھی لے جاتے تاکہ شوق و ذوق میں کوئی رکاوٹ نہ آئے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

منعم بہ دشت وکوہ و بیاباں غریب نیست　　　ہر جا کہ رود خیمہ زد و بارگاہے ساخت

''نعمت والا جنگل، پہاڑ اور ویرانے میں بھی لاچار نہیں، جہاں جاتا ہے خیمہ لگاتا ہے اور بارگاہ بنالیتا ہے۔''

ذوقِ سماع کے ضمن میں دو واقعات جو میرے سامنے ہوئے عرض کرتا ہوں یہ ۱۹۵۷ء کراچی کمرے کی بات ہے سماع ہو رہا تھا اور محفل جوبن پر تھی حضرت قبلہ میر محفل تھے۔ منظور احمد

Marfat.com

قوال اور ہم نوا گا رہے تھے ان کے ایک ساتھی جنہیں منشی جی کہتے تھے اور وہ بہت فارسی داں تھے گرہ کے طور پہ یہ شعر کہا:

بدہ یک جام اے ساقی بنگر وفا از من　　　　کہ تا عمر ابد من رہن یک پیمانہ خواہم شد

''اے ساقی ایک جام تو دے اور پھر میری وفا دیکھ، کہ ابدی عمر کے لیے
میں ایک جام کے عوض رہن ہو جاؤں گا۔''

اس پر حضرت قبلہ کو ایسا کیف ہوا اور رقص میں اس قدر جوش تھا کہ سنبھالے نہ سنبھلتے تھے۔ جب کیفیت کم ہوئی تو ان سے آنکھیں نہیں ملائی جاتی تھیں ایسے لگتا تھا جیسے منوں شراب پی رکھی ہو جس کا خمار آنکھوں سے ظاہر تھا۔

دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ خلیق اور رئیس قوال صاحبان گا رہے تھے، فارسی غزل تھی جس میں جب یہ شعر آیا:

برلب جوئے مصفا بہ ہزاراں انوار　　　　لب یار و لب پیمانہ مبارک باشد

''پاک صاف نہر کے کنارے ہزاروں انوار کے ساتھ، دوست کے لب
اور ان کا پیمانہ مبارک ہو۔''

اس پر بھی ویسی ہی زبردست کیفیت ہوئی۔ جس کے اثرات ساری محفل نے محسوس کیے واقعی ایسا لگتا تھا جیسے انوار کی بارش ہو رہی ہو اور روح سرشار ہو جائے۔ اہل نظر کے نزدیک صاحبان کیف کی حالت اور نسبت کا ادراک اس شعر سے بھی کیا جاتا ہے جس پر انہیں کیف ہوتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا ہر دو شعروں سے سیّد صاحب قبلہ کی خاص عشقیہ نسبت اور ذوق کی معراج کا بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے۔

سیّد صاحب قبلہ کے مریدین اور وابستگان کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ زیادہ تر ان میں سے لاہور اور کراچی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مرید کرنے میں احتیاط کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارا راستہ محبت کا راستہ ہے اور ہمارا مشرب ملامتی ہے جو عام نہیں بلکہ منفرد اور بہت کٹھن بھی ہے اس لیے عام طور پر ان لوگوں کو بیعت کرتے جن میں یہ صلاحیت اور استعداد (Talent Aptitude) دیکھتے جبکہ اس کے ساتھ ذہانت کا ہونا بھی ضروری تھا۔ پھر اس صلاحیت کی تربیت اور پرورش فرماتے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے اپنی مشہور زمانہ پنجابی نعتیہ غزل ''اج سک

Marfat.com

متراں دی ودھیری اے" میں اس صلاحیت اور انفرادیت کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

دسے صورت راہ بے صورت دا　　　　توبہ راہ کہ عین حقیقت دا

"شکل اس کی راہ بتاتی ہے جس کی کوئی شکل نہیں، ہوس سے توبہ حقیقت آشنائی کا اصل راستہ ہے۔"

پر کم نہیں ہے بے سوجھت دا　　　　کوئی ورلیاں موتی لے تریاں

"لیکن یہ کام کم یا بے عقل کا نہیں ہے، کم کم ایسے ہوں گے جو یہ موتی نکال لے گئے۔"

سیّد صاحب قبل ماہانہ محافل فاتحہ اور سماع تین بار منعقد کراتے چاند کی گیارہ (۱۱) اپنے پیرو مرشد کی، سترہ (۱۷) حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سرکار کی اور اکیس (۲۱) مولائے کائنات حضرت علی کی۔ ہر محفل شروع ہونے سے پہلے تمام آنے والے مہمانوں اور قوالوں کو کھانا کھلایا جاتا جس میں قورمہ روٹی ہوتی۔ بعد ازاں فاتحہ ہوتی، شیرینی تقسیم ہوتی اور پھر محفل سماع برپا ہوتی۔ سال میں چار عرس شریف کراتے جو چھت پر شامیانے لگا کر کرائے جاتے۔ کیونکہ مہمان زیادہ ہوتے تھے اور حضرت اپنی بلڈنگ کی سب سے اوپر والی یعنی پانچویں منزل پر رہتے تھے۔ عرس کے کھانے میں بریانی اور زردہ ہوتا چاروں عرس تقریباً ہر تین ماہ بعد اس طرح ہوتے کہ قمری سال کے حساب سے سال کا پہلا عرس حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کا ۲۷ محرم کو ہوتا اور قل ۲۸ محرم کو ہوتے۔ پھر ۱۷ ربیع الثانی کو حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا عرس ہوتا اور ۱۸ کو قل ہوتے اس کے بعد ۱۱ رجب کو اعلیٰ حضرت اشرفی میاں کا عرس اور ۱۲ کو قل ہوتے اور آخر میں ۱۷ شوال کو حضرت امیر خسرو کا عرس اور ۱۸ کو قل ہوتے تمام عرسوں میں کراچی کے تمام مریدین اور مشائخ کرام بھی تشریف لاتے اور بڑی روح پرور محافل سماع ہوتیں تمام چار عرسوں میں لاہور کے مریدین بھی بڑے گروہ کی صورت میں باقاعدگی سے آتے اور شریک ہوتے اور عرس کے بعد چند روز قیام کرتے اور اجازت ملنے پر واپس جاتے۔ حضرت قبلہ ان لوگوں کے اس طرح باقاعدگی سے ہر تین مہینہ بعد آنے پر بہت خوش ہوتے اور ان سے بڑی مہربانی اور مدارات سے پیش آتے کیونکہ تقریباً سبھی لوگ ملازمت پیشہ تھے اور دور سے سفر کر کے آتے تھے۔

ہر عرس کے بعد کمرے پر ذکر و فکر کی مجلسیں ہوتیں جس میں کراچی کے حضرت قبلہ کے احباب اور مشائخ بھی شریک ہوتے جو اہلِ لاہور کی اس محبت پر جس سے وہ ہر تین ماہ بعد آتے

Marfat.com

تھے حضرت قبلہ کو مبارک باد دیتے اور اس بات پر رشک کرتے کہ آپ کے یہ مریدین بہت محبت والے ہیں جس پر حضرت قبلہ کا سر فخر سے بلند ہو جاتا اور اسی سرخوشی سے جوش میں فرماتے کہ گو یہ ہمارے مرید ہیں لیکن ہم انہیں اپنا دوست سمجھتے ہیں اور اہلِ لاہور کے لیے یہ بات یقیناً ان کی خوش نصیبی کی معراج اور باعث رحمت و کرم تھی۔ جب چند دن رہ کر اہل لاہور چلے جاتے تو کمرہ پر ایک دم خاموشی سی چھا جاتی اور حضرت قبلہ بھی کچھ دن خاموش اور اُداس رہتے۔

اہلِ لاہور میں سے اکثر حضرات انتقال فرما چکے ہیں جن میں نمایاں نام یہ ہیں: علامہ محمد یوسف بٹ صاحب، ملک اشرف صاحب، بلند اقبال صاحب، ضیاء القادری صاحب، ڈاکٹر محمد یوسف انصاری صاحب، ڈاکٹر محمد امین صاحب، فخر ریاض المعروف فخری بھائی جان صاحب، مستری امین صاحب، ظہوری خاں صاحب، شیخ منظور صاحب رحمۃ اللہ علیہان۔

جو حضرات بفضل تعالیٰ حیات ہیں ان میں محمد یوسف راٹھور صاحب، شیخ نیر اقبال صاحب عبدالمجید غوری صاحب، سیّد سجاد شاہ صاحب (گجرات) اور یہ خاکسار نواز حسنی شامل ہیں۔ اب سیّد صاحب قبلہ کے اپنے سالانہ عرس پر جو ۵ رمضان المبارک کو کلفٹن مزار شریف پر ہوتا ہے ابھی بھی بہت سے وابستگان لاہور سے ہر سال باقاعدہ آتے ہیں جن میں نمایاں طور پر علامہ یوسف بٹ صاحب اور فخری بھائی جان صاحب کے افراد خاندان، عبدالمجید غوری صاحب اور سجاد شاہ صاحب (گجرات) مع اپنے دوست اور احباب کے بڑی تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔

سیّد صاحب قبلہ کا خاندان:

حضرت قبلہ نجیب الطرفین سادات میں سے ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی شینا اللہ کے واسطے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد مغل شہنشاہ شاہ جہاں کے دور میں وسطی ایشیا کے شہر بخارا سے ترک وطن کر کے ہندوستان آئے۔ یہ تین بھائی تھے سیّد احمد علی صاحب، دوسرے سیّد فضل علی صاحب اور تیسرے سیّد انور علی صاحب جو حضرت قبلہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ اوّل تینوں بھائی لاہور میں ٹھہرے بعد ازاں سیّد احمد علی صاحب وہیں رہ گئے اور سیّد فضل علی صاحب دہلی میں آباد ہو گئے۔ حضرت قبلہ کے مورث اعلیٰ سیّد انور علی صاحب اپنے علم و فضل اور دینداری کی بنا پر شاہ جہاں کے دربار سے وابستہ ہو گئے جنہیں بادشاہ نے بغرض تبلیغ دین ہاپوڑ کی طرف بھیج دیا اور وہیں ایک بڑی جاگیر بھی

Marfat.com

عطا کی تا کہ روزی روٹی سے بے نیاز ہو کر اپنے دینی فرائض دلجمعی سے ادا کر سکیں۔ انگریزی حکومت کے دور میں بھی آپ کے خاندان کی عزت افزائی اسی طرح رہی اور دہلی میں جب وائسرائے کا دربار لگتا تو آپ کے خاندان کے سربراہ کو اس میں مدعو کیا جاتا اور کرسی دی جاتی تھی۔

ولادت باسعادت:

آپ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۵ء کو بروز جمعہ، ہاپوڑ ضلع میرٹھ یوپی (انڈیا) میں پیدا ہوئے آپ کا نام سیّد آل حسن رکھا گیا۔ آپ کے والد ماجد کا نام سیّد ابن حسن تھا جو ہاپوڑ میں رئیس اعظم کہلاتے تھے۔ آپ بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ والد ماجد نے خیرات وسخاوت سے غریبوں اور مسکینوں کو نہال کر دیا۔ عقیقہ پر پورے شہر کو کھانا کھلایا گیا۔ یہاں تک کہ ریل کے مسافروں کو بھی اسٹیشن پر گاڑی روک کر کھانا کھلایا گیا۔

جب آپ کی عمر چار سال، چار ماہ اور چار دن ہوئی تو سادات کے خاندانی دستور کے مطابق آپ کی رسمِ بسم اللہ بڑی دھوم دھام سے کرائی گئی۔ عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم آپ نے گھر پر ہی حاصل کی جس کے لیے قابل اساتذہ مقرر کیے گئے۔ اوائلِ عمری میں ہی آپ ایک بڑے صدمے سے دوچار ہوئے جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اور اس طرح آپ کے سر پر پہلی آبائی اور سنت نبوی کا سہرا باندھا گیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ امراؤ بیگم صاحبہ جو ایک نہایت پاکباز، نیک، حوصلہ مند اور سیّدہ تھیں آپ کو آپ کے چھوٹے بھائی سیّد حامد حسن صاحب اور ہمشیرہ بی بی محفوظ فاطمہ صاحبہ کے ہمراہ لے کر نقل مکانی کر گئیں اور میرٹھ میں رہائش اختیار کر لی۔ کیونکہ آپ کے نابالغ ہونے کی وجہ سے ساری موروثی جائیداد کورٹ آف وارڈ میں چلی گئی آپ کو میرٹھ کے گورنمنٹ اسکول میں داخل کرا دیا گیا جہاں سے آپ کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ بچپن سے ہی آپ کی طبیعت اور مزاج دوسرے ہم عصر بچوں سے یکسر مختلف تھا۔ آپ سنجیدہ طبیعت کے مالک اور غیر معمولی ذہانت اور عقل کی وجہ سے ایک ممتاز حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ چودہ برس کی عمر میں آپ کو علی گڑھ اسکول میں داخل کرا دیا گیا۔ آپ اس وقت آٹھویں کلاس میں پڑھتے تھے آپ کے ساتھیوں (Room Mates) کا بیان ہے کہ آپ رات کو تہجد کی نماز کے لیے گھڑی کا الارم لگا کر سوتے اور اُٹھ کر نماز پڑھتے لیکن ہم اپنی نیند خراب ہونے کا شور کرتے۔ تاہم انہوں نے بہت پیار محبت اور دلیل سے ہمیں قائل کر لیا جس پر پھر ہم نے کبھی گلہ نہ کیا۔

Marfat.com

آمنا سامنا:

حضرت قبلہ نے بتایا کہ ایک دفعہ جبکہ ہم میرٹھ اسکول میں پڑھتے تھے اور کرکٹ گراؤنڈ سے کرکٹ کھیل کر واپس آ رہے تھے تو خیر نگر دروازے کے موڑ پر ایک پالکی سامنے سے آتی دکھائی دی جس کے ساتھ کہاروں کے علاوہ کافی لوگ بھی تھے ہم بھی کھڑے ہو کر دیکھنے لگے جیسے ہی وہ پالکی ہمارے سامنے سے گزری تو ہماری نظر اس میں بیٹھے ہوئے ایک بزرگ پر پڑی جبکہ عین اسی وقت انہوں نے بھی ہماری طرف دیکھا بس جیسے ہی نظریں چار ہوئیں ایک بجلی سی کوند گئی اور ہم مبہوت کھڑے رہ گئے۔ پالکی گزر گئی تاہم وہ نورانی اور پاک صورت دل میں اُتر گئی اور ہم نے اسی وقت یہ فیصلہ کر لیا کہ زندگی میں جب بھی بیعت ہوں گے انہی بزرگ سے ہوں گے۔

مزید فرمایا کہ غور و فکر ہماری عادت تھی۔ گو کہ ہماری پرورش بڑے ناز و نعم سے شہزادوں کی طرح ہوئی۔ محل نما حویلی میں رہتے تھے جہاں نوکروں چاکروں کی ایک فوج خدمت پر ہر وقت کمربستہ رہتی تھی۔ تاہم دل ان چیزوں میں نہیں لگتا تھا اور ایک عجیب قسم کی بے چینی اور خلش دل میں رہتی تھی۔ ہماری عمر ۱۵ یا ۱۶ سال کی ہو گی کہ اللہ کی طرف سے ایک روز ہاتف غیبی کی آواز آئی اور قرآن پاک کی سورہ تکاثر سنائی دی کہ ''کیا تم مال ہی کے چکر میں پڑے رہو گے حتیٰ کہ تمہیں موت آ جائے۔'' اس کو سنتے ہی طبیعت کی گویا کایا ہی پلٹ گئی اور ایک عجیب قسم کا اثر ہوا جس سے ہم نے دل سے فیصلہ کر لیا کہ کوئی اپنے آپ کو عیاشی، رنڈی بازی اور شراب نوشی وغیرہ میں خراب کرتا ہے (کیونکہ اس وقت رئیسوں اور جاگیرداروں کے یہی مشاغل تھے) مگر ہم خود کو اللہ کی راہ پر ڈالیں گے اور جو کچھ ہو گا اسے قبول کریں گے۔

اسی اوائلِ عمری میں حضرت قبلہ کو ایک اور صدمہ جانکاہ برداشت کرنا پڑا آپ کی شفیق، ہمدم اور مامتا سے بھری والدہ جن سے آپ بے انتہا محبت کرتے تھے اور ان کا بہت ادب کرتے تھے۔ آپ کو داغِ مفارقت دے گئیں۔ یہ ۱۹۳۱ء کا واقعہ ہے۔ حضرت قبلہ پر ان کے انتقال کا بہت گہرا اثر ہوا۔ آپ ساری ساری رات گھر کے آنگن میں کھڑے ہو کر آسمان کی طرف دیکھتے اور گریہ و زاری کرتے رہتے۔

Marfat.com

بیعت وخلافت:

آپ کی یہ دلسوزی اور آہ وزاری مقبول بارگاہ خداوندی ہوئی کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ قَرِیبٌ مِن کُلِّ قلبٍ حَزِین

''بے شک اللہ تمام غمزدہ دلوں کے قریب ہے۔''

اور اللہ نے آپ پر اپنا فضلِ خاص کیا۔ حضرت قبلہ خود روایت فرماتے تھے کہ یہ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے کہ ہاپوڑ ریلوے اسٹیشن کے جو اسٹیشن ماسٹر تھے وہ ہمارے ہاں گیارہویں شریف کی محفلوں میں مدعو ہوتے تھے۔ نہایت شریف اور اچھے انسان تھے۔ ایک دن انہوں نے ہمیں آ کر دعوت دی کہ ہمارے پیر و مرشد صاحب آئے ہوئے ہیں اور میرے گھر پر ان کی دعوت ہے، آپ بھی تشریف لائیں۔ چنانچہ ہم بھی وقت مقررہ پر وہاں پہنچ گئے جیسے ہی دروازہ سے اندر کمرے میں داخل ہوئے اور سامنے بیٹھے ہوئے بزرگ ہستی پر نظر پڑی تو فوراً پہچان لیا کہ یہ تو وہی ہیں جن کو ہم نے پالکی میں دیکھا تھا۔ ایک حیرت آمیز مسرت کے ساتھ آگے بڑھے تو انہوں نے بھی دیکھا اور فرمایا کہ آؤ آؤ فرزند بہت انتظار کرایا۔ یہ کہہ کر اپنے ساتھ بٹھایا اور کمال مہربانی، شفقت اور مدارات فرمائی۔ چنانچہ ہم وہیں بیعت ہو گئے اور جیسے ہی اعلیٰ حضرت کے روئے انور پر نظر پڑی تو اِک جلوہ ربی نظر آیا جس کے اثر سے ہم ان کی طرف جھکے اور آہستہ سے جو دیکھا تھا ان کے گوش گزار کیا جس پر انہوں نے فرمایا کہ فرزند مبارک ہو بس اس پر ڈٹے رہنا۔ جب ہم وہاں سے نکلے تو باہر گلی میں چنے بیچنے والا گزر رہا تھا۔ اس نے آواز لگائی ''چنے جور گرم'' یہ فرما کر آبدیدہ ہوئے اور کہا بس وہ دن اور آج کا دن سوز مدام ہی ہے۔

بیعت کے ایک سال بعد ہی ۱۹۳۳ء میں اعلیٰ حضرت نے کرم خاص فرمایا اور یہ کہہ کر خلافت عطا فرمائی کہ ہم نے تمہیں خلافت اللہ کے حکم سے دی ہے۔ محض اپنی مرضی سے نہیں اور سیاہ رنگ کا تاج عطا فرمایا جو صرف ان کے خاندان کے لیے ہوتا ہے۔ بعد میں اپنے دست مبارک سے کلاہ پہنایا اور اس پر دستار باندھی جو بوقت وصال ان کے ساتھ قبر میں رکھ دی گئی ہے۔ خلافت نامے میں یہ تحریر ہوتا ہے کہ جیسے تمہیں تعلیم دی گئی وہی اور ویسے ہی آگے مریدین کو دیں گے جبکہ سیّد صاحب قبلہ کے خلافت نامے میں اعلیٰ حضرت نے اپنے دست مبارک سے لکھا کہ یہ جس کو جیسے چاہیں تعلیم دے سکتے ہیں۔

Marfat.com

بیعت کے بعد ایک سال کے قلیل عرصے کے اندر حضرت قبلہ کو خلافت الٰہیہ کا ملنا از خود ان کے مقبول بارگاہ ہونے کی واضح دلیل ہے کہ طریقت کی تاریخ میں چودہ سو برس میں صرف چند نام ایسے ہیں جو اس شان سے مخصوص ہوئے اور سب پر فوقیت اور سبقت لے گئے جس کا ذکر قرآن پاک میں السابقون والسابقون (جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے) کہہ کر گیا ہے۔ وہ محبت اور عشق جو اعلیٰ حضرت اور سیّد صاحب قبلہ کے مابین تھا اس کی ایک جھلک حضرت سیّد محمد مختار اشرف اشرفی الجیلانیؒ (سابق سجادہ نشین کچھوچھہ شریف) کے اس بیان میں نظر آئی جنہوں نے فرمایا کہ بوقت وصال اعلیٰ حضرت کی زبان مبارک پر سیّد صاحب ہی کا نام تھا۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین اشرفی مرادآبادیؒ:

مولانا نعیم الدین صاحب جو استاد العلماء کہلاتے ہیں نہ صرف ایک جید عالم دین اور متقی انسان تھے بلکہ اعلیٰ حضرت کے کبار خلفاء میں سے تھے۔ جن کا دربار عالیہ میں خاص احترام کیا جاتا تھا اور جن کی خاطر خود اعلیٰ حضرت بھی ملحوظ رکھتے تھے۔ وہ بھی اپنے پیر و مرشد سے خاص محبت رکھتے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں چوتھی اور آخری بار جب اعلیٰ حضرت حج پر گئے تو علاوہ دیگر کئی علماء حضرات کے مولانا نعیم الدین صاحب بھی ہمراہ تھے۔ حج سے واپسی پر ماہ محرم میں مخدوم پاک کے عرس پر سب لوگ کچھوچھہ شریف میں اکٹھے ہوئے اور بعد عرس جب واپسی شروع ہوئی تو مولانا صاحب نے سیّد صاحب قبلہ کو اصرار کے ساتھ کہا کہ وہ ہاپوڑ واپسی پر راستے میں کچھ وقت کے لیے مرادآباد اُتر جائیں کیونکہ انہیں کوئی خاص بات کرنی ہے۔ سیّد صاحب قبلہ مولانا صاحب کا بہت احترام کرتے تھے۔ لہٰذا ان کے ساتھ مرادآباد اُتر گئے۔ مولانا انہیں اپنے خاص کمرہ میں لے گئے اور مدرسے کے اساتذہ اور طلباء سے یہ کہا کہ اگر نماز کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھ لی جائے اور انہیں ڈسٹرب نہ کیا جائے، کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ مدرسے میں تمام لوگ حیران تھے کہ یہ خلاف معمول کیا ہو رہا ہے اور یہ کون صاحب ہیں جن کی خاطر مولانا یہ سب کچھ کر رہے ہیں کہ اپنی وضع کے اعتبار سے سیّد صاحب قبلہ نہ تو کوئی عالم دین لگتے تھے نہ پیر بلکہ نفیس لباس ہونے اور کلین شیو ہونے کی وجہ سے ان پر کسی رئیس یا بڑے آدمی کا گمان ہوتا تھا۔

سیّد صاحب قبلہ کو بٹھانے اور خاطر مدارات کے بعد مولانا صاحب نے پوچھا کہ سیّد صاحب آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کو کیسے راضی کیا۔ سیّد صاحب نے جواباً کہا

Marfat.com

کہ مولانا پہلے تو آپ یہ بتائیں کہ یہ آپ نے کس طرح سمجھا کہ ہم نے اعلیٰ حضرت قبلہ کو راضی کر لیا۔ جس پر مولانا صاحب نے بیان کیا کہ میں سفرِ حج میں اعلیٰ حضرت کے ہر وقت قریب تر رہا ہوں۔ خانہ کعبہ میں بعد طواف دعائیں اور بوقت حاضری مدینہ شریف روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر میں نے اعلیٰ حضرت کی زبان پر بہ آواز آپ ہی کا نام سنا کہ آپ کے لیے دُعا گو تھے۔ اس بات سے میں نے یہ جانا کہ ایسی خاص سعادت تو کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک اسے راضی ہی نہ کر لے۔ یہ سن کر سیّد صاحب قبلہ آبدیدہ ہوئے اور کمال عجز سے کہا کہ مولانا میں دراصل اعلیٰ حضرت کے مریدوں میں سب سے برا تھا۔ اس لیے اعلیٰ حضرت نے مجھ پر یہ مہربانی اور عنایت فرمائی۔ یہ خالصتاً ان کا کرم اور ذرہ نوازی ہے۔ یہ سن کر مولانا بھی آبدیدہ ہوئے اور سیّد صاحب قبلہ سے عرض کی کہ آج نماز ہم یہیں کمرے میں پڑھیں گے اور امامت آپ فرمائیں گے۔ میں آپ کی امامت میں نماز ادا کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت قبلہ نے ان کے اصرار پر نماز پڑھائی۔

دہلی میں قیام:

بیعت کے بعد سیّد صاحب قبلہ اعلیٰ حضرت کے فرمان کے بموجب ہاپوڑ سے دہلی آ گئے اور فتح پوری مسجد کے ساتھ کمرہ لے کر رہنے لگے۔ کناٹ پیلس سجان سنگھ بلاک میں بعد ازاں ایک دکان لے کر اس میں درآمدی اشیاء کا جنرل اسٹور کھول لیا جس سے آمدنی اور فائدہ تو خیر کبھی ہوا نہیں تھا کیونکہ دھیان تو اپنے مشرب اور مسلک کی طرف تھا۔ بس ایک واجبی سا تعلق کاروبار سے رکھا ہوا تھا۔ چنانچہ جب اس میں رقم کم ہو جاتی تو ہاپوڑ گھر سے لا کر ڈال دیتے۔ تحمل، برداشت اور بے نیازی عادت میں داخل تھی۔ ان کے منہ سے کبھی کسی نے نہیں سنا کہ مجھے بھوک لگی ہے یا نیند آ رہی ہے جو ملتا کھا لیتے۔ روپے یا نوٹ کبھی نہ گنتے جیسے کوئی جتنے کہہ کر دے دیتا رکھ لیتے۔ اعلیٰ حضرت جب دہلی میں ہوتے تو حضرت قبلہ کا دستور تھا کہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد حاضر ہوتے اور جب اجازت ملتی واپس آتے۔ خلافت ملنے سے پہلے تک سیّد صاحب قبلہ کلین شیو تو تھے مگر مونچھیں تھیں اور وہ بھی بڑی رعب دار قسم کی جیسی کہ عام طور پر جاگیرداروں کی ہوتی ہیں۔ خلافت ملنے کے بعد آپ نے وہ بھی صاف کرا دیں۔ اس بات کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت کے اردگرد جو مولوی حضرات ہوتے تھے انہیں بہت ناگوار گزرا چنانچہ انہوں نے شکایتاً اعلیٰ حضرت سے عرض کیا کہ حضور تو ہر شخص سے فرماتے ہیں کہ اس بوڑھے فقیر کی کوئی نشانی (یعنی داڑھی) رکھ لو لیکن سیّد

Marfat.com

صاحب جو کہ پہلے ہی ڈاڑھی نہیں رکھتے تھے اب تو انہوں نے مونچھیں بھی صاف کرادی ہیں۔اس پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ اچھا آج جب وہ آئیں تو بتلانا ان سے پوچھیں گے۔ یہ بات کچھ اس انداز میں کہی کہ وہ لوگ یہ سمجھے کہ آج تو سیّد صاحب سے باز پرس ہوگی کہ اصل میں تو دل میں ان کی اس قدر و منزلت کی وجہ سے جو اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں انہیں حاصل تھی وہ لوگ جلتے تھے۔ تاہم کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ تاہم گویا موقع کی تلاش میں رہتے جو انہیں اپنی دانست میں مل گیا۔ چنانچہ اپنے مقررہ وقت پر جب سیّد صاحب قبلہ آئے تو انہوں نے اعلیٰ حضرت کو یاد دلایا جس پر اعلیٰ حضرت نے سیّد صاحب کو بلایا کہ فرزند ذرا ادھر ہمارے نزدیک آ ؤ وہ آئے فرمایا اور نزدیک ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ حضرت قبلہ فرماتے تھے میرے گھٹنے ان کے گھٹنے سے لگ گئے تب بڑے غور سے جھک کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ۔ یہ ماجرا دیکھ کر حاسدوں کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ یعنی بسا اے آرزو کہ خاک شدہ اور بقول غالب:

تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے بآوازِ بلند سب کو خطاب کیا کہ سنو جی! ہم نے اپنے اس فرزند کو اس راستے پر ڈالا ہے جس کے تصور سے ہی فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ لہٰذا آئندہ ان کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کرے۔

حکیم اشفاق صاحب کے خاندان سے ایک صاحب اعلیٰ حضرت سے مخالفت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ جب اعلیٰ حضرت دہلی میں قیام پذیر تھے انہوں نے مخالفانہ مضمون کے اشتہار چھپوا کر شہر میں جگہ جگہ لگوا دیے۔ سیّد صاحب جب اپنے روزمرہ دستور کے مطابق حاضر ہوئے تو وہاں اس بات کا پتہ چلا۔ چنانچہ آپ بغیر کچھ کہے اعلیٰ حضرت سے اجازت لے کر واپس چلے آئے۔ کمرے پر آ کر اپنے خادم خاص بھائی نصیر سے کہا کہ ایک لکڑی کی سیڑھی لاؤ اور جب وہ لے آئے تو خود ان کے ساتھ مل کر جہاں جہاں اشتہار لگائے گئے تھے رات بھر میں سب اُتار کر صاف کر دیے۔ اگلے دن جب اعلیٰ حضرت کی مجلس میں پہنچے تو یہی خبر گرم تھی اور سب تعجب کر رہے تھے کہ سارے اشتہار کس نے اور کیسے صاف کر دیے۔ جب یہ خبر اعلیٰ حضرت کو پہنچائی گئی تو وہ مسکرائے اور فرمایا میاں جانتے ہیں یہ کس کا کام ہے۔

Marfat.com

تحریک پاکستان اور سیّد صاحب:

سیّد صاحب کا شمار چونکہ مسلمانوں کے زعماء اور روسا میں خاندانی طور پر ہوتا تھا۔ اس لیے آپ نے بھی دیگر مسلمان لیڈروں کے ساتھ مل کر جن میں نوابزادہ لیاقت علی خان صاحب نواب اسماعیل خان صاحب اور نواب بہادر یار جنگ صاحب جیسے لوگ شامل تھے۔ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان میں اپنا کردار ادا کیا آپ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور یو پی مسلم لیگ کونسل کے ممبر تھے اور ہاپوڑ مسلم لیگ کے صدر رہے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں جب تاریخی قرارداد پاکستان منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک لاہور) میں قائداعظم کی سربراہی میں منظور ہوئی تو آپ اس میں دو بسوں میں اپنے ساتھیوں کو لے کر ہاپوڑ سے آ کر شریک ہوئے تھے۔ آپ اپنے ساتھ بینڈ بھی لائے تھے جو بینڈ مقابلوں میں دوسرے نمبر پر آیا جبکہ پہلے نمبر پر جناب عبداللہ ہارون صاحب کا بینڈ آیا تھا۔ ان معاملات سے آپ کے اس احساس ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے جو قوم اور ملک کے سلسلے میں آپ رکھتے تھے۔ تاہم جب پاکستان بننے کے بعد آپ ہجرت کر کے کراچی آ گئے تو بدلتے زمانے اور وقت کے ساتھ اپنی تمام تر توانائیاں اور زندگی اپنے مشن اور اللہ کے راستے پر لگا دی اور دنیاوی معاملات سے یکسر قطع تعلق کر لیا۔ کراچی میں ایک مرتبہ نوابزادہ لیاقت علی خان نے جب وہ وزیراعظم تھے، ملاقات کرنے کے لیے پیغام بھجوایا کہ وہ آپ کو کوئی اہم ملکی منصب اور ذمہ داری سونپنا چاہتے تھے۔ تاہم آپ نے اپنے چھوٹے بھائی سیّد حامد حسن صاحب کو کہا کہ آپ ان سے مل آئیں اور ہماری طرف سے معذرت کر لیں کہ اب ہمارا مقصدِ زندگی بدل چکا ہے اور ہمیں دنیاوی اعزازات سے کوئی سروکار نہیں رہا۔

۱۹۳۹ء میں قائداعظم ڈان اخبار کے لیے چندہ کی مہم پر کاٹھیاواڑ تشریف لائے۔ جلسہ کے منتظمین میں سیّد صاحب قبلہ بھی پیش پیش تھے۔ عین وقت پر حاجی ولی محمد صاحب نے بتلایا کہ سپاسنامہ تو لکھا ہی نہیں گیا جبکہ قائداعظم کے آنے کا وقت ہونے والا تھا۔ چنانچہ حاجی صاحب کی درخواست پر سیّد صاحب قبلہ نے دس منٹ کے اندر انگریزی میں سپاسنامہ خود ہی ٹائپ کر کے ان کے سامنے رکھ دیا۔ جب قائداعظم آئے اور انہیں وہ پیش کیا گیا تو وہ اسے سن کر بہت خوش ہوئے اور بہت تعریف کی کہ ایسا سپاسنامہ مجھے ابھی تک کسی نے پیش نہیں کیا۔ میں اس کو اپنے ریکارڈ میں رکھوں گا۔

Marfat.com

قائداعظم اور فاطمہ جناح سے ملاقات:

۱۹۴۵ء میں قائداعظم بسلسلہ شملہ کانفرنس دہلی میں تھے۔ سیّد صاحب نے سنایا کہ وہ ایک دن کناٹ پیلس میں (جہاں ان کی اپنی دکان بھی تھی) حجام کی دکان پر بال کٹوانے گئے تو وہاں قائداعظم بھی بال کٹوانے آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ساتھ یوپی کونسل کا ممبر اور ہاپوڑ مسلم لیگ کا صدر ہوں اور یہاں سجان سنگھ بلاک میں امپیریل سٹور کے نام سے میری دکان ہے۔ جس پر قائداعظم حیران بھی اور بہت خوش بھی ہوئے کہ کناٹ پیلس دہلی میں بھی کسی مسلمان کی دکان ہے۔ چنانچہ فرمایا میں پرسوں آپ کی دکان پر آؤں گا اور دکان دیکھوں گا۔ سیّد صاحب قبلہ سناتے ہیں کہ اسی روز شام کے وقت جب ہم اپنی دکان پر ہی تھے تو چند لوگوں نے آ کر بتایا کہ قائداعظم کے ساتھ والے بلاک میں آپ کی دکان کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ ہم فوراً وہاں پہنچے تو قائداعظم اور فاطمہ جناح صاحبہ ہماری طرف ہی آ رہے تھے۔ ہم ان سے مل کر انہیں اپنے ساتھ لے آئے۔ قائداعظم دکان دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور پوچھا کہ ۵۵۵ سگریٹ کے ٹن ہیں؟ ہم نے بتلایا کہ وہ ہم نہیں رکھتے تاہم اسی وقت نصیر بھائی کو بھیج کر دوسری دکان سے تین ٹن منگوا دیے۔ فاطمہ جناح صاحبہ نے کٹی کیورا صابن اور چند دوسری چیزیں لیں۔ ہم نے اپنی طرف سے تحفے کے طور پر انہیں ایک امپورٹڈ طیارہ نما نہایت خوبصورت سگریٹ کیس پیش کیا جس پر انہوں نے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ تب ہم نے کہا کہ سر! ہمارا خاندانی دستور ہے کہ جب کوئی مذہبی یا قومی پیشوا ہمارے پاس آتا ہے تو ہم اسے جاتے وقت تحفہ ضرور دیتے ہیں جس پر قائداعظم نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا اور کہا کہ آپ حیران ہوئے ہوں گے کہ میں نے پرسوں آنے کا کہا تھا لیکن میں آج ہی آ گیا، تو بات یوں ہوئی کہ جب میں نے اپنے سیکرٹری کو جا کر بتایا کہ مجھے پرسوں دوبارہ کناٹ پیلس جانا ہے تو اس نے کہا کہ جناب آپ پرسوں بھی اور کل بھی وائسرائے صاحب کے ساتھ مصروف ہیں اور کوئی وقت خالی نہیں ہے۔ البتہ آج شام کو آپ فارغ ہیں۔ چونکہ مجھے اپنا وعدہ یاد تھا اس لیے میں آج ہی چلا آیا۔ قائداعظم کو دیکھ کر سب لوگ وہاں جمع ہو گئے اور ان کے حق میں نعرے لگاتے رہے۔ یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ یہ بات قائداعظم کی عظمت اور اصول پرستی کی بہت بڑی دلیل ہے۔

سیّد صاحب قبلہ بھی وعدے (Committment) کے معاملے میں نہایت مضبوط اور پکے

Marfat.com

تھے۔ ایک مرتبہ ایک انگریز نے آپ کی دکان سے کرکٹ کی مکمل کٹ خریدی اور قیمت ادا کر کے اپنا پتہ دے کر چلا گیا کہ سامان وہاں پہنچا دیا جائے۔ سیّد صاحب قبلہ نے بھائی نصیر کو تاکید کی کہ سارا سامان پیک کر کے شام کو تانگے میں رکھ کر گاہک کے گھر پر پہنچا دینا۔ یہ کہہ کر خود کمرے پر واپس آ گئے۔ دوسرے دن جب دکان پر پہنچے تو دیکھا سامان جوں کا توں وہیں رکھا تھا اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور بھائی نصیر کی بہت سرزنش کی۔ چنانچہ اسی وقت تانگہ منگوایا اور بذات خود وہ سارا سامان اس کے گھر پر معذرت کے ساتھ دے کر آئے۔

ہجرت ۱۹۴۷ء:

اوائل ستمبر ۱۹۴۷ء میں ایک روز جمعہ کی نماز کے دوران مسجد فتح پوری میں بم پھینکا گیا۔ جس سے کئی مسلمان شہید اور زخمی ہو گئے۔ اس سے دہلی میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ سیّد صاحب قبلہ اس وقت محلہ فراش خانہ میں رہتے تھے اور اتفاق سے سجادہ نشین صاحب کچھوچھہ شریف بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ چند روز خانہ بند رہنے کے بعد آپ اپنے احباب کے ہمراہ دہلی کے پرانے قلعہ میں منتقل ہو گئے جہاں سے ۲۰ ستمبر کو بذریعہ اسپیشل ٹرین پر لاہور پہنچ گئے۔ حضرت سجادہ صاحب بھی ساتھ تھے کیونکہ دہلی میں فسادات اس قدر شدید ہو گئے تھے کہ وہ کچھوچھہ تک واپس نہیں جا سکتے تھے۔ چنانچہ بعد میں لاہور میں چند روز رہ کر واپس چلے گئے۔ سیّد صاحب قبلہ جس ٹرین سے دہلی سے لاہور آئے اسے بلوائیوں نے دریائے بیاس پر روک کر بے دریغ قتل عام کیا تمام گاڑی لاشوں سے بھری لاہور پہنچی صرف دو بوگیاں جن میں حضرت قبلہ اور ان کے عزیز واقارب تھے۔ اللہ کے فضل سے محفوظ رہیں۔ لاہور میں مختصر قیام کے بعد دسمبر ۴۷ء میں سیّد صاحب قبلہ اپنے خادم بھائی صغیر احمد (جو بھائی نصیر احمد کے چھوٹے بھائی تھے) کے ساتھ کراچی منتقل ہو گئے۔ کراچی میں حضرت قبلہ کے ایک مرید مختار احمد اشرفی نے ایک (U) ٹائپ فلیٹ نمبر ۹ جس میں ایک ہی کمرہ تھا۔ دھرم داس بلڈنگ کچہری روڈ بالمقابل گلزار مسجد کا انتظام کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ وہاں قیام پذیر ہوئے اور پھر وصال تک وہیں رہے۔

سیّد صاحب نے بیعت ہونے کے فوراً بعد جاگیردارانہ اور حویلی کی زندگی ترک کر دی تھی اور حسب الحکم اعلیٰ حضرت قبلہ دہلی میں آ کر رہنے لگے۔ دہلی میں فراش خانے میں جو آپ کا گھر تھا اس کے بارے میں صاحبزادہ اشرف میاں صاحب (جنہیں محبت پدری کی وجہ سے حضرت

Marfat.com

قبلہ نے ۱۹۴۴ء سے اپنے ساتھ دہلی میں رکھا ہوا تھا اور جو بعد میں کراچی میں بھی ساتھ رہے) بیان کرتے ہیں کہ اس گھر کی چند مخصوصیات قابل ذکر ہیں۔ یعنی:

☆ نچلی منزل میں بیکری کی دکان تھی۔ جس کا دھواں اور گرمی سب اوپر آتی تھی۔

☆ پتھر کا بنا ہوا تھا جو دھوپ میں گرمیوں میں سخت تپ جاتا تھا۔

☆ بجلی بھی نہیں تھی اس لیے پنکھا بھی نہ لگا سکتے تھے۔

☆ گھر میں سب سے چھوٹا کمرہ سیّد صاحب نے اپنے لیے رکھا ہوا تھا اور باقی حصے میں علامہ یوسف صاحب، صوفی غلام محمد صاحب امرتسری ہیں اور دیگر لوگ رہتے تھے۔

یہ بات نہایت توجہ طلب ہے کہ ایک ایسا شخص جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوا اور لڑکپن اور جوانی، محل نما حویلی اور جاہ وحشت کے ساتھ گزاری اور جس کا نام ہاپوڑ تحصیل کے دروازے پر اور ۱۹۵۰ء میں بننے والے ہاپوڑ کے کلاک ٹاور پر اب بھی لکھا ہوا ہے جب اللہ کے راستے پر آئے تو سب کچھ ترک کر دیا اور فقر و فاقہ اور درویشانہ طرزِ زندگی اختیار کر لیا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے سوال کیا کہ آپ اس قدر رئیسانہ زندگی چھوڑ کر ادھر آ گئے تو آپ نے اس راستے میں کیا پایا؟ فرمایا کہ اللہ کے جس راستے پر ہم ہیں (یعنی محبت کا راستہ جس کے بارے مین اعلیٰ حضرت نے فرمایا تھا کہ اس راستے کے تصور سے فرشتوں کے پر جلتے ہیں) اس میں یہ نہیں پوچھا جاتا کہ کیا پایا بلکہ یہ پوچھا جاتا ہے کہ کیا کھویا کیا لٹایا۔ فیض صاحب نے کیا خوب کہا ہے:

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

Every body does something to be something but I do every thing to be nothing.

سیّد صاحب قبلہ کی اولاد:

حضرت قبلہ کی پانچ صاحبزادیاں اور اکلوتے صاحبزادے سیّد محمود حسن اشرفی الجیلانی المعروف بہ اشرف میاں صاحب تھے جو خواہرزادے سیّد اقبال خورشید اشرفی صاحب تھے جوان کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ اشرف میاں صاحب حضرت قبلہ کے وصال کے بعد سے ان کے سجادہ نشین ہیں اور انہیں حضرت سیّد مختار اشرف صاحب سابقہ سجادہ نشین ہیں اور انہیں حضرت سیّد

Marfat.com

مختار اشرف صاحب سابق سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ شریف سے خلافت بھی عطا ہوئی تھی۔ اشرف میاں صاحب گریجوایٹ ہونے کے ساتھ ساتھ علم دین سے بھی آراستہ تھے۔ حضرت قبلہ کے سالانہ عرس شریف کے تمام انتظامات وغیرہ احسن طریقے سے کرتے رہے تھے اور خود کو سلسلہ کی تبلیغ واشاعت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

سیّد صاحب قبلہ کے ہم عصر مشائخ اور احباب:

حضرت قبلہ ابتدا ہی سے فارسی کلام (جس میں خاص طور پر حافظ شیرازیؒ اور امیر خسرو شامل ہیں) اور مشائخ کرام اور صاحبان علم و ذوق سے خاص شغف رکھتے تھے۔ ان کے حلقہ احباب میں جید علماء اور مشائخ کے ساتھ صاحب ذوق اور اہل دل بھی تھے جن کے ساتھ مجلس آرائیاں ہوتی تھیں۔ نمایاں حضرات یہ ہیں:

مولانا عبدالسلام صاحب نیازی دہلویؒ:

آپ کے ساتھ دہلی کے زمانے میں بہت صحبت رہی اور مولانا حضرت قبلہ سے بہت محبت رکھتے تھے اور سیّد پیارے کہہ کر بلاتے تھے۔ مولانا قلندر صفت اور ملامتی مشرب کے کبار اولیاء میں سے تھے۔ زبردست عالم دین اور کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے جن میں وہ زبانیں بھی تھیں جیسے سریانی، عبرانی، سنسکرت وغیرہ۔ جلالی طبیعت رکھتے تھے اور جرأت و بے باکی میں بے مثل تھے۔ اخلاق احمد دہلوی نے ان کی ایک صفت کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا حافظہ نہایت غیر معمولی اور ناقابل یقین حد تک تھا۔ تاہم دیکھنے کے بعد صرف حیران ہی ہوا جا سکتا تھا۔ لکھتے ہیں کہ مولانا صاحب کو شاہ نامہ فردوسی پہلے سے آخری شعر تک سارا ازبر تھا۔ جبکہ اس میں چھ لاکھ سے زیادہ شعر ہیں۔ سیّد صاحب قبلہ بھی بتاتے تھے کہ جب مولانا صاحب کے کمرے پر کوئی علمی بحث چل رہی ہوتی تو اکثر مولانا کسی خادم وغیرہ کو کہتے کہ فلاں الماری کے فلاں خانے سے دائیں یا بائیں سے مثلاً پانچویں یا ساتویں نمبر پر جو کتاب رکھی ہے وہ لاؤ۔ کتاب آنے پر کہتے کہ اس کا صفحہ نمبر فلاں نکالو تو وہاں پر اس مسئلہ زیر بحث کے بارے میں کچھ بیان ملتا تھا۔ مولانا صاحب سوائے حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے آستانے کے کہیں اور نہیں جاتے تھے۔ بس اپنے کمرے میں رہا کرتے تاہم سیّد صاحب قبلہ سے ایسی محبت رکھتے تھے کہ کبھی کبھی ملنے کے لیے فراش خانے کمرے

Marfat.com

پر بھی آ جاتے۔ راقم نے حافظے کے معاملے میں مشہور قوال عزیز میاں صاحب سے پوچھا کہ آپ کا جو حافظہ اس قدر تیز ہے کہ آپ ساری ساری رات بغیر کسی بیاض کو دیکھے قوالی میں غزلیات پڑھتے رہے ہیں۔ تو کیا یہ مولانا عبدالسلام نیازی صاحب کا فیضان نہیں ہے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اوائل عمری میں ان کے زیرِ تربیت رہے ہیں۔ عزیز میاں نے آمنا وصدقنا کہہ کر تصدیق کی اور میرے مزید پوچھنے پر بتایا کہ میاں کم از کم دو لاکھ شعر تو مجھے بھی زبانی یاد ہیں۔

۱۹۶۲ء میں مجھ ناچیز کو بھی مولانا عبدالسلام صاحب کی زیارت نصیب ہوئی جب دہلی حضور محبوب پاک کے آستانہ پر حاضری کے لیے انڈیا کا دورہ کیا۔ جب میں کمرے پر حاضر ہوا تو مولانا صاحب حالتِ خاص میں تھے۔ اس لیے گفتگو کا باقاعدہ موقع نہ مل سکا تاہم اپنی گرجدار آواز میں دو بار یہی دعا دی کہ "جاؤ اللہ تم پر بہت بڑا فضل کرے گا۔"

صوفی عبدالکریم شاہ تاجی المعروف بہ یوسف شاہ تاجیؒ

تاجیہ سلسلہ کے کبار مشائخ میں سے گزرے ہیں۔ دہلی میں ان سے سیّد صاحب قبلہ کی محافل سماع میں خاص طور پر بہت مجالست رہی۔

بابا ذہین شاہ تاجی اور کنور اصغر علی تاجی صاحبانؒ

آپ کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ کراچی کے بڑے مشائخ میں سے تھے اور بابا یوسف شاہ تاجی کے کبار خلفاء میں تھے۔ جن سے سلسلہ تاجیہ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ سیّد صاحب قبلہ سے خاص تعلق اور محبت رکھتے تھے۔ صاحبزادہ اشرف میاں صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب سیّد صاحب قبلہ وصال سے قبل ہسپتال میں تھے تو ایک بار ذہین شاہ صاحب عیادت کے لیے آئے۔ کمرے میں آئے تو سیّد صاحب حالت سکر میں تھے۔ آپ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ایک جانب آنکھیں بند کر کے کچھ دیر کھڑے رہے اور پھر واپس چلے گئے لیکن وصال کے بعد جب بھی مجھ سے ملے یہی فرمایا کہ ہسپتال میں سیّد صاحب سے بڑی باتیں ہوئیں حالانکہ بظاہر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا کہ میرے سامنے کی بات تھی۔ تاہم ان کا بیان ان کے باہمی قلبی تعلق کی دلیل ہے۔

سیّد معین الدین کاظمی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیّد صاحب قبلہ اہلِ محبت کا

Marfat.com

تذکرہ کر رہے تھے۔ آخر میں پوچھا کہ کیا تم کنور اصغر علی تاجی صاحب کو جانتے ہو جو ہمارے ہاں بھی آتے ہیں۔ عرض کیا جی ہاں فرمایا وہ بھی اہل محبت میں سے ہیں۔ راقم کی بھی ان سے ملاقات ان کے آخری زمانے میں ہوئی ہے کہ ان کا وصال قریباً دو سال قبل ہوا ہے۔ واقعی فارسی اور دیگر عاشقانہ کلام سے ان کا ذوق نہایت اعلیٰ درجے کا تھا اور ان کے سوز و گداز اور کیف کا اثر پوری محفل پر پڑتا تھا۔ ان کے نعرہ جگر سوز کو بھلایا نہیں جاسکتا۔ بے شک ان سے محبت کی خوشبو آتی تھی۔

دیگر حضرات میں حیرت شاہ وارثی صاحب، عنبر شاہ وارثی صاحب، قاضی محبوب شاہ صاحب، صوفی اعجاز میاں چشتی صاحب، مولوی عبدالقادر نیازی صاحب، سائیں ولایت شاہ صاحب (ملیر کراچی) آغا شریف حسین صاحب سجادہ نشین حضرت شاہ محمد غوثؒ لاہور (جو سردار عبدالرب نشتر صاحب کے پیرو مرشد تھے) اور ان کے خاص مرید جسٹس عبدالحمید صاحب (جنہوں نے پاکستان کا ۱۹۵۶ء دستور مرتب کیا تھا) یہ تمام حضرات سیّد صاحب قبلہ سے خاص محبت رکھتے تھے اور ملنے کے لیے کمرہ پر آتے رہتے تھے۔ ان میں سے اکثر محافلِ سماع میں بھی شرکت کرتے اور کبھی کبھی سفر میں لاہور بھی ہمراہ ہوتے تھے۔

آخری دور میں ایک مرتبہ سیّد صاحب قبلہ مع لاہور کے مریدین کے اور قوالوں کی اپنی چوکی سمیت لاہور سے پنڈی تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر دوران گفتگو فرمایا کہ ہمیں ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرمایا تھا کہ فرزند جب کبھی پنجاب جانا ہو تو پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف (جو اس وقت حیات تھے) سے ضرور ملنا۔ مزید کہا کہ اگرچہ اب جب ہمارا آنا ہوا ہے تو ان کا وصال ہو چکا ہے۔ تاہم اعلیٰ حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں ہم ان کے ہاں گولڑہ شریف میں حاضری دیں گے۔ چنانچہ آپ جملہ مریدین اور اقوال حضرات کے ہمراہ گولڑہ پہنچے اور وہاں زائرین کے لیے ٹھہرنے کے جو کمرے ہیں حاضری دے کر ان میں ٹھہر گئے۔ اگلے دن ناشتے سے صبح فارغ ہوئے ہی تھے کہ شور ہوا کہ پیر صاحب آتے ہیں۔ اتنے میں پیر سیّد غلام محی الدین شاہ المعروف بابو جی جو وہاں کے سجادہ نشین اور پیر مہر علی شاہ صاحب کے فرزند تھے، کمرے میں آ گئے۔ سیّد صاحب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا جس پر بابو جی صاحب نے بتلایا کہ ہمیں تو آپ کی آمد کی کوئی اطلاع نہیں تھی لیکن رات کو والد صاحب قبلہ نے خواب میں فرمایا کہ ہمارے ایک فرزند اور خاص مہمان تمہارے ہاں آئے ہیں اور تم نے ان کی کوئی مدارات نہیں کی۔ صبح ہوتے ہی آپ کے بارے میں

Marfat.com

پتہ چل گیا اس لیے میں خود آیا ہوں۔ اب آپ ہمارے مہمان ہیں ہمارے گھر میں چلیے کہ یہ جگہ تو عام زائرین کے ٹھہرنے کی ہے۔ سیّد صاحب قبلہ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ ہیں اور یہاں ہمیں کوئی تکلیف نہیں۔ تاہم اس کے بعد کھانا ان کے ہاں سے آتا رہا اور انہوں نے ایک محفل سماع بھی کروائی جس میں سیّد صاحب قبلہ کی چوکی نے گایا جبکہ وہاں کے دستور کے مطابق درگاہ مخصوص قوال کے علاوہ وہاں کسی کو گانے کی اجازت نہیں تھی۔

اوّل:

محمد یوسف راٹھور اشرفی المخاطب بہ خطاب مطلوب اللہ شاہؒ

آپ سیّد صاحب قبلہ کے خلیفہ اکبر ہیں جن کی خلافت کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ ان کو میں نے خلافت محض اپنی مرضی سے نہیں بلکہ حکمِ خداوندی سے دی ہے۔ حضرت قبلہ اپنے زمانے میں انہیں چھوٹے یوسف کہہ کر بلاتے تھے اور ان پر ایسی شفقت اور عنایت رکھتے تھے جو کسی اور پر نہ تھی۔ کبھی نہ کبھی ہر مرید کو حضرت قبلہ کے جلال کا سامنا کرنا پڑا لیکن چھوٹے یوسف صاحب اس سے مستثنیٰ رہے بلکہ حضرت قبلہ اگر کبھی جلال میں ہوتے اور یہ آ جاتے تو جلال جمال میں بدل جاتا۔ یوسف راٹھور صاحب جنہیں ان کے پیارے اپنائیت سے حضرت جی بھی کہتے ہیں۔ جیسے قد کاٹھ میں مضبوط اور ماشاء اللہ لمبے تڑنگے تھے۔ اس سے بھی زیادہ اپنے حسنِ اخلاق، سچائی، اصول پرستی اور حضرت قبلہ کی خدمت اور محبت میں ثابت قدم تھے اور ہیں۔ بہت کم گو اور معاملات میں رازداری ان کی خاص عادت ہے۔ ظاہرداری، لفاظی اور نمائش سے ایسے گریز کرتے ہیں جیسے گناہ سے واجب ہے۔ ۴۵-۱۹۴۴ء میں حضرت قبلہ کے دہلی قیام کے زمانے میں بیعت ہوئے۔ روزِ اوّل سے آج تک محبت اور صرف محبت کے راستے پر ایمان رکھتے ہیں اور دگر نمی دانم والا معاملہ ہے۔ اسی لیے غالباً سیّد صاحب قبلہ نے ایک بار ان کے بارے میں فرمایا تھا:

"کہ یہ تو بنیا ہے جو پورا تول مانگتا ہے"

راٹھور صاحب لاہور کے رہنے والے ہیں اور ریلوے میں ٹکٹ چیکر تھے (بطور گروپ انسپکٹر ریٹائر ہو چکے ہیں) ابتدا میں ریلوے ہیڈکوارٹرز میں ایک دفتر میں کام کرتے تھے۔ بیعت کے کچھ

Marfat.com

عرصہ بعد ایک مرتبہ کسی دوست نے کہا کہ مجھے دہلی میں ایک دن کا کام ہے۔ آپ بھی چلیں تو ذرا ساتھ ہو جائے گا اور گپ شپ رہے گی۔ یہ سوچ کر وہاں حضرت قبلہ کے نیاز حاصل ہو جائیں گے یہ بھی ساتھ ہو لیے۔ فراش خانے حضرت قبلہ سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے دن عرض کیا کہ آج مجھے واپس جانا ہے۔ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ''ابھی سے؟'' یہ سن کر خاموش ہو گئے اور دوست کو کہہ دیا جو واپس آ گئے اور آپ وہیں رہ گئے۔ ایک دن حضرت قبلہ نے مجلس میں دوران گفتگو یہ فقرہ فرمایا کہ آمدن بہ ارادت و رفتن بہ اجازت (مشائخ کا قول ہے کہ آنا اپنے ارادے سے ہوتا ہے اور واپسی اجازت سے) اگرچہ یہ بات تذکرۃً آئی اور یوسف صاحب سے نہیں کہی گئی۔ تاہم انہوں نے اسے اپنے لیے سمجھ کر پلے باندھ لیا اور خاموش بیٹھ گئے۔ وقت گزرتا گیا نہ حضرت قبلہ نے کچھ فرمایا نہ ہی انہوں نے کچھ عرض کیا اسی طرح چار پانچ ماہ سے زائد عرصہ بیت گیا۔ یوسف صاحب سناتے ہیں کہ میرے پاس کپڑوں کا ایک ہی جوڑا تھا جو میں پہنے ہوئے لاہور سے گویا ایک دن کے لیے گیا تھا۔ جب قیام طویل ہو گیا تو دن میں ناشتے کے بعد سیّد صاحب قبلہ اور دوسرے ساتھی جب اپنے اپنے کام سے چلے جاتے تو میں اپنے میلے کپڑے اس طرح دھوتا کہ پہلے کرتا اُتار کر دھو کر اور خشک کر کے پہن لیتا۔ پھر شلوار دھو کر اور خشک کر کے پہن لیتا۔ پیسے وغیرہ بھی نہیں تھے کہ ایک جوڑا اور لے آتے۔ یوسف صاحب اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے۔ والد صاحب اور والدہ ماجدہ دونوں انتہائی نیک، پاکباز، متقی اور صوم و صلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے۔ ان کے ہاں پہلے چھ بچے پیدا ہو کر فوت ہو چکے تھے۔ صرف آپ ہی بچے اور جوان ہوئے۔ لہٰذا ان کی بے چینی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جوان کے اس طرح اچانک غائب ہو جانے سے ہوئی ہو گی پہلے تو انہیں پتہ ہی نہیں ملتا تھا کہ وہ کہاں گئے۔ کچھ عرصہ بعد ملک اشرف صاحب کی وساطت سے شیخ نیر اقبال صاحب نے سراغ لگا کر انہیں بتایا کہ وہ دہلی میں اپنے پیر صاحب کے پاس ہیں تو کچھ تسلی ہوئی لیکن زیادہ دیر ہو جانے کی وجہ سے آپ کی والدہ صاحبہ سخت بیمار ہو گئیں۔ جس پر ان کو ٹیلیگرام دی گئی جو بھائی صغیر صاحب نے سیّد صاحب قبلہ کو دکھائی ورنہ یہ خود تو کوئی خط وغیرہ جو انہیں لاہور سے جاتا اپنے پاس ہی رکھ لیتے تھے اور حضرت قبلہ کو بھی نہیں بتاتے تھے۔ تار کو دیکھ کر حضرت قبلہ نے فوراً واپسی کی اجازت دی۔ لاہور آئے تو پتہ چلا کہ لمبی غیر حاضری کی بنا پر نوکری سے برخاستگی ہو چکی ہے لیکن سب دوستوں نے مل کر دفتر کے ہیڈ کلرک کی منت سماجت کر کے راستہ نکالا اور ان

Marfat.com

سے اپیل لے کر دوبارہ نوکری پر بحال کروادیا۔

یوسف صاحب نے کبھی حضرت قبلہ کو سامنے بیٹھ کر کچھ نذر نہیں کیا بلکہ ان کی عدم موجودگی میں ان کے تکیہ کے نیچے یا اگر واسکٹ لٹکی ہوتی تو اس کی جیب میں چپکے سے خفیہ طریقے سے رقم رکھ دیتے تاہم حضرت قبلہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ جس جن کی کارروائی ہے ہم اسے جانتے ہیں۔

حضرت قبلہ کے وصال کے بعد ان کے سالانہ عرس پر اور ان کے عہد میں ان سالانہ چار عرسوں پر جو وہ اپنے کمرے پر کراتے تھے بہت سارے پیر بھائیوں کو شیخ نیر اقبال صاحب کے ساتھ مل کر اپنے سفر خرچ اور ذمہ داری پر کراچی لاتے اور لے جاتے تھے جو ایک ملازم پیشہ شخص کے لیے بہت بڑا کام تھا اور خدمت کا ایک اعلیٰ اور منفرد انداز تھا جسے حضرت قبلہ بھی بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضرت قبلہ خود بھی جب سفر کرتے ان کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ سفر تو چھوٹے یوسف کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

حضرت قبلہ نے وصال سے قبل علامہ یوسف بٹ صاحب کو لاہور خط لکھا جس میں کئی لوگوں کا ذکر ان کے نام سے تھا جب چھوٹے یوسف صاحب کے بارے میں لکھا تو ابتداء اس شعر سے کی:

شہید از قامت ایں طفل واقف نیستی شاید کہ ایں بالا بلا خواہد شدن بالیدہ بالیدہ

''اے شہید تو اس لڑکے کے قد و قامت سے شاید واقف نہیں، کہ یہ لڑکا آہستہ آہستہ ایک دن بہت بڑی چیز بن جائے گا۔''

کسی پیر و مرشد کی اپنے کسی مرید کے بارے میں یہ تعریف اور انداز اس کے معاملے کی انفرادیت اور بلندی کی واضح دلیل ہے۔

ایک مرتبہ جب بہت سے مرید اور دیگر لوگ کراچی حضرت قبلہ کے کمرے پر عرس کے سلسلہ میں آئے ہوئے تھے۔ سیّد صاحب قبلہ نے یوسف صاحب کو اپنے سامنے بلوا کر بٹھایا اور فرمایا کہ تم ہمارا ایک کام کروگے؟ انہوں نے کہا ''جی'' حضرت صاحب نے فرمایا ایسے نہیں ہم سے وعدہ کرو کہ کروگے جس پر انہوں نے زبان سے عرض کیا کہ وعدہ کرتا ہوں کہ جو آپ فرمائیں گے میں وہ کروں گا اس پر سیّد صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ''آئندہ ہمارے جملہ وابستگان کے نفس کی اصلاح تم کروگے'' اس طرح گویا حضرت قبلہ نے ان کی خلافت اور نیابت پر تصدیق کی مہر لگادی۔

Marfat.com

ایسے ہی ایک اور اجتماع کے موقع پر آخری دور میں سب کو با آواز بلند فرمایا کہ

"آئندہ ہم کسی کو خلافت نہیں دیں گے۔ اب خلافت چھوٹے یوسف دیا کریں گے اگر یہ چاہیں تو اس پر ہمارے دستخط بھی کروالیں ورنہ اس کی ضرورت نہیں۔"

اپنے اس فرمان کی انہوں نے اس طرح تصدیق فرمائی کہ اس اعلان کے بعد حضرت قبلہ کے پاس ایک مرید ڈاکٹر یوسف انصاری صاحب (مرحوم) کا معاملہ خلافت کے لیے پیش ہوا جس پر حضرت نے فرمایا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ خلافت آئندہ چھوٹے یوسف دیں گے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ ان سے رجوع کریں۔

جناب یوسف راٹھور صاحب بفضل تعالیٰ حیات ہیں اور اپنے منفرد انداز میں اپنی روش پر قائم ہیں۔ زیادہ لوگوں سے میل جول نہیں رکھتے۔ شیخ نیر اقبال صاحب سے جن سے لڑکپن سے دوستی ہے خاص تعلق اور محبت رکھتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ان کے لیے اپنی جانب سے خلافت اور خاص اجازت کا اعلان بھی فرما چکے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ انہیں زندگی، تندرستی اور مزید نعمت عطا فرمائے اور ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ آمین

دوئم:

علامہ محمد یوسف بٹ اشرفی المخاطب بہ خطاب محبّ اللہ شاہ

راقم کے حقیقی بڑے بھائی تھے۔ تعلق لاہور سے تھا اور اعلیٰ حضرت اشرفی میاں صاحب سے بیعت تھی۔ سیّد صاحب قبلہ کے ہاں انہیں بڑے یوسف صاحب کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ لاہور میں مفتی اعظم پاکستان اور مدرسہ حزب الاحناف کے بانی سیّد ابوالبرکات صاحبؒ سے راہ و رسم کے دوران اعلیٰ حضرت قبلہ جب لاہور آتے اور ان کے ہاں مہمان ٹھہرتے تھے تو وہاں ملاقات کے بعد بیعت ہو گئے۔ صورت شکل میں اسم بامسمّٰی تھے اور آواز بھی بہت اچھی پائی تھی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں مورد الطاف ہوئے اور ذاتی توجہ نصیب ہوئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ ان سے قرآن پاک اور نعتیں سنتے اور کیف حاصل کرتے جس سے یہ بھی فیضیاب ہوئے۔

Marfat.com

اعلیٰ حضرت کے آخری ایام میں یہ بمبئی میں تھے۔ جہاں انہیں کمال امروہوی صاحب نے ان کی خوبصورتی اور اچھی آواز کی وجہ سے بلایا تھا اور ایک فلم میں ہیرو کا کام لے رہے تھے لیکن وہ بے چارے نہیں جانتے تھے کہ ان کی پشت پر کون ہے۔ چنانچہ ان کی کمپنی تھوڑے ہی دنوں میں ایسے نقصان میں گھری کہ دیوالیہ ہوگئی جس پر یہ وہاں سے واپس آ گئے۔ تاہم اس دوران اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ہو چکا تھا۔ جو اپنی زندگی میں انہیں فرما چکے تھے کہ آپ سیّد صاحب کے پاس رہا کریں۔ علامہ صاحب نے بمبئی سے آ کر پھر پرانی نوکری ریلوے پاور ہاؤس لاہور میں سنبھال لی۔ جہاں سے انہیں ڈیزل ڈرائیور کر کے ٹریننگ کے لیے کراچی بھیج دیا گیا۔ آپ تھوڑا عرصہ اپنی بیگم اور دو بچوں کے ساتھ کراچی میں رہے اور پھر سیّد صاحب قبلہ کے بلانے پر دہلی چلے گئے اور نوکری بعد میں خود بخود غیر حاضری کی بنا پر ختم ہوگئی۔ دہلی میں قیام سیّد صاحب قبلہ کے ساتھ ہی رہا اور اضافی کام کے طور پر آل انڈیا ریڈیو دہلی سے قرأت کرتے تھے اور وہاں لوگ انہیں قاری صاحب کے نام سے پکارتے تھے۔ دہلی سے یہ ۱۹۴۷ء میں سیّد صاحب قبلہ کے ہمراہ ہی لاہور آئے اور پھر لاہور ہی میں رہے۔ تاہم کراچی آنا جانا حضرت قبلہ کے پاس رہا۔ ساری زندگی عسرت اور درویشی ہی میں گزاری۔ سیّد صاحب قبلہ نے اپنے پاس دہلی میں رکھ کر تربیت فرمائی تھی۔ چنانچہ بعد میں کراچی آ کر اپنی خلافت سے بھی سرفراز کیا اور فرمایا کہ مرید بڑے یوسف کریں گے۔ جبکہ خلافت چھوٹے یوسف دیں گے۔ سیّد صاحب قبلہ کے وصال کے بعد انہوں نے یوسف راٹھور صاحب اور شیخ نیر اقبال صاحب کی صحبت اختیار کی اور ان سے بہت استفادہ کیا۔ اپنے آخری دور میں یوسف راٹھور صاحب کے حکم پر جنہیں وہ اپنا استاد تسلیم کرتے تھے اور سیّد صاحب قبلہ کے فرمان کی روشنی میں انہوں نے خود کو ان کے سامنے اصلاح نفس کے لیے پیش کیا تھا۔ قریباً ڈھائی ماہ (دو چلّے) علامہ صاحب نے کلفٹن سیّد صاحب کے مزار پر درویشانہ چلّہ کیا اور دن رات وہیں رہے جس کے بعد ان سے بزرگی کے آثار ظاہر ہونے لگے اور انہوں نے لوگوں کو بیعت کرنے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ سیّد صاحب قبلہ کی ماہانہ پانچ تاریخ کی فاتحہ بھی کراتے رہے اور سالانہ عرس پر کراچی میں اپنے عقیدتمندوں اور مریدوں کے ہمراہ شرکت کرتے رہے اور بالآخر سیّد صاحب قبلہ کا نام جپتے جپتے ۲۶، ۲۷ برس گزار کر یکم رجب ۱۴۰۶ھ بمطابق ۲۵ مارچ ۱۹۸۵ء وصال فرمایا۔ مزار شریف میانی صاحب لاہور میں ان کے آبائی قبرستان میں ہے جو مرجع خلائق ہے اور وہاں ان کا سالانہ عرس بھی منایا جاتا ہے۔

Marfat.com

سوئم:

الحاج شیخ اختر نصیر اشرفی المخاطب بہ نصر اللہ شاہ (مرحوم)

آپ ایک پڑھے لکھے اور اُونچے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۷ دسمبر ۱۹۲۶ء گجرات میں پیدا ہوئے۔ ایم اے آنرز کرنے کے بعد ۱۹۴۵ء میں سینٹ سٹیفن کالج دہلی سے ریاضی میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ مختلف بینکوں میں اعلیٰ عہدوں پر کام کیا۔ ان کے والد صاحب شیخ نصیر احمد مرحوم ہندوستان میں انگریزی راج کے ان چند مسلمانوں میں سے تھے جو انڈین سول سروس(ICS) میں شامل ہوئے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے اور ڈائریکٹر جنرل ڈیفنس سروسز بھی رہے۔

شیخ اختر نصیر صاحب کی ملاقات سیّد صاحب قبلہ سے خواجہ غریب نواز کے عرس کے موقع پر جہانگیر پارک کراچی میں ہوئی اور پھر ان کی محبت کے سحر سے ایسے مسحور ہوئے کہ پھر نہ نکل سکے۔ آپ نے دامے، درمے، گویا ہر طرح سے سیّد صاحب قبلہ کی بہت خدمت کی اور انہیں اس قدر راضی کر لیا کہ انہوں نے اپنی خلافت کی نعمت سے نوازا۔ آپ کا ہاتھ اور دل بہت کھلے تھے۔ طبیعت میں سادگی اور حضرت قبلہ کا بہت ادب اور ان سے بہت محبت رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی عرس کے موقع پر جب لاہور سے بھی لوگ آئے ہوئے تھے شیخ صاحب نے سیّد صاحب قبلہ سے شکایت کی کہ کچھ لوگ ان کا لحاظ نہیں کرتے بالواسطہ مذاق کرتے ہیں جس پر حضرت قبلہ نے بالاعلان سب کے سامنے فرمایا کہ ''یہ ہمارے خلیفہ ہیں جو ان کی عزت نہیں کرتا وہ ہماری عزت نہیں کرتا۔'' شیخ صاحب نے کوئی مرید نہیں کیا اور اس معاملہ میں الگ تھلگ رہے۔

چہارم:

جناب مصباح الدین اشرفی

آپ سیّد صاحب قبلہ کے پیر بھائی تھے اور آتے جاتے رہتے تھے۔ حضرت قبلہ ان سے تعویذ وغیرہ لکھواتے کیونکہ یہ کام یہ جانتے تھے اور وظائف وغیرہ بھی کرتے تھے۔ جب ان کے

Marfat.com

پاس اپنے گھر میں لوگ زیادہ آنے لگے جن کو یہ تعویذ وغیرہ دیتے تھے اور ان کا سلسلہ چل نکلا تو پھر ان کا حضرت قبلہ کے ہاں آنا جانا بہت کم ہو گیا۔ آخری زمانے میں سیّد صاحب قبلہ نے ان کی سابقہ خدمت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہہ کر کہ کام تو انہوں نے شروع کر ہی رکھا ہے کیوں نہ اسے (Regularize) کر دیں تاکہ ان پر کوئی بوجھ نہ پڑ جائے۔ خلافت نامہ لکھ کر ان کو بھجوا دیا جو انہوں نے اپنے کمرے میں فریم کرا کر رکھا تھا، ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے اور دیگر حالات کا علم نہیں ہو سکا۔

سیّد صاحب قبلہ کے وابستگان

شیخ محمد نیر اقبال صاحب (مرحوم):

جناب یوسف راٹھور صاحب کے بچپن کے دوست اور ساتھی جن کی آپس میں دوستی اور محبت ایسی بے مثل تھی جو آج کل کے زمانے میں نایاب ہے۔ یوسف صاحب کی وساطت سے سیّد صاحب قبلہ سے ہاپوڑ میں ملاقات ہوئی جن کی عقابی نظروں نے اس شاہین صفت کو دیکھا اور بیعت کر لیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم تو بیعت ہونے کی نیت سے نہیں آئے تھے نا۔ عرض کیا ''جی ہاں'' فرمایا تو سمجھو ہم نے زبردستی کر لی۔ نیر صاحب جنہیں عرف عام میں شیخ صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ فارسی اور اُردو شاعری سے ایک خاص ذوق رکھتے تھے۔ حافظ شیرازی، امیر خسرو، غالب، داغ اور اقبال کے خاص مداحوں میں ہیں اور ان کا بہت سا کلام انہیں ازبر تھا۔ ان کی یادداشت غضب کی ہے۔ سیّد صاحب قبلہ کے ساتھ گزارا ہوا ایک ایک لمحہ انہیں تمام جزئیات کے ساتھ یاد تھی۔ حضرت قبلہ سے محبت اور خاص نسبت رکھتے تھے اور ان کے محرم راز تھے۔ ان کے ساتھ وہ ہر قسم کی ذاتی بات بھی کر لیتے تھے۔ سیّد صاحب قبلہ کے وابستگان میں صرف انہوں نے شعر کہے ہیں اور حضرت قبلہ کی ایسی منقبت کہی ہیں جو روح پرور ہیں۔ نمونہ کلام کتاب ہذا میں شامل ہے۔ فارسی اور اُردو میں غزل کہنے میں یکساں دسترس رکھتے تھے اور رنگ عاشقانہ اور عارفانہ تھا۔ آپ بھاٹی گیٹ لاہور کے رہنے والے تھے اور گریڈ ۱۸ میں بطور ڈسٹرکٹ کنٹرولر آف پرچیز ریلوے ریٹائر ہوئے۔

Marfat.com

سیّد صاحب قبلہ کے وصال کے بعد میں (راقم) نے باضابطہ انہیں اپنا اُستاد تسلیم کیا اور آج میں جیسا اور جس قابل ہوں وہ ان کی تعلیم وتربیت اور مہربانی وکرم فرمائی کا نتیجہ ہے۔ حضرت قبلہ کی نظرعنایت اور کرم نے انہیں اکسیر بنا دیا ہے۔ جب محبت اور اس کی معرفت کا بیان فرماتے جس میں ان کے اپنے قلب کا سوز وگداز بھی شامل ہوتا تو سننے والوں پر محویت اور سرشاری کی کیفیت طاری ہو جاتی اور سیّد صاحب قبلہ کی مجلس کی یاد تازہ ہو جاتی۔

کافی عرصہ سے سانس کی تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد انتقال فرمایا۔

مولانا سیّد علی اطہر صاحب اشرفی:

یو پی کے رئیس خاندان سے تعلق تھا۔ اوائل جوانی میں بڑے خوبصورت اور نازک اندام تھے حضرت قبلہ کی نظر کرم پڑی تو اپنے حلقۂ محبت میں داخل کر لیا۔ حضرت قبلہ ان پر انتہائی مہربان اور بہت محبت رکھتے تھے۔ ہمیشہ اپنی صحبت میں رکھا۔ تاہم کسی حکمت خاص کی بنا پر حضرت مختار اشرفی صاحب سجادہ نشین سے بیعت کرایا۔ تعلق خاص کی بنا پر سیّد صاحب قبلہ نے اپنی دامادی کے شرف سے بھی مشرف کیا۔ پاکستان میں کلیم وغیرہ سے کافی جائیداد ملی تاہم نامساعد حالات کی نذر ہوئی اور کافی عرصہ سے گزر بسر تنگی وعسرت سے ہو رہی ہے لیکن حوصلہ مندی کا یہ عالم ہے کہ قریباً اسی برس کی عمر ہو جانے کے باوجود ماشاء اللہ ٹھیک ٹھاک ہیں اور کراچی میں رہ رہے ہیں۔ اللہ ان کی اور ہم سب کی مشکلیں دور فرمائے۔ آمین

بھائی صغیر احمد اشرفی صاحب:

سیّد صاحب قبلہ کے دیرینہ اور خاندانی خادم خاص تھے جو ہاپوڑ سے دہلی اور پھر کراچی وصال تک ساتھ ساتھ رہے۔ ان سے زیادہ حضرت قبلہ کا مزاج آشنا اور محرم راز کوئی نہیں تھا۔ بڑے ذہین اور محبت والے انسان تھے۔ حضرت قبلہ کے بعد ان کی اولاد تک کے ساتھ وفاداری نبھائی۔ محکمہ اوقاف سندھ میں ملازم تھے اور درگاہ بابا عبداللہ شاہ غازی کلفٹن ڈیوٹی دیتے تھے۔ کچھ عرصہ قبل انتقال کر گئے ہیں۔

بھائی اسلام الدین المعروف پمن خان صاحب:

اوائل عمری میں ہی جب ان کی والدہ صاحبہ انہیں حضرت قبلہ کے پاس لائیں تو ان کے اپنے

Marfat.com

بقول بہت بگڑے ہوئے تھے لیکن حضرت قبلہ کی صحبت اور نظر کرم نے سب کچھ بدل دیا۔ بڑے طرحدار نازک طبع لیکن بہت محنتی اور سخت جان تھے۔ سیّد صاحب قبلہ سے قربت خاص رہی اور ان کے منظور نظر تھے۔ آج تک حضرت قبلہ کے سالانہ اور دیگر عرس جو مزار شریف پر ہوتے ہیں ان میں انتظامی سربراہ ہوتے ہیں اور باوجود ایک دبلی پتلی جان اور کافی عمر کے سخت محنت اور جانفشانی سے نہایت اچھا انتظام کرتے ہیں۔ اللہ انہیں زندگی اور تندرستی دے۔ آمین

سیّد معین الدین کاظمی اشرفی صاحب:

جوانی میں کسی کے تیر نظر سے گھائل ہو کر بغرض چارہ سازی حضرت قبلہ کے پاس پہنچے اور پھر اسی در کے ہو رہے۔ سیاحت بسلسلہ درویشی کے ضمن میں زیارات مقدسہ ایران، عراق اور عمرہ کے علاوہ یورپ و امریکہ وغیرہ کے فرنگی نظارے بھی دیکھ چکے ہیں اور اسی محبت کے متلاشی ہیں جس حالت میں حضرت قبلہ کے پاس آئے تھے۔ کیونکہ حضرت قبلہ نے ان کی اس حالت کو پسندیدہ فرمایا تھا۔ اللہ انہیں اپنی کاوش میں کامیاب فرمائے۔ آمین

عبدالمجید غوری اشرفی صاحب (مرحوم):

میرے بچپن کے دوست اور محلّہ دار تھے۔ علامہ یوسف بٹ صاحب انہیں حضرت قبلہ تک لانے کا باعث ہوئے۔ آنے سے پہلے رمضان شریف میں اعتکاف کے دوران لاہور میں انہیں سیّد صاحب قبلہ کی زیارت ہوئی جس پر کراچی آئے اور بیعت ہوئے۔ حضرت قبلہ سے نہایت درجہ محبت رکھتے تھے اور حضرت قبلہ کے معاملے میں خرچ کرنے میں سب پر فوقیت لے گئے۔ سالانہ عرس پر رمضان شریف میں ایک مکمل قافلے کو ساتھ لے کر مع لنگر اور شربت کی سبیل کے سامان کے اپنے خرچ پر کراچی لاتے اور لے جاتے تھے اور میلہ لوٹ کر لے جاتے تھے۔ سیّد صاحب قبلہ کے مزار شریف کی موجودہ تزئین و آرائش میں ان کا بڑا ہاتھ ہے جس میں ان کے معاون ان کی ٹیم کے ممبران یعنی بھائی جان فخر ریاض اشرفی صاحب کے فرزندان بھی شامل تھے۔

محمد نواز بٹ حسنی اشرفی:

آخر میں حقیر بندہ جو ویسے بھی آنے والوں میں آخری ہی تھا۔ حضرت قبلہ کے جمال بے

Marfat.com

مثال کا ۱۹۵۷ء میں بندہ بے دام ہوا جبکہ بسلسلہ ملازمت کراچی آنا ہوا اس سے پیشتر دو مرتبہ حضرت قبلہ کی زیارت سے مشرف ہو چکا تھا۔ اوّل ۱۹۵۴ء میں جب لاہور میں حضرت قبلہ نسبت روڈ پر ظہوری خاں صاحب کے گھر پر قیام پذیر تھے اور دوبارہ ۱۹۵۶ء میں کراچی میں جب ٹریننگ کے سلسلے میں آیا اور برادر بزرگ علامہ یوسف صاحب کا سلام و پیغام پہنچانے کمرہ پر آیا ۱۹۵۷ء میں طوق غلامی سے سرفراز ہوا اور قریباً ایک سال خدمت اقدس میں کمرے ہی پر رہا۔ اس دوران ان کی نظر کرم اور غریب نوازی نے دنیا ہی بدل ڈالی۔ ۱۹۵۹ء میں جب حضرت قبلہ کا وصال ہوا میں خانیوال میں تعینات تھا۔ بعد ازاں ۱۹۶۲ء میں دوسری بار کراچی تبادلہ پر آیا اور دو سال حضرت قبلہ کے کمرہ دھوم داس بلڈنگ میں محترم اشرف میاں صاحب کی اجازت سے رہا۔ پھر سہ بارہ مہربانی ہوئی اور ۱۹۸۲ء میں بطور انسپکٹر کراچی تبدیل ہو کر آیا اور یہیں DSP ہو کر ۱۹۸۸ء تک رہا۔ چوتھی بار پھر الطاف خسروانہ سے بلایا گیا۔ یہ ۱۹۹۱ء کا واقعہ ہے تب یہیں SP کے عہدہ پر ترقی ہوئی اور بطور SP ریلوے کراچی مئی ۱۹۹۶ء میں ریٹائر ہوا۔ موسیقی سے خاص شوق کی بنا پر کراچی میں نجی محفلوں میں غزل کی گائیکی میں بہت پذیرائی ملی۔ جن اُستادان گرامی سے اکتساب فن کیا ان میں خاں صاحب نتھو خاں (سارنگی نواز) استاد نیاز حسین شامی، فیروز نظامی صاحب اور بطور خاص جناب استاد اختر حسین خان صاحب پٹیالہ والے (والد گرامی استاد امانت علی خاں صاحب مرحوم) شامل ہیں۔ ۱۹۷۲ء میں الحمرا آرٹس کونسل لاہور میں منعقدہ ایک مقابلے میں غزل کے شعبے میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ یہ ساری عزت افزائی اور پذیرائی سیّد صاحب قبلہ کے کرم خاص اور دعا سے ملی جو انہوں نے ایک بار مجھ سے گانا سن کر دی تھی۔ حضرت قبلہ کا کرم بے حد و حساب اس وقت ہوا جب اس حقیر غلام کو اس کی معراج نصیب ہوئی اور محکمہ اوقاف سندھ نے حضرت قبلہ کے آستانہ عالیہ کے بائیں جانب (غازی بابا کی سیڑھیوں کے آغاز پر حضرت قبلہ کے مزار شریف کے ساتھ) سرکاری طور پر ایک قبر کی جگہ الاٹ کی تاکہ ابدالآباد تک ان کے سایہ میں رہے اور ان کے در کا دربان رہے۔ جس کے لیے میں تا قیامت ان کے اور ان کے اہل بیت اور اولاد کے لیے دعا گو رہوں گا۔

دیگر نمایاں مریدین میں مختار اشرفی صاحب، بھائی حمید میمن صاحب، بھائی الیاس اشرفی المعروف پہلوان صاحب میر عبدالحق صاحب بھی بڑے محبتی لوگ تھے جن کا انتقال ہو چکا ہے۔

Marfat.com

وصال حضرت سیّد صاحب قبلہ:

یکم مارچ ۱۹۵۹ء کو حضرت قبلہ کو سیونتھ ڈے (انگلش مشنری ہسپتال) کراچی میں بوجہ علالت داخل کرا دیا گیا۔ جہاں ۱۵ روز رہے اور اس دوران نہایت عجائب غرائب باتیں فرمائیں۔ ہسپتال کے عملہ سے جن میں زیادہ تر انگلش لوگ تھے انگریزی میں بات کرتے۔ وہ سب لوگ ان کی باتوں سے بہت متاثر تھے اور سمجھ گئے تھے کہ یہ کوئی (Saint) (ولی، بزرگ) ہیں اس وجہ سے بہت خیال کرتے تھے۔ چند باتیں جن کے راوی شیخ نیر اقبال صاحب اور صاحبزادہ اشرف میاں صاحب ہیں یہ ہیں۔ فرمایا:

Now I will live like my grand father Sheikh Abdul Qadir Gilani.

فرمایا:

I am the Master of my will.

فرمایا:

''ہم نے فرزند اشرف سے کہہ دیا ہے کہ اب ہم کمرے پر نہیں جائیں گے۔ ہمارے لیے کوئی گھر کلفٹن کی طرف ایسی جگہ لیں جہاں میٹھا پانی بھی ہو اور کھارا بھی۔''

(نوٹ رہے کہ یہ جگہ کلفٹن میں صرف بابا عبداللہ شاہ غازی کی درگاہ میں ہے جہاں نیچے بیٹھے پانی کا چشمہ بھی ہے باقی سب کھارا پانی ہے)۔

صاحبزادہ اشرف میاں صاحب سے روایت ہے کہ وصال سے دو روز قبل مجھے بتلایا کہ ہاتف غیبی نے اللہ کی جانب سے قرآن کی یہ آیت سنائی ہے، ترجمہ: ''اے نفس مطمئنہ لوٹ آ اپنے رب کی طرف اس حالت میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس شامل ہو جا میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

فرمایا:

''اب ہم قوالی نہیں سنیں گے اور یہ لباس (چوڑی دار پاجامہ وغیرہ) بھی بدل جائے گا نیا جسم ہوگا اور نیا لباس۔''

Marfat.com

ان سب باتوں سے مقصد اپنے وصال کی خبر تھی لیکن کوئی بھی یہ اندازہ نہ کر سکا چنانچہ ۱۵ مارچ ۱۹۵۹ء بروز اتوار بمطابق ۵ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ دوپہر ۲ بج کر ۱۰ منٹ پر وصال فرما گئے۔ یَاحَیُّ و یَا قَیُّوم۔

مزار شریف احاطہ بابا عبداللہ شاہ غازی کلفٹن میں ہے کہ سیّد صاحب قبلہ کا سلسلہ نسب بابا عبداللہ شاہ غازیؒ کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتا ہے اس لیے حضرت قبلہ انہیں اپنا جدامجد کہا کرتے تھے اور ہر مہینے پابندی سے نوچندی جمعرات حاضری دیتے تھے۔ آپ کا مزار اقدس مرجع خاص وعام ہے اور ان کی نسبت خسروی اور محبوبیت کا نور، آسمان ولایت پر آج بھی پورے آب وتاب سے چمک رہا ہے جس سے ایک خلقت مستفیض ہو رہی ہے۔

قطعہ تاریخ وصال:

وصال حضرت آل حسن سے — ہر اہل دل ہے بحر رنج وغم میں
ہوئی تاریخ کی جب فکر مجھ کو — تو ہاتف نے لکھا باب کرم میں
بہ فیض پنج تن پہنچا ہے باقر — گہر عرفان کا ''قصر ارم'' میں
۱۳۷۸

ارشادات وتعلیمات:

☆ انسان کو چاہیے کہ فضولیات سے اپنے آپ کو بچاتا رہے قدرت اپنا کام کرے گی۔
☆ راہِ محبت میں لل پن (احمق پن) بہت بڑا حجاب ہے۔ تاہم پیہم اچھی صحبت سے لل پن دور ہو جاتا ہے۔
☆ اللہ احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔
☆ تاوقتیکہ روح کے حجابات نہ ہٹیں پیہم اچھی صحبت ضروری ہے صرف رسمی عبادات اور معمولات ووظائف سے کام نہیں ہوتا۔
☆ محبت ہی جملہ امراض روحانی کا علاج ہے۔
☆ راہِ محبت میں مردوں کی طرح قدم رکھنا چاہیے اور مرد بھی جیسے شیر مرد، ہوا اور ہوس کو پامال کر دینا چاہیے۔
☆ بغیر کسی غرض کے اگر خدمت کی جائے تو بندوں کی خدمت اللہ ہی کی خدمت ہوتی ہے

Marfat.com

کیونکہ انسان ذات وصفات الٰہی کا اتم مظہر ہے۔

☆ خدمت میں اگر ڈھیلا پن کیا جائے تو اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

☆ بولنے میں احتیاط ضروری ہے کہ الفاظ فضاؤں میں گونجتے ہیں اور قائم ہو جاتے ہیں۔

☆ کوئی طالب خدا بغیر اتباع شریعت، روشنی اور ہدایت نہیں پا سکتا تاہم علم وعرفان حاصل کرنا چاہیے۔ کیونکہ لاعلمی اور جہالت سخت نقصان دہ ہیں۔

☆ جس پودے (انسان) میں اُبھرنے کی استعداد ہو اس کی آبیاری (تربیت) کرنی چاہیے۔ لاپرواہی نہیں کرنی چاہیے اس کا حوصلہ بڑھانا چاہیے۔

☆ اوباشوں میں بھی پاکیزہ قلب والے ہوتے ہیں۔

☆ کوئی شخص اگر گناہوں کے خیال میں مستغرق رہے گا تو گناہ نظر آئیں گے اور اگر کوئی مغفرت کے خیال میں رہے گا تو مغفرت ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے میں اس کے لیے ویسا ہی ہو جاتا ہوں۔

☆ اپنے بنائے ہوئے منصوبوں میں اگر کامیابی نہ دیکھو تو سمجھ لو کہ اللہ اس سے بہتر منصوبہ ہمارے لیے بنائے ہوئے ہے۔ لہٰذا اس بات پر ضد نہیں کرنی چاہیے کہ وہ تمہاری ہی بات مانے۔

☆ حدیث النفس (نفس کی تاویلات) سے گریز کرنا چاہیے۔

☆ سچے اور محبت کرنے والوں کی ہمت افزائی کرنی چاہیے۔

☆ فکر معاش انسانی خاصہ ہے۔ کوئی عیب کی بات نہیں بندے کا کام کوشش کرنا ہے تائید ایزدی کے ساتھ جبکہ فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

☆ گندم کی روٹی سے لے کر اور تمام روحانی غذاؤں کو رزق ہی کہتے ہیں۔

☆ ذراسی چنگاری آگ پیدا کر سکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہی ہے کہ اللہ ہی اللہ۔

☆ آتے جاتے رہو، ملتے جلتے رہنا چاہیے اور چٹی بٹی کرتے رہا کرو۔

☆ پوچھنے پر کہ آیا قوالی سننا عبادت ہے فرمایا کہ ہاں اگر لطافت کے ساتھ ہو۔

Marfat.com

ھُوالسَّیِّد

باب المشائخ

پیشتر اس کے کہ ہم مشائخ کرام اور پیرانِ عظام کے بارے میں یہ عرض کریں کہ یہ کون لوگ ہیں اور ان کا ذکر قرآن پاک اور احادیث مبارکہ میں کس کس جگہ اور کس کس طرح سے آیا ہے۔ نیز کہ بارگاہِ رب العزت میں ان کا مقام اور درجات کیا ہیں اور کہ اس دنیا میں ان کی نشانیاں اور شناخت کیا ہے۔ یہ بیان کرنا بہت ضروری اور فائدہ مند ہوگا کہ آخر ان لوگوں یا پاک ہستیوں کی ضرورت کیا ہے۔ فی زمانہ جو لوگ زیادہ تر ان کے ماننے والے یا ان کے پاس جاتے ہیں وہ عام طور پر اپنی دنیاوی ضرورتوں اور مادی خواہشات لے کر جاتے ہیں۔ تاکہ ان کی دعا برکت سے وہ پوری ہو سکیں۔ کوئی اولاد کے لیے، کوئی نوکری یا روزگار کے لیے، مقدمات وغیرہ سے بری ہونے کے لیے، بیماری سے شفا کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ ایسے حاجتمندوں کی حاجت برآری کے لیے اللہ کے پاک اور برگزیدہ بندوں کی دعا بھی بہت معنی رکھتی ہے کہ ذات باری تعالیٰ اپنے دوستوں کی بات سنتے بھی ہیں اور ان کی لاج رکھتے ہوئے شرف قبولیت بھی بخشا جاتا ہے۔ تاہم یہ ان کی شخصیت کا ایک اور صرف ظاہری پہلو ہے جبکہ ان پاک لوگوں کی زندگی کا حقیقی اور باطنی پہلو جو کہ ان کا مقصد حیات اور عین منشائے ایزدی کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ تو یہی ہے کہ بندگانِ خدا کی اصلاح نفس کریں اور ان کے دلوں میں اللہ کی محبت پیدا کر کے انہیں اللہ کے راستے پر چلائیں۔

ضرورت شیخ:

یہ امر مسلمہ ہے کہ انسان دو چیزوں، ظاہر اور باطن کا مجموعہ ہے یعنی ایک جسم اور دوسرے نفس یا قلب۔ یہ بھی زندگی کا لازمہ ہے کہ جسم انسانی جب تک وہ زندہ ہے مختلف امراض یعنی بیماریوں سے دوچار ہوتا رہتا ہے جن میں کوئی عام اور کوئی مہلک بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص اس میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ مرض سے نجات اور صحت حاصل کرنے کے لیے فوراً کسی ڈاکٹر یا

Marfat.com

طبیب سے رجوع کرتا ہے جواس کا علاج دوا سے اور کبھی بوقت ضرورت چیر پھاڑ یعنی سرجری سے کرتا ہے۔یعنی جیسا کہ وہ مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے اور مریض اگر صحت چاہے تو اس کی ہدایت پر من وعن عمل کرنا لازمی ہے۔تو جس طرح جسم یا بدن کے لیے مختلف بیماریاں ہیں اسی طرح نفس اور قلب کے لیے بھی بہت امراض ہیں جنہیں روگ بھی کہتے ہیں مثلاً لالچ، طمع، حرص، بغض، حسد، غصہ، منافقت، ریاکاری، جھوٹ، مکاری، بدنیتی وغیرہ وغیرہ ان چیزوں کو باطنی امراض کہا جاتا ہے اور ان میں مبتلا لوگوں کی ظاہری اور جسمانی صحت تو بلکہ عام طور پر بہت اچھی ہوتی ہے تاہم یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ان باطنی امراض کے ہوتے ہوئے اللہ کے ہاں نجات بھی ممکن نہیں۔ چہ جائے کہ انسان اس کے قرب یا عنایات کا تو کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔تو جس طرح جسمانی یا ظاہری امراض کا علاج بغیر کسی ڈاکٹر یا طبیب کے ممکن نہیں۔ اسی طرح ان باطنی امراض کا علاج یعنی ان سے نجات اور شفا بھی بغیر کسی طبیب کامل کے ممکن نہیں اور ایسے طبیب کو جو باطن کے روگ دور کرے اور باعث شفا ہو تا کہ بندہ اپنے رب کے قریب اور اس کی عنایات وانعامات کے قابل ہو سکے۔اصطلاحاً شیخ کامل یا پیرومرشد کہتے ہیں جن کے بغیر انسان ہدایت اور فلاح نہیں پا سکتا اور گمراہ رہتا ہے۔قرآن پاک میں نہایت واضح اور لطیف پیرائے میں سورہ کہف آیت ۱۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَن یَھدِ اللّٰہِ فَھُو الْمُھتد وَمَنْ یُظلِلْ فلن تجدَا لَہٗ وَلِیًّا مُرْشِدا

''پس اللہ جسے ہدایت دے وہی ہدایت یاب ہے اور جسے گمراہ کرے تم
اس کے لیے کوئی دوست اور مرشد (ہدایت دینے والا) نہیں پاؤ گے۔''

چنانچہ ثابت ہوا کہ ہدایت تو اللہ ہی کی طرف سے ہے لیکن آیت کریمہ کا آخری حصہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب اللہ کسی کو ہدایت دینا چاہے گا تو گویا اس کو دوست اور مرشد مل جائے گا۔ کیونکہ اللہ بلاواسطہ تو ویسے بھی کسی سے کوئی معاملہ نہیں کرتا۔لہٰذا صاف صاف ارشاد فرما دیا کہ جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو ہوگا کیا کہ اس کا کوئی دوست مرشد نہیں ہوگا۔لہٰذا ہدایت اس تک کیسے پہنچے گی۔

باطنی بیماریوں کی ایک صورت بڑے مؤثر اور سادہ پیرائے میں باری تعالیٰ نے سورہ اعراف آیت ۱۷۹ میں اس طرح بیان فرمائی ہے ''اور بے شک ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیے بہت جن اور انسان وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ (قبولیت، احساس) نہیں اور وہ آنکھیں رکھتے ہیں

Marfat.com

لیکن دیکھتے نہیں اور وہ کان رکھتے ہیں جن سے سنتے نہیں۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ (بدتر) اور یہی لوگ غفلت میں ہیں۔" ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے:

امراۃ غیر احیاء و ما یشعرون

"وہ مردہ ہیں زندہ نہیں مگر اس کا شعور نہیں رکھتے"

یعنی کان تو ہیں لیکن جب انہیں اللہ کی بات سنائی جاتی ہے تو سنی ان سنی کر دیتے ہیں۔ آنکھ تو رکھتے ہیں لیکن جب ان کے سامنے اللہ کی کوئی شان بصورت بزرگ آتی ہے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کے قلوب گویا بے حس اور زنگ آلود ہو گئے ہیں جو اللہ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب بن جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو کسی کامل کے پاس جانا ضروری ہے کہ ان جملہ بیماریوں کا علاج کرے اور قلب کو صیقل کر کے ایسا آئینہ بنا دے جس سے اللہ کا جمال اور شانیں منعکس ہوں۔ علامہ اقبالؒ نے کہ موجودہ دور کے صوفیائے کرام اور عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے انہی طبیان حاذق کا ذکر اس طرح کیا ہے:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

اب ہم اسی گروہ فقراء کا جنہیں عرف عام میں مشائخ اور پیر بھی کہا جاتا ہے، کے بارے میں دیکھتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسے لوگوں کے بارے میں کس کس طرح نشاندہی فرمائی ہے اور ان میں کیا کیا خصوصیات وصفات بیان فرمائی ہیں تاکہ ان کی پہچان ہو سکے اور انسان ان سے مستفیض ہو سکے۔ بغور مطالعہ سے آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ وہ تمام خصوصیات، صفات حمیدہ اور اخلاق کریمانہ جو اللہ نے اپنے محبوب بندوں کے ضمن میں بیان فرمائی ہیں وہ ان بزرگوں میں اکمل طور پر پائی جاتی ہیں۔ جن کا ذکر کتاب ہذا میں شروع میں ان کی سوانح پاک میں ہو چکا ہے۔

کار مشائخ، کار پیغمبری:

سورہ بقرہ آیت ۱۵۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُوْلاً مِنكُمْ يَتْلُو عَلَيكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوا تعلمُون٥

''جیسا کہ ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیات تلاوت (سناتا) کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا اور کتاب اور حکمت کا علم سکھاتا اور تمہیں وہ تعلیم کرتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔''

اس آیت شریف میں فرائض پیغمبری چار بیان کیے گئے ہیں۔ اوّل تلاوتِ آیات، دوم تزکیہ نفس، سوئم علم کتاب اور چہارم علم حکمت، تلاوتِ آیات جیسی کہ نازل ہوتی تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم من وعن بیان فرمادیتے جو آج بھی بصورت قرآن موجود ہیں۔ دوسرا کام تزکیہ نفس تھا اور جس کے بعد گویا انسان کتاب اور حکمت کا علم جاننے کے قابل ہوتا ہے۔ ایک اور جگہ فرمانِ الٰہی ہے:

قَد افلَحَ مَنْ تَزَکّٰی

''وہ فلاح پا گیا جس کا تزکیہ ہو گیا۔''

آیات بالا سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد یہ فریضہ کیا گیا۔ یہ بات ثابت ہوئی کہ تزکیہ نفس کے لیے وجود یعنی شخصیت لازم ٹھہری کہ جو ایسا کرے اور وہ پہلی ہستی خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی جن کا اپنا تزکیہ ذات باری تعالیٰ نے فرمایا تھا جو کہ واقعات شرح صدر سے اس دنیا میں اور بحیثیت نبی اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ تزکیہ نفس سے مراد قلب انسانی کے اس زنگ کو دور کرنا ہے جو آلائش دنیاوی سے محبت کی وجہ سے لگ جاتا ہے اور جس سے دل و دماغ پر تاریکی چھا جاتی ہے اور انسان اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔ اس تاریکی کو دور کرنے کے لیے حضرت حق جل مجدہ نے نور ہدایت کا چراغ اوّل خود اپنے دست قدرت سے روشن کر کے اس دنیا میں بھیجا۔ تاہم یہ بھی قانون قدرت ہی ہے کہ چراغ کو اسی قدر جلتے رہنا ہے۔ جس قدر اس میں عمر طبعی کا تیل ہوتا ہے اور بالآخر گل ہونا ہے۔ چنانچہ ہدایت برحق کے اس چراغ اوّل نے گل ہونے سے پہلے ایک نہیں کئی ایسے چراغ روشن کر دیے جن سے ساری دنیا منور ہوئی جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا کہ ''میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ستاروں کی مانند ہیں جو ان سے منسلک ہوا ہدایت پائے گا۔'' چنانچہ چراغِ اوّل نے جن چراغوں کو اپنی روشنی سے روشن کیا انہوں نے آگے پیروی سنت میں چراغوں سے چراغ روشن کیے اور اس طرح سے یہ سلسلہ ہدایت اور روشنی

Marfat.com

یعنی چراغ سے چراغ جلتا ہوا ہم تک آ پہنچا اور قیامت تک جاری رہے گا۔ مولانائے روم، اسی چراغ کی مثال اس طرح دے کر فرماتے ہیں کہ جو چراغ تم تک پہنچا زنہار اس کی روشنی کو کچھ اور نہ سمجھنا (یعنی اس کی اپنی) بلکہ یہ وہی روشنی ہے جسے ذات باری تعالیٰ نے اوّل اپنے ہی دست قدرت سے روشن کیا اور پھر وہ چراغ سے چراغ منتقل ہوتی ہوئی تم تک آئی ہے۔ لہٰذا اصلاح (تزکیہ) نفس اور بعد ازاں تعلیم کتاب وحکمت اب منصب پیران کامل ہے اور وہ یوں بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الشَّیخُ فی قومِهِ کا النبیُ فی اُمّته

''شیخ اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں۔''

یعنی مشائخ کا مقام اور ان کی حیثیت اپنی قوم (یعنی گروہ، مریدین) میں ایسی ہی ہے جیسی کہ باعتبار منصب نبی کی اپنی اُمت میں ہوتی ہے۔

اب ہم بسلسلۂ اصلاح نفس اس اجمال کی تفصیل یعنی نفس کی ان چار حالتوں کا بیان کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے۔

نفسِ امارہ:

وہ نفس جو برائی کی ترغیب دیتا ہے اور گناہوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اس صورت میں انسان کو اوامر یعنی جن کاموں کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور نواہی یعنی جن کاموں سے منع فرمایا گیا ہے، کے بارے میں بتایا جاتا ہے اور نیکی کے بدلے بشارت اور گناہ کے بدلے عذاب کی خبر دی جاتی ہے۔ تاکہ خدا کا خوف دل میں پیدا ہو۔

نفسِ لوامہ:

نفس کی وہ حالت ہے جس میں گناہ کے بعد اس پر ندامت محسوس کرتا ہے یعنی (Repent) کرنا جسے عرف عام میں ضمیر کا ملامت کرنا بھی کہتے ہیں۔ یہ کیفیت اللہ کو پسند ہے اور قرآن میں ایک جگہ اللہ نے نفس لوامہ کی قسم بھی کھائی ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اس کیفیت کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

Marfat.com

اس حالت میں کہ جب انسان شرمندگی اور ندامت سے خود پر ملامت کرتا ہے اور توبہ و استغفار کرتا ہے تو اللہ اپنی کریمی اور رحیمی سے اسے بخش دیتے ہیں اور حدیث شریف کے مطابق بندہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو اور گناہ کی وہ گرد اس کے قلب سے ندامت کے آنسوؤں سے دُھل جاتی ہے۔

نفسِ ملہمہ:

جب قلب انسانی سے بشری کدورتیں دھل جاتی ہیں تو ایسا قلب مثل آئینہ کے ہو جاتا ہے جس کے بارے میں مولانا روم فرماتے ہیں:

آئینہ دل چوں شود پاکی وصاف　　　　نقش ہا بینی بروں از خاک و آب

''جب تیرے دل کا آئینہ پاک اور شفاف ہو گیا، تو تجھے زمین اور پانی کے نیچے بھی نظر آئے گا''

گویا نفس کی یہ حالت وہ ہے جس میں اس پر اللہ کی طرف سے الہام ہوتا ہے اور اس کے قلب پر القاء ہوتا ہے جس سے وہ اللہ کی ان شانوں کو دیکھتا ہے جو دوسرے نہیں دیکھ سکتے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ

''دکھاتے ہیں ہم ان کو اپنی نشانیاں جہان میں اور ان کی اپنی ذات میں۔''

اسی کو علم الکتاب بھی کہتے ہیں اور یہ ایک روحانی قوت ہے ہے جو اللہ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔

نفسِ مطمئنہ:

نفس کی آخری منزل اور اکمل حالت ہے جس میں قلب مطمئن ہو جاتا ہے اور اسے من جانب اللہ ایسا اطمینان نصیب ہوتا ہے جیسا کہ گوہر مقصود حاصل ہونے پر ہوتا ہے گویا انسان اپنی پیدائش کا مقصد یعنی معرفت و حکمت الٰہی حاصل کر لیتا ہے جو کار پیغمبر کا آخری جزو ہے اور جس کی بشارت اور نوید اللہ نے سورہ فجر کی ان آیات میں دی ہے:

یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ o اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً o
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ o وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ o

''اے وہ کہ جس کا نفس (قلب) مطمئن ہے۔ لوٹ آ اپنے رب کی

Marfat.com

طرف کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جا میرے
(خاص) بندوں میں اور داخل ہو جا میری بہشت میں۔"

اصلاحِ نفس کی یہ تربیت صرف شیخ کامل ہی کر سکتے ہیں جو کہ نبی کے قائم مقام ہوتے ہیں اگر یہ کام محض قرآن کو سن کر یا پڑھ کر ہو سکتا تو اسے فرائض نبوی میں تخصیص سے کیوں داخل کیا جاتا۔ ویسے بھی کتابوں کے ساتھ اگر اہل کتاب (یعنی معلّم) یا ہنر کے ساتھ اہل ہنر (اُستاد) نہ ہوں تو یہ دنیا نہ چل سکتی ہے اور نہ ہی ترقی ہوتی۔ ہر علم و ہنر پر لاتعداد کتابیں اور ترکیبیں لکھی ہوئی ہیں اور موجود ہیں لیکن پھر انسان مدرسے، کالج، یونیورسٹی وغیرہ میں کیوں جاتے ہیں اور استادوں سے پڑھتے اور سیکھتے ہیں، محض ان کتابوں کو خود سے پڑھ کر فارغ التحصیل کیوں نہیں ہو جاتے۔ اس لیے کہ بغیر استاد کے آج تک کوئی شخص کامل اور مستند نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ شریعت میں سدھائے ہوئے کتے کا مارا ہوا شکار حلال اور بغیر سدھائے (یعنی بے استادے) کتے کا شکار حرام قرار دیا گیا ہے۔

درجات مشائخ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُم مَّن كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ○

"یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ ان میں سے کسی نے اللہ سے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں میں بلند کیا۔"

منصب رسالت ایک چیز ہے تاہم فرمایا کہ ایک کو دوسرے پر درجات میں فضیلت دی۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہوئے تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ۔ تاہم وہ جسے سب پر درجوں میں بلند کیا وہ سرکارِ دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے جنہیں معراج نصیب ہوئی اور قاب قَوسَینِ او ادنیٰ کے مقام تک پہنچے۔ کل انبیائے کرام کی امامت فرما کر امام الانبیاء اور اللہ کے حبیب ہوئے اور اس طرح تمام انبیائے کرام پر سبقت لے گئے۔ یہ سنت الٰہیہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی جاری رہی۔ دس صحابہ کرام جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے کے بارے میں قرآن میں بشارت آئی کہ اللہ ان سے راضی ہوئے اس لیے انہیں آج تک رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھا جاتا ہے جس سے وہ باقی صحابہ میں ممتاز ہو گئے اور اس فضیلت سے مخصوص ہوئے۔ اسی طرح

Marfat.com

اصحابِ صفہ کا ذکر قرآن میں آنے سے انہیں بھی ایک فضیلت ملی جبکہ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطاب خاص کرم اللہ وجہہ اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے مخصوص ہوئے پھر یہی سنت الٰہیہ آگے اُمت میں بھی جاری رہی اور ہے کہ جملہ اولیائے کرام منصب ولایت میں ہم منصب ہیں لیکن قرب خداوندی اور معرفت الٰہی میں ایک دوسرے پر باہم فضیلت رکھتے ہیں۔ اللہ کی جس صفت کے محبوب ہوئے اسی کے محبوب کہلائے۔ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا اللہ محبوب سبحانی ہوئے یعنی اللہ کی پاکی کی شان کے مظہر ہوئے، مخدوم سیّد اشرف جہانگیر سمنانی محبوب یزدانی ہوئے یعنی اللہ کی شان حاکمیت کے مظہر ہوئے، حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی ہوئے یعنی محبوب ذات ہوئے اسی لیے اولیاء بھی کہلائے کہ ذات الٰہی میں سب ولایتیں جمع ہیں۔

گروہِ اولادِ آدمؑ:

از روئے نصِ قرآنی، قرآن میں اولاد آدم کو چار گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان سے خطاب فرمایا گیا ہے جو یہ ہے:

بشر یعنی آدمی:

جو اولاد آدم سے ہو اور اس میں آدمیت اور بشریت کے خواص پائے جائیں یعنی بہائم اور جانوروں والی خصلتیں اور عادات اس میں نہ ہوں جیسے کہ درندوں کا سا غصہ اور خوں ریزی، جانور کی سی شہوت اور بے حیائی وغیرہ وغیرہ۔

انسان:

جس آدمی میں انسانیت اور اس کی اعلیٰ اقدار پائی جائیں یعنی اخلاص و محبت، ایثار و قربانی، خوش اخلاقی اور ہمدردی وغیرہ۔ غالبؔ نے کیا خوب فرق آدمی اور انسان میں بیان کیا ہے:

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

Marfat.com

عبد (بندہ خاص):

بندۂ خاص جو مقام عبدیت پر ہوتا ہے جس کا نفس/قلب تزکیہ پانے کے بعد مطمئنہ کہلاتا ہے یعنی جس سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اللہ اسے اپنے عباد (خاص بندوں) میں داخل کر لیتے ہیں اور اپنی جنت میں بھی (حوالہ سورہ فجر کی آیات) ''فادخلی فی عبادی'' عبد وہ بندہ خاص ہے جسے اللہ کی طرف سے علم الکتاب اور حکمت یعنی علم لدنی سے بھی نوازا جاتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ اور ایک بندے کے واقعہ میں قرآن میں آیا ہے:

عَبداً مِنۡ عِبَادِنَآ اٰتَیۡنٰہُ رَحۡمَۃً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰہُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا

''پس پایا انہوں نے ایک بندے (عبد) کو ہمارے بندوں (عباد) میں سے جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی، اسے ہم نے علم عطا کیا تھا اپنے علم لدنی سے۔'' (سورہ کہف آیت ۶۴)

علم لدنی کیا ہے؟ یہ علم اللہ کے بھید اور اسرارِ الٰہیہ کو جان لینے کا علم ہے جس کو مزید سمجھنے کے لیے حضرت موسیٰ کا وہ واقعہ جو قرآن کی سورہ کہف میں آیت ۶۰ تا ۸۲ بیان ہوا ہے مختصراً اور سادہ الفاظ میں اس طرح ہے۔

واقعہ حضرت موسیٰؑ :

اللہ نے کسی بات پر حضرت موسیٰؑ سے فرمایا کہ میں تم کو اپنا ایک خاص بندہ ملواؤں گا جو تمہیں وہ علم بتائے گا جو تم نہیں جانتے اور وہ تمہیں اس مقام پر ملے گا جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں اور دوسری اس جگہ کی نشانی یہ ہے کہ وہاں تمہاری مچھلی جو تمہاری ٹوکری میں ہے۔ خود بخود پانی میں کود جائے گی۔ چنانچہ موسیٰؑ اپنے خادم کے ہمراہ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے ایک جگہ پہنچے تو مچھلی دریا میں کود گئی لیکن انہیں یاد نہ رہا اور وہ آگے چلتے گئے۔ پھر جب یاد آیا کہ مچھلی تو پیچھے پانی میں کود گئی تھی تو واپس پلٹے اور اس مقررہ مقام پر انہیں اللہ کا ایک خاص بندہ ملا موسیٰؑ نے اس سے کہا میں آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں جس پر اس بندے نے کہا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔ کیونکہ آپ اس بات پر کیسے خاموش رہیں گے جس کی حقیقت سے آپ لاعلم ہوں گے۔ تاہم موسیٰؑ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں آپ کے کسی معاملہ میں دخل نہیں دوں گا اور خاموش رہوں گا۔ چنانچہ اس

Marfat.com

بندے نے اس شرط پر موسیٰؑ کو اپنے ہمراہ رکھا کہ آپ مجھ سے کوئی سوال نہیں کریں گے۔ جب میں چاہوں گا آپ کو خود ہی بتلاؤں گا۔ چنانچہ آگے چلے تو ایک جگہ کشتی والوں نے انہیں مسافر سمجھ کر اپنی کشتی میں بٹھا کر بغیر کسی معاوضہ کے دریا کے پار پہنچایا تو دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس بندے نے ان کی کشتی میں سوراخ کر دیے۔ موسیٰؑ جھٹ بولے کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں چل سکیں گے آپ نے سوال کیوں کیا؟ موسیٰؑ نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا، لہٰذا آگے چلے ایک گاؤں میں ایک نوعمر لڑکا ملا جسے اس بندۂ خدا نے قتل کر دیا۔ موسیٰؑ پھر پکارے ارے آپ نے یہ کیا ظلم کیا بغیر کسی قصور کے اس لڑکے کو جان سے مار ڈالا۔ آپ نے بہت برا کیا۔ اس بندے نے پھر وہی بات دہرائی کہ میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں چل سکیں گے۔ موسیٰؑ نے پھر معذرت کی اور کہا کہ صرف آخری بار ایک موقع اور دے دیں اب اگر میں دخل دوں تو پھر بے شک مجھے علیحدہ کر دیں، چنانچہ ایک گاؤں میں پہنچے تو وہاں کے لوگ بڑے بے رحم تھے۔ انہوں نے مسافروں کے مانگنے پر بھی انہیں کھانا تک نہ دیا۔ اسی دوران ایک گھر کے قریب پہنچے تو اس کی ایک دیوار گرنے والی ہو رہی تھی۔ اس بندے نے وہ مرمت کر کے دوبارہ کھڑی کر دی۔ اس پر موسیٰؑ پھر بولے کہ یہ آپ نے کیا کیا اس کام کی کوئی مزدوری ہی لے لیتے کہ گاؤں والوں نے تو ہمیں پانی تک نہیں پوچھا۔ اس بندہ خدا نے کہا کہ اے موسیٰؑ اب تیرے اور میرے راستے جدا ہوتے ہیں۔ تاہم اب میں جاتے جاتے تجھے ان سب باتوں کا بھید بتا دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

کشتی جو میں نے داغدار کی سو وہ نیک لوگوں کی تھی اور وہاں کا بادشاہ جو بہت ظالم تھا اس کے سپاہی وہ کشتی ان سے چھین لیتے اس لیے میں نے اسے داغدار کر دیا تا کہ چھوڑ جائیں اور یہ لوگ بعد میں اسے مرمت کر لیں گے۔ وہ لڑکا جو تھا اس کے ماں باپ بہت نیک اور صالح تھے اور لڑکا بڑا ہو کر ان کے لیے باعث عذاب ہونے والا تھا اس لیے میں نے اسے قتل کر دیا تا کہ اللہ ان والدین کو اس سے بہتر اور صالح اولاد عطا کرے۔ اب رہی وہ دیوار تو وہ اس گاؤں کے دو یتیم بچوں کے گھر کی تھی جس کے اندر ان کا باپ جو اللہ کا ایک نیک بندہ تھا مرنے سے پہلے خزانہ رکھ گیا تھا تا کہ جب وہ جوان ہوں تو پھر نکالیں اور ان کے کام آئے ورنہ گاؤں والے جو بے شک ظالم لوگ تھے جو انہیں بچہ دیکھ کر اس دولت کو لوٹ لیتے، اس لیے میں نے اس گرتی ہوئی دیوار کو مرمت

Marfat.com

کر دیا تا کہ ان کے جوان ہونے تک خزانہ محفوظ رہے اور یہ سب کام میں نے اپنے نہیں اللہ کے حکم سے کیے ہیں اور یہی حقیقت ہے ان کاموں کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

لہٰذا ہم عبد کو صرف بندہ نہیں بلکہ بندہ خاص کہیں گے۔ ایسے ہی ایک خاص شخص (بندے) کا ذکر سورہ نمل آیت ۴۰ واقعہ حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کے ضمن میں آیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِنَ الْکِتَاب

''اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا''

کہ میں ملکہ سبا کے تخت کو پلک جھپکتے میں آپ کے دربار میں لا سکتا ہوں اور اس نے ایسا کر دکھایا جبکہ جنوں کے سردار عفریت نے کہا تھا کہ میں تا برخاست دربار تخت کو لا سکتا ہوں۔ کیونکہ یمن جیسے دور دراز علاقہ سے لانا تھا۔ تفاسیر میں اس شخص کا نام آصف بن برخیا لکھا ہے اور وہ حضرت سلیمان علیہ السلام جو بادشاہ تھے ان کے وزیر تھے۔ یقیناً وہ عبد (خاص بندے) ہی تھے جو کتاب اور حکمت کا علم رکھتے ہیں۔

واقعہ معراج میں بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مقام عبدیت سے لے جایا گیا گو کہ آپ اس سے بھی آگے مقام رسالت پر فائز تھے۔ گویا معراج عبدیت کو ہوئی جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً......

''پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے (عبد) کو راتوں رات۔''

اور یہ مسئلہ بھی اُمت میں متفقہ ہے کہ معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی تھی یعنی آپ کو جسم اطہر کے ساتھ لے جایا گیا تھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عبد، جسم اور روح کے مجموعے کو کہتے ہیں، کسی مافوق الفطرت مخلوق کو نہیں کہتے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عبد کے لفظی معنی ہیں ''قیدی'' اور جسم قید میں ہوا سے ''معبود'' کہتے ہیں۔

رسول/ نبی:

اللہ کی بارگاہ میں سب سے بڑا منصب جو صرف اولاد آدم یعنی انسان ہی کے لیے مخصوص تھا اور اللہ ہی کی طرف سے بھیجا جاتا اور مقرر کیا جاتا تھا۔ تاہم خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد جو اللہ کے آخری نبی تھے۔ یہ بات نبوت اور رسالت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یعنی

Marfat.com

قیامت تک کے لیے بند کر دیا گیا۔ قرآن میں دیگر کچھ انبیاء کے بارے میں بھی اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی عَبدُہٗ وَرَسُولہ (اللہ کے خاص بندے اور رسول) کے الفاظ ذاتِ باری تعالیٰ نے استعمال فرمائے ہیں۔ گویا نبی یا رسول عبد بھی ہوتا ہے جبکہ ہر عبد کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول، نبی بھی ہو بلکہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت سلیمانؑ کے واقعات مذکورہ سے تو یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عبد غیر رسول بھی ہو سکتا ہے بلکہ نبی یا رسول کی موجودگی میں بھی کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ اب جبکہ بابِ رسالت قیامت تک کے لیے بند کر دیا گیا۔ یہ بات منطقی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ اب اللہ کی ہدایت، محبت اور معرفت کا چراغ اللہ کے انہی خاص بندوں (عباد) ہی سے روشن رہے گا۔

فقر کا بیان:

حدیث شریف میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الفقر وفخری (فقر میرا فخر ہے) یعنی مجھے اپنے فقر پر ناز ہے۔ احادیث اور سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر پہنچے اور اللہ سے ملاقات ہوئی تو وہاں آپ کو ایک خرقہ جناب باری تعالیٰ سے عنایت ہوا جسے خرقہ فقر کہا گیا۔ معراج سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چاروں خاص صحابہ کرام یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا کہ خرقہ فقر جو مجھے بارگاہ ایزدی سے عطا ہوا ہے آپ میں سے کسی ایک کو عطا کیا جائے گا۔ تاہم آپ سب سے ایک ہی سوال پوچھا جائے گا جس کا جواب وہ ہوگا جو اللہ نے مجھے بتا رکھا ہے۔ اسے یہ نعمت دے دی جائے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا اگر یہ خرقہ تم کو دیا جائے تو اسے پہن کر کیا کرو گے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ صدق اور سچائی سے کام لوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں عدل وانصاف قائم کروں گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں سخاوت اور حیا سے کام لوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میں اس سے لوگوں کی عیب پوشی کروں گا۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے اس نعمت کے لیے یہی بات مقرر فرمائی تھی۔ چنانچہ وہ خرقہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عنایت ہوا۔ خرقہ فقر کو خرقہ عبدیت بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ معراجِ عبدیت پر ہی دیا گیا۔

Marfat.com

لہٰذا مقام عبدیت ہی مقام فقر ہوا اور گرچہ ہر چہار یاران نبی مقامِ عبدیت کے حامل تھے۔ تاہم سعادت خرقہ فقر جناب مرتضیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منشائے ایزدی کے مطابق بارگاہِ رسالت سے عطا کی گئی جو سلسلہ فقر یعنی طریقت میں اسی طرح چلی آتی ہے اور خرقہ اوّل کی وجہ سے مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے جن سے جملہ سلاسل طریقت کی ابتدا ہوئی۔ خرقہ فقر کو اصطلاح طریقت میں خلافت اکبر یا خلافت الٰہیہ بھی کہتے ہیں۔ قرآن میں اللہ نے اپنے ان خاص بندوں کا جنہیں ان کے فقر کی وجہ سے فقراء بھی کہا جاتا ہے کئی جگہ ذکر کیا ہے مثلاً سورہ بقرہ آیت ۲۷۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِیۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡضِ یَحۡسَبُھُمُ الۡجَاھِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعۡرِفُھُمۡ بِسِیۡمٰھُمۡ لَا یَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ۝

"مدد کرو فقراء کی یعنی ان لوگوں کی جو اللہ کی راہ میں گھر گئے (محصور) ہیں اور اس کا دین پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اپنی روزی دنیا میں نہیں کما سکتے۔ جاہل لوگ انہیں کھاتا پیتا سمجھتے ہیں (اور اسی وجہ سے مدد نہیں کرتے) کیونکہ وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے مگر ان کے چہروں سے ظاہر ہے کہ وہ مستحق ہیں نہ ہی وہ لوگ، لوگوں سے لپٹ لپٹ (زچ کر کے) مانگتے ہیں اور بے شک اللہ جانتا ہے کہ تم اس کی راہ میں کیا کچھ خرچ کر رہے ہو۔"

ذرا غور فرمایئے کس وقار اور خوبصورتی کے ساتھ اللہ نے فقراء کی وکالت فرمائی ہے اور ان کا مقصد حیات بھی بتلا دیا ہے۔ اسی فرمان الٰہی کے تحت پرانے زمانے میں بادشاہانِ وقت فقراء اور پیروں بزرگوں کو جن میں اکثریت سادات کرام کی ہے، جاگیریں اور زمین دیتے تھے کہ روزی روٹی سے بے نیاز ہو کر اللہ کے کام میں لگے رہیں۔ برصغیر پاک وہند میں جتنی بڑی بڑی درگاہیں ہیں جن میں سے چند کا ذکر پیران عظام کی مختصر سوانح حیات میں پہلے ہو چکا ہے وہ اللہ کے یہی فقیر اور پاک بندے تھے جنہیں سلاطین وقت نے جو جاگیریں خدمتِ دین کے سلسلے میں دی تھیں وہ آج بھی ان کی اولاد کے پاس ہیں۔ تاہم ان میں سے اکثر اپنے اسلاف اور آباؤاجداد کی روش،

Marfat.com

مقاصد اور مسلک سے ہٹ چکے ہیں اور اب ان کا مقصدِ حیات صرف دنیا کمانا اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنا ہی رہ گیا ہے جو مقام صد افسوس ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ایسے ہی نام نہاد پیروں (جن کی وجہ سے یہ پاک گروہ ہی بدنام ہو گیا ہے) کے بارے میں کہا ہے:

قم باذن اللہ جو کہتے تھے وہ سب رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

سورہ بقرہ ۲۷۱ میں اللہ نے دوسرے طریقے سے خدمت فقراء کی ترغیب دی ہے اور ادھر متوجہ کرایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ

''اور اگر خیرات چھپا کر فقراء کو دو یہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ گھٹا دیے جائیں گے۔''

اللہ رب العزت نے اپنے پاک اور محبوب بندوں کا ذکر کئی جگہ اور کئی طرح سے کیا ہے۔ مندرجہ بالا آیات میں چونکہ لفظ فقراء سیدھا (Direct) استعمال کیا گیا ہے اس لیے بطورِ خاص ان آیات کو لکھا گیا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ اس گروہ (فقراء) کے سردار ہیں جو مسجد نبوی میں چبوترے پر بیٹھے رہتے تھے اور تمام دنیاوی مشاغل سے کنارہ کش تھے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا اور سننا ہی ان کی عبادت تھی۔ اپنی روزی کے لیے اللہ کو کفیل جانتے تھے اور اسی پر توکل کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحکم خداوندی ان کے قیام اور طعام کا بندوبست فرماتے تھے۔ فقر کی تعریف یہی ہے کہ جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو اور کسی بھی شے کے ملنے یا چھن جانے سے اسے کوئی فرق نہ پڑے، اس کا دل خواہشاتِ دنیاوی سے خالی ہو اور بجز اللہ کے کسی چیز سے راحت نہ پائے ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

''یہ اللہ کے وہ بندے ہیں جو زمین پر عاجزی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے کلام کریں تو وہ سلام کر کے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو حقیقی بھائی تھے ان میں سے ایک تو روزانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

Marfat.com

میں حاضر ہوا کرتا تھا اور دوسرا دن بھر روزی کماتا اور گھر کا خرچ چلاتا۔ ایک دن اس کمانے والے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی کہ یہ نکھٹو مفت کی روٹیاں کھاتا ہے ایک پیسہ نہیں کماتا اور گھر کا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال رکھا ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا (اے بے خبر تجھے کیا خبر) کہیں اسی کی برکت سے تجھے روزی نہ ملتی ہو۔

اللہ نے ایسے پاک لوگوں کا ذکر قرآن میں جابجا کیا ہے کسی جگہ ان کی تعریف کی ہے تو کہیں ان پر اپنے انعامات کا ذکر کیا ہے اور کسی جگہ ان کے اوصاف و کردار کو واضح کیا ہے تاکہ ان کی شناخت ہو سکے اور لوگ ان سے ہدایت اور استفادہ کر سکیں۔ اسی طرح احادیث نبویؐ میں بھی ان کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات مبارکہ تشریح کے ساتھ پیش ہیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۵۱ میں کارِ پیغمبری میں چار فرائض کا ذکر کیا گیا ہے جن میں دوسرا بڑا فریضہ تزکیہ یعنی اصلاح نفس کا ہے جو نبوت اور رسالت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہونے کے بعد مشائخ اور بزرگانِ دین کا کام ہے۔ لہٰذا اسے ہم ان پاک لوگوں کا بالواسطہ یعنی (Indirect) تذکرہ کہہ سکتے ہیں۔

سورہ بقرہ آیت ۱۵۲:

''تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔''

سورہ بقرہ آیت ۲۰۰:

''یاد کرو اللہ کو جس طرح یاد کرتے ہو تم اپنے آباؤ اجداد کو بلکہ اس سے زیادہ کرو۔''

سورہ النساء آیت ۱۰۳:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

''پھر تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے''

عام طور پر نماز، روزہ، تلاوت اور تسبیح وغیرہ کو ہی ذکر سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تو طاعت اور عبادت ہے جبکہ ذکر جیسا کہ آیات بالا سے صاف ظاہر ہے گویا کسی کو ایسے یاد کرنا ہے جیسے محبت کرنے والے ایک دوسرے کو یاد کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ نے اس کی مثال ایسے دی ہے جیسے انسان اپنے آباؤ اجداد یا بزرگوں کو یاد کرتا ہے۔ یعنی ذکر سے مراد اللہ کو اس طرح یاد کرنا جیسے گویا

Marfat.com

اپنے آباؤ اجداد یا بزرگوں کو یاد کیا جاتا ہے اور یہ طریقہ اور روش مشائخ کی ہے کہ اپنی صحبت اور مجلس میں بٹھا کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے محبوب بندوں کا ذکر کرتے ہیں یعنی ان کی باتیں اور احوال زندگی سناتے ہیں کہ انہوں نے زندگی میں اللہ کے راستے میں کیا کیا اور زندگی کس طرح بسر کی۔ یہی طریقہ تعلیم و تربیت اور ذکر و فکر کی محفلیں اور مجلسیں ہیں جن سے آیات مذکورۂ بالا کا مفہوم پورا ہوتا ہے اور بے شک ایسی مجالس پر اللہ کے انوار اور رحمتوں کا نزول ضرور ہوتا ہے۔

سورہ بقرہ آیت ۱۵۴:

''اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم اس بات کا شعور نہیں رکھتے۔''

عام طور پر آیت مبارکہ سے یہ مفہوم لیا جاتا ہے کہ یہ ان شہداء کے بارے میں ہے جو جنگوں میں شہید ہوئے جو ہے تو درست مگر محدود کر دینے والی بات ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں فرمایا یُقْتَلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ یعنی جو اللہ کی راہ میں مارے گئے گویا اللہ کی راہ پر صرف وہی ہیں جو اسلام کے لیے جنگ کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے واپسی پر فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف جاتے ہیں۔ اس سے جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم واضح اور وسیع ہو جاتا ہے جس کی مزید تشریح اس آیت سے ہوتی ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا

''جنہوں نے ہمارے لیے جدوجہد کی (جہاد کیا) ہم انہیں اپنا راستہ دکھا دیتے ہیں۔''

ایک جہاد وہ تھا جو اللہ کے دین اور ملک کے لیے تھا جسے جہاد بالسیف بھی کہتے ہیں اور یہ جہاد یا جدوجہد جس کا اس آیت شریف میں ذکر کیا گیا ہے خود ذات باری تعالیٰ (فینا) کے لیے ہے اور ایسا جہاد کرنے والوں کے لیے اللہ نے یہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ انہیں اپنی طرف کا راستہ دکھا دیتے ہیں تو گویا جن نیک اور پاک لوگوں نے اپنی پوری زندگی اسی جدوجہد یعنی اللہ کے راستے میں ختم کر دی ان سے بڑا شہید کون ہو سکتا ہے۔ یقیناً یہی جہاد اکبر ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اللہ کی ذات کے لیے جدوجہد سے مراد اور کچھ نہیں سوائے اللہ کی محبت، معرفت اور رویت یعنی دیدار کے حصول کی کوشش کے کہ یہی انسان کی پیدائش کا مقصد ہے۔ لہٰذا یہ بات دلیل سے واضح اور ثابت ہوتی ہے کہ تمام اللہ کے برگزیدہ اور خاص بندے جو محبوبان اور مقربانِ الٰہی

Marfat.com

میں شامل ہیں۔ اپنی قبروں میں بمنزلہ شہداء زندہ ہیں اور فرمان الٰہی کے مطابق انہیں مردہ نہیں کہنا چاہیے۔

مثال کے طور پر اس ضمن پر ایک تازہ ترین خبر جو روزنامہ ''خبریں لاہور'' مورخہ ۷/۷/۹۷ میں چھپی ہے۔ مع اس کے عکس اور متن کے پیش خدمت ہے جو یہ ہے:

روزنامہ ''خبریں'' لاہور

تاریخ ۷ جولائی ۱۹۹۷ء

راہ حق میں جان دینے والے کی لاش 4 ماہ بعد بھی تر و تازہ نکلی

کرم ایجنسی کا سردار خان 3 مارچ 97 کو تبلیغی دورے پر نکلا اور مہر شاہ میں ٹرین حادثہ کا شکار ہو گیا

لواحقین سے رابطہ نہ ہونے پر اس کی لاش کو امانتاً نشتر ہسپتال کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا

مرحوم کے بھائی کی درخواست پر قبر کشائی کی گئی تو لوگ تر و تازہ لاش دیکھ کر حیران رہ گئے

ملتان (بیورو رپورٹ) چار ماہ قبل تیز رو کے حادثے میں جاں بحق ہونے والے آخری نامعلوم شخص کی امانتاً دفن کی گئی لاش ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ملتان کے حکم پر نشتر ہسپتال کے قبرستان سے قبر کشائی کے بعد جب نکال کر لواحقین کے حوالے کر دی گئی' تر و تازہ نعش دیکھ کر لوگ حیران رہ گئے۔ تفصیل کے مطابق کرم ایجنسی کے گاؤں تحی زئی کا 35 سالہ سردار خان 3 مارچ 97 کو کرم ایجنسی سے چار ماہ کے تبلیغی دورہ پر جانے کے لیے پہلے رائے ونڈ پہنچا اور وہاں سے تیز رو میں سکھر کے لیے روانہ ہوا جو مہر شاہ ریلوے سٹیشن کے قریب حادثے کا شکار ہو گئی جس میں سردار خاں بھی تبلیغی جماعت کے دیگر ارکاں کے ہمراہ جاں بحق ہو گیا۔ اس کی لاش ورثا کے انتظار میں کئی دن تک نشتر ہسپتال کے سرد خانے میں پڑی رہی جسے طویل انتظار کے بعد امانتاً نشتر ہسپتال کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ بعد ازاں سردار خان کے بھائی سنک خان ولد بادشاہ نور نے نشتر ہسپتال ملتان رابطہ کیا جہاں اسے سردار خان کی لاش کی فوٹو دکھائی گئی تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے حکم پر بالآخر سردار سعید احمد گورچانی کنٹونمنٹ مجسٹریٹ اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اناٹومی نشتر ہسپتال ڈاکٹر نصرت پاشا کی نگرانی میں قبر کشائی کی گئی۔ تابوت قبر سے باہر آیا تو سب خدا کی قدرت پر حیران رہ گئے کہ نعش سے ذرہ بھر بھی بدبو نہیں آ رہی تھی اور لکڑی کا تابوت بھی بالکل صحیح حالت میں تھا۔

Marfat.com

قابل غور اور توجہ طلب بات یہ ہے کہ سردار خان نامی شخص رائے ونڈ سے سکھر کے لیے تبلیغی دورے یعنی اللہ کے راستے پر چلتے ہوئے دوران سفر ہی حادثہ میں انتقال کر گیا تو اللہ نے اس کو یہ اجر دے رکھا تھا کہ چار ماہ میں اس کی لاش کو کچھ نہیں ہوا اور دفن ہونے کے باوجود تر و تازہ رہی اور ان بزرگانِ دین کے بارے میں کیا کہیں گے جو قبروں میں ہیں لیکن جن کی پوری زندگی اللہ کے راستے میں اطاعت، عبادت، محبت اور تبلیغ و اشاعت دین میں گزری۔

اللہ نے بہت ساری نعمتوں کا ذکر سورہ رحمٰن میں کیا ہے جو انسان کو دی گئی ہیں اور یہ کہ کائنات اور دنیا کو کس کس طرح انسان کے لیے سجایا گیا ہے اور اس کے لیے مسخر بھی کر دیا گیا۔ تاہم اس اہم اور بنیادی نقطے پر انسان غور نہیں کرتا کہ یہ سب کچھ تو اللہ نے اس کے لیے جہان میں پیدا کیا لیکن خود اس کو کس لیے پیدا کیا؟ جواب صرف ایک ہی ہے کہ اسے صرف اللہ نے اپنے لیے پیدا کیا۔

سورہ بقرہ آیت ۱۵۶:

''جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہتے ہیں کہ سب اللہ کی طرف سے ہے اور ہم کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

یعنی ابتلا اور مصیبت کو آزمائش خداوندی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کوئی شکوہ، شکایت، شور و غوغا اور چیخ و پکار نہیں کرتے بلکہ صبر کرتے ہیں۔ اللہ نے اپنے ان خاص بندوں اور پاک نفوس کے بارے میں سورہ واقعہ میں اس قدر خوبصورت انداز میں اور صاف صاف بیان فرمایا ہے کہ جس کے لیے کسی وضاحت تک کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ روز قیامت اللہ انسانوں کو تین گروہوں (قسموں) میں تقسیم کریں گے:

وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَة

''اور تم تین قسم کے ہو جاؤ گے۔'' (آیت ۷)

فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَة

''داہنی طرف والے کیسے داہنی طرف والے۔'' (آیت ۸)

وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَة

''اور بائیں والے کیسے بائیں والے'' (آیت ۹)

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ

Marfat.com

''اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے۔'' (آیت ۱۰)

اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ

''وہی لوگ مقرب بارگاہ ہیں'' (آیت ۱۱)

فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ

''نعمتوں والی جنت میں'' (آیت ۱۲)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ

''اولون (پہلوں) میں سے ایک بڑا گروہ۔'' (آیت ۱۳)

وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ

''اور آخرین (بعد میں آنے والے) میں سے تھوڑے۔''

پہلا گروہ:

داہنی طرف والے یعنی نیک اور صالح لوگ جنہوں نے شریعت مطہرہ کی پابندی کی گناہوں سے پرہیز کیا اور اللہ کی اطاعت کی جس کے اجر کے طور پر انہیں بہشت میں داخل کیا جائے گا۔

دوسرا گروہ:

جنہوں نے اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کی اور زندگی گناہوں اور نافرمانی میں بسر کی ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

تیسرا گروہ:

جو سبقت لے گئے یعنی آگے نکل گئے کن سے؟ پہلے گروہ والوں سے یعنی انہوں نے جو زندگی بھر کیا وہ جنت کے حصول کے لیے نہیں کیا بلکہ خالص اللہ کے لیے اور اس کی محبت میں کیا اور طالبان الٰہی اور عاشقان الٰہی کہلائے جیسا کہ اس سے پہلا الذین جاھد وفینا کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا ہے کہ اے اللہ میں تیری عبادت جنت کے حصول کے لیے نہیں کرتا اور نہ ہی جہنم کے خوف سے کرتا ہوں میں تو تیری عبادت اس لیے کرتا ہوں کہ تو ہے ہی عبادت کے لائق۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

Marfat.com

زاہد کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے
سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

تو یہ ہوئے سبقت لے جانے والے اور انہیں کو آگے آیت ۱۱ میں مقربانِ بارگاہِ الٰہی بھی فرمایا گیا ہے اور ان کے لیے جنت بھی خاص ہے نعمتوں والی۔ ایک بات جو خاص طور پر آج کے اس زمانے میں نہایت غور طلب ہے وہ آیات ۱۳ اور ۱۴ ہیں جن میں ان محبوبانِ الٰہی کے بارے میں یہ بھی بیان اللہ نے کر دیا کہ اوّل زمانوں میں زیادہ ہوں گے اور آخری دور یا زمانے میں تھوڑے رہ جائیں گے۔ گویا وقت اور زمانے کے ساتھ کم رہ جائیں گے لیکن جس بات سے انسان کو حوصلہ اور اُمید ملتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ نعوذ باللہ کسی بھی زمانے میں ایسے لوگ بالکل ختم ہو جائیں گے۔ پس منشائے الٰہی سے ہی یہ ثابت ہوا کہ یہ مقربان بارگاہ الٰہی ہر زمانے میں رہیں گے۔ البتہ ان کو ملنے کے لیے ایک ہی شرط رہ جائے گی اور وہ ہے تلاش! جو اگر صدق اور طلب کے ساتھ ہو تو بقول کسے جوئندہ، یابندہ (جو تلاش کرتا ہے بالآخر پا لیتا ہے) کے مصداق اللہ اپنے فضل سے ایسی مقرب ہستی ملا دیتے ہیں۔

سورہ واقعہ کی آیات مذکورہ کی تشریح میں ایک حدیث مبارک بھی ہے کہ اللہ نے انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔

اوّل: اہلِ آخرت۔ جن پر دنیا حرام ہے۔

دوئم: اہلِ دنیا۔ جن پر آخرت حرام ہے۔

سوئم: اہل اللہ۔ جن پر دنیا اور آخرت دونوں حرام ہیں۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا دَاوٗدَ اِذَا رَاَيتَ لِي طَالِبًا فَكُن لَّهٗ خَادِمًا

''اے داؤد جب تو میرے کسی طالب (عاشق) کو دیکھے تو اس کا خادم بن جا۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو اپنے طالبان یعنی محبانِ الٰہی کا مقام بیان فرمایا ہے یعنی حضرت داؤد کے منصب نبوت پر تھے انہیں اپنے محبوب کی خدمت کا کہہ کر گویا اپنی محبت کی قدر و منزلت بیان فرمائی ہے اور جس سے دوسری یہ بات بھی نکلتی ہے کہ محبت کے لیے نبوت شرط

Marfat.com

نہیں۔ یہ غیر نبی کو بھی اللہ عطا فرما سکتے ہیں جن کو قرآن میں اولیاء (دوست) کہا گیا ہے۔

جب اللہ اپنے بندے کی محبت اور اطاعت سے راضی ہو کر اسے اپنے دوستوں یعنی اولیاء کے زمرے میں داخل کر لیتا ہے تو پھر اس کے ان گناہوں کا جو وہ پہلے کر چکا ہوتا ہے نہ صرف کہ معاف کر دیتا ہے بلکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنَات

''پس اللہ بدل دیتا ہے ان کے گناہوں کو نیکیوں میں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْن

''وہ تو ایسے (خاص) بندے ہیں جن پر کرم کیا گیا ہے۔''

پھر اللہ انہیں بشارت دیتا ہے:

سَنُرِیْہِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِہِمْ

''دکھا دیں گے ہم ان کو اپنی نشانیاں جہان میں اور ان کی اپنی ذات میں۔''

قرآن پاک میں ایک جگہ فرمان الٰہی ہے:

فَمَنْ کَانَ ہٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی

''کہ جو اس دنیا میں اندھا (نابینا) ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔''

مفسرین اور محققین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ یہاں اندھے سے مراد وہ شخص نہیں جو کسی بھی وجہ سے اپنی بینائی کھو دیتا ہے یا پھر پیدائشی نابینا ہوتا ہے۔ بلکہ یہاں اللہ کی مراد ان آنکھوں والے اندھوں سے ہے جن کی بظاہر بینائی درست ہے لیکن اللہ کی نظر میں وہ اندھے ہیں اس کے مقابلے میں آنکھوں والے وہ ہیں جن کا ذکر آیت مذکورہ بالا میں کیا ہے یعنی جو اس دنیا میں اللہ کی شانیں اور نشانیاں دیکھ لیتے ہیں۔

مِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّۃٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ

''ہم نے بعض گروہ (اُمتیں) ایسے پیدا کیے ہیں جو حق کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔''

Marfat.com

یہ آیت شریف بھی مشائخ کرام کی نشان دہی کرتی ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اتَّقُو اللّٰہَ وَابْتَغُوٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کا (قرب حاصل کرنے کے لیے) وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں (جہاد) کوشش کرو تاکہ تم کامیابی پاؤ۔“

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَب

”وہ مقبول بندے (فرشتے) جنہیں یہ مشرکین پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں ان کا جو ان میں سے اللہ کے زیادہ قریب ہیں۔“

جس وسیلے کا ذکر آیات بالا میں کیا گیا ہے وہی ذات شیخ یا پیر و مرشد کہلاتی ہے۔ لفظ پیر (معنی بزرگ) فارسی کا ہے اور مرشد عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ہدایت کرنے والا اور راہبر۔ قرآن پاک میں لفظ ولی اور مرشد کو واضح طور پر اللہ نے سورہ کہف آیت ۷ا میں اس طرح فرمایا:

مَنْ یَّھْدِ اللّٰہُ فَھُوَ الْمُھْتَدِ وَمَن یُّضْلِلْ فَلَن تَجِدَلَہٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا

”جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یاب ہے اور جسے گمراہ کرے تو ہرگز تم اس کا کوئی دوست (ولی) اور مرشد (راہبر) نہ پاؤ گے۔“

گویا اللہ جسے ہدایت دینا چاہیں گے اسے ولی اور مرشد مل جائے گا اور برعکس اس کے اگر کسی کو ایسا نہ ملے تو پھر اس کے لیے اللہ کی طرف سے گمراہی اور ضلالت ہے جو اللہ کا غضب اور اس کی ناراضگی ہے نعوذ باللہ منہا۔ اسی آیت شریف کی رو سے اقوال مشائخ میں یہ کہا گیا ہے کہ جس کا شیخ یعنی پیر و مرشد نہ ہو اس کا راہبر شیطان ہوتا ہے۔ اپنے ولی بندوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ کئی جگہ ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ

”تحقیق بے شک جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لیے نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

دوسری جگہ رب العزت اپنے دوستوں کے بارے میں ان سے دشمنی رکھنے والے کو تنبیہ

Marfat.com

(Warning) دیتے ہیں۔

مَنْ اٰذٰی لِی وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرب

''جو میرے دوست کو ستائے (تکلیف دے) میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔''

یہ نہایت خوفناک صورتحال ہے اور اللہ کی طرف سے کھلی تنبیہ ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ کے دوستوں اور برگزیدہ بندوں کی مخالفت کرتے ہیں اور گویا عذاب الٰہی کو دعوت دیتے ہیں۔ سورہ بقرہ آیت ۱۴۸:

وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا

''اور ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت یعنی چہرہ ہے کہ وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے۔''

اس ارشاد باری تعالیٰ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ گویا اللہ کے دوست ہر دور اور ہر زمانہ میں ہوں گے تاکہ ان کی طرف منہ یعنی رجوع کیا جا سکے۔

سورہ آل عمران آیت ۱۶ میں فرمایا! بے شک اللہ بڑے وسیع علم والا ہے اور جس پر چاہتا ہے اپنی خاص رحمت (برگزیدگی) عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔

یہ آیت ان اولیاء اور بزرگوں کی شان میں ہے جو اللہ کے محبوب ہوئے جنہیں سورہ واقعہ میں سبقت لے جانے والے اور مقربین بارگاہ کہا گیا جنہیں عبد (بندہ خاص) کہہ کر خطاب فرمایا اور انہیں علم لدنی عطا کیا گیا اور جنہیں خود ذات رب العزت نے سورہ بقرہ آیت ۱۵۷ میں یہ کہہ کر انہیں معزز کیا اور خراج تحسین پیش کیا۔

اُولٰٓئِکَ عَلَیۡہِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَرَحۡمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُہۡتَدُوۡنَ

''یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے درودیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یاب ہیں۔''

حکم الٰہی یہ بھی ہے کہ:

کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ

''صادقوں یعنی سچوں کے ساتھ رہو۔''

یہ مرتبہ اوّل درجے میں پیغمبروں کو حاصل ہے اور ان کے بعد خلفاء یعنی مشائخ کرام کا ہے

Marfat.com

کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے:

اَلشَّیخُ فِی قَومِہٖ کَالنَّبِیِ فِی اُمَّتِہٖ

''شیخ کی اپنی قوم (یعنی مریدین) میں وہی حیثیت ہے جو نبی کی اپنی اُمت میں ہے۔''

دوستانِ محترم! اگر آپ یہ خیال کریں کہ ایسی ہستیاں جن کا مبارک تذکرہ اُوپر ہوا ہے اب کہاں ہوں گی تو ایسا ہرگز نہیں سوچنا چاہیے کہ بزرگانِ دین اور اللہ کے مقرب اور خاص بندے ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ (رہتی دنیا تک) رہیں گے ہاں جیسا کہ سورہ واقعہ میں اللہ نے خود ہی فرمایا دیا ہے کہ آخری زمانے میں کم ہو جائیں گے۔ تاہم اسی بات سے ان کی ہمیشگی بھی تو ثابت ہوتی ہے۔ یہ ہستیاں دراصل عشق ومحبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پیروی میں اس مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں جس کے بارے میں حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرائیلؑ نے آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا بندہ (خاص) مجھے نوافل سے خوش کر دیتا ہے تو:

فَاِذَآ اَحبَبتُہٗ کُنتُ لَہٗ سَمعًا وَبَصَرًا وَیَدًا وَلِسَانًا

''جب میں اس کو دوست بنا لیتا ہوں (اس سے محبت کرنے لگتا ہوں) تو میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں۔''

یعنی اس کا سننا گویا میرا سننا ہے، اس کا دیکھنا میرا دیکھنا ہے، اس کا چھونا میرا چھونا ہے اور اس کا بولنا میرا بولنا ہے۔ یہ عبدیت کی معراج ہے جو صرف محبوبانِ الٰہی ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ مولانا روم کہ خود اس درجے کے بزرگ تھے فرماتے ہیں۔ (مثنوی)

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

''اس کا کہنا اللہ کا کہنا ہوگا، اگرچہ بندے (خاص) کے منہ سے ہوگا۔''

اسی طرح دوسری جگہ مثنوی میں فرماتے ہیں:

یک زمانہ صحبت با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

''ایک عرصہ اولیاء کی صحبت میں رہنا، سو سالہ بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔''

Marfat.com

پھر ان کی طاقت اور قوت کا جو انہیں بارگاہ الٰہی سے حاصل ہوتی ہے ذکر کرتے ہیں:

اولیاء راہست قدرت از الٰہ　　　تیر جستہ باز گرداند زراہ

''اللہ کے دوستوں کو اللہ کی طرف سے یہ قدرت ہوتی ہے، کہ تیر (کمان سے نکلا ہوا) کو راستے سے واپس کر دیتے ہیں۔''

اللہ کے یہ دوست اور محبوب بندے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت میں خود کو اس طرح فنا کر دیتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کی مجسم تفسیر بن جاتے ہیں:

اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُكِی وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

''بے شک میری نماز اور قربانی مرنا اور جینا پروردگار عالم ہی کے لیے ہے۔''

جب یہ لوگ اللہ سے کوئی عہد و پیمان کر لیتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں جس کی گواہی خود ذات باری تعالیٰ سورہ رعد آیت ۲۰، ۲۱ میں دیتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ یُّوْصَلَ

''یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ عہد کرتے ہیں اسے پورا کرتے ہیں اور اپنا اقرار نہیں توڑتے اور یہ لوگ جوڑتے ہیں اسے جس کے جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔''

دوستانِ محترم! مذکورہ بالا ذکر اللہ کے مقرب اور محبوب بندوں کا ہے اور یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ جب اللہ اپنے ان پاک لوگوں کا ذکر کر رہا تھا تو یہ بات علمِ الٰہی سے کیوں کر باہر ہو سکتی تھی کہ ان پاک لوگوں کی نقل بھی ہوگی اور ان کی سی صورت بنا کر دنیا کو دھوکہ دینے والے، جھوٹے اور جعلی پیر بھی آئیں گے۔ چنانچہ ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنی شان کریمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے جھوٹوں کے چہرے بھی بے نقاب کر دیے تاکہ سند بھی رہے اور بوقت ضرورت کام بھی آئے اور لوگ ان کو شناخت کر کے ان کی دست برد سے بچ سکیں۔ سورہ بقرہ آیت ۲۷ میں ارشاد ہوتا ہے یعنی اللہ خبردار کرتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

Marfat.com

يُوصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ

''وہ لوگ جو اللہ سے کیے عہد کو توڑ دیتے ہیں۔ پکا ہونے کے بعد اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں وہی لوگ نقصان میں ہیں۔''

مندرجہ بالا دو آیات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ہمارے آج کے دور میں ان فرمودات کو سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت اتنی بڑھ گئی ہے جتنی شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھی کہ اقتدار اور دنیا پرست لوگوں نے اپنی ہوسِ اقتدار اور دنیاوی دولت کے لالچ اور طمع میں علماء اور پیروں کا روپ دھار کر مسلمان کو مسلمان کے خون کا پیاسا بنا دیا ہے۔ فرقہ واریت کے نام پر خوں ریزی اور دہشت گردی ہو رہی ہے جس میں لاتعداد بے گناہ افراد مارے گئے ہیں۔ اللہ ہمیں ان مذہبی درندوں سے بچائے جو دین اور مذہب کے نام پر مسلمانوں کو ایک دوسرے سے ملانے کی بجائے کاٹ رہے ہیں۔

سورہ بقرہ آیات ۱۱، ۱۲ میں ایسے نام نہاد پیروں، بزرگوں (جنہیں آج کل مذہبی لیڈر کہا جاتا ہے) کے کردار کی مزید تشریح نہایت عام فہم اور خوبصورت انداز میں کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ○ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ○

''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار یہی فسادی ہیں مگر اس کا شعور نہیں رکھتے۔''

اصل میں ان لوگوں نے اللہ رب العزت اور اس کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تاویلات اپنی خواہش نفس سے اپنی ضرورت کے پیش نظر گھڑ لی ہیں۔ حالانکہ ان کے نفوس ابھی نفس امارہ کے درجہ سے بھی نہیں نکلے۔ کیونکہ کسی کامل نے ان کے نفس کی اصلاح نہیں کی۔ یہ کسی ایسے مردِ خدا کے پاس گئے ہی نہیں یعنی ان کا کبھی ایسا ارادہ تک نہیں ہوا۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں جو خود اپنے زعم میں ہی بزرگی کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں سورہ الفرقان آیت ۴۳ میں آیا ہے:

Marfat.com

اَرَأَیتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه' هَوَاهُ

''کیا دیکھا تم نے اس شخص کو جس نے اپنے نفس کی خواہش کو معبود (خدا) بنالیا ہے۔''

یعنی اللہ کی اطاعت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں بلکہ اپنی خواہش نفس کی پیروی کر رہا ہے۔

اب ہم پھر اللہ کے ان پاک اور خاص بندوں (عباد) جنہیں عرف عام میں مشائخ کرام کہا جاتا ہے، کا ذکر کرتے ہیں سورہ آل عمران آیت ۱۷ میں ذات باری تعالیٰ نے ان کے کچھ مزید اوصاف بیان فرماتے ہیں جو ان کی شناخت کا باعث ہیں۔

الصّٰبِرِین (صبر کرنے والے) وَالصّٰدِقِیْن (سچ بولنے والے) وَالقٰنِتِین (قناعت کرنے والے) وَالْمُنفِقِیْن (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے) وَالْمُسْتَغْفِرِیْن بِالْاَسْحَار (اور بوقت سحر توبہ کرنے والے) ایسی شخصیت جس میں یہ اعلیٰ اوصاف ہوں یقیناً اسوہ حسنہ کا مرقع ہی ہوگی۔

اسی سورہ مبارکہ آیت ۱۰۴ میں اس کا طرزِ زندگی اور اللہ نے جو فرائض ان کے ذمہ کیے ہیں ان کا ذکر اس طرح آتا ہے:

وَلْتَکُن مِّنکُمْ اُمَّةٌ یَّدعُوْنَ اِلَی الْخَیرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ط وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْن

''اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے (یعنی ہوگا، رہے گا) جو بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھے کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

پھر اسی سورہ مبارکہ میں آیت ۱۳۴ میں ان کے ان اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا ہے جو انسانیت کی معراج اور اہل محبت کا خاصہ ہے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ، وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْن

''وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ ضبط کرتے ہیں

Marfat.com

اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں بے شک اللہ ایسا احسان کرنے والوں
سے محبت رکھتا ہے۔"

جب انسان میں وہ تمام اوصاف حمیدہ اور پاکیزہ خصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو مقبول بارگاہ رب العزت ہیں تو پھر اسے ایسی نعمتوں سے نوازا جاتا ہے جیسے سورہ الزمر آیت ۲۲ میں فرمان الٰہی ہے کہ:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِنْ رَبِّهٖ

"بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر سو وہ اُجالے میں ہے اپنے
رب کی طرف سے۔"

احیاء العلوم میں حضرت امام غزالیؒ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اس کو نور بصیرت، نور ایمان اور نور یقین بھی کہتے ہیں یعنی دل میں ایک ایسی صفت کا پیدا ہونا ہے جس سے دل ان باتوں کو جان لیتا ہے جو ظاہر نہیں ہوتیں اور بات یا معاملہ کی حقیقت اس پر منکشف ہو جاتی ہے۔ جسے اولیاء کی اصلاح میں کشف کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں اس کا ذکر اس طرح بھی آیا ہے:

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآئَكَ

"ہم نے تمہاری نظر سے حجاب اُٹھا دیا۔"

یہ بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُمُ اللّٰهِ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا

"کسی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ سے ہم کلام ہو سوائے بذریعہ وحی
کے یا پردے کے پیچھے سے یا وہ کوئی قاصد (فرشتہ) بھیجے۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (پیر و مرشد حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ) اپنی کتاب عوارف المعارف میں آیت مذکورہ بالا کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ وحی اور فرشتے کے ذریعہ سے اللہ کا بات کرنا تو پیغمبروں اور رسولوں کے ساتھ مخصوص تھا البتہ پردے کے پیچھے سے یعنی الہام، ہاتف غیبی اور سچی خوابوں کے ذریعہ سے اللہ گفتگو کر سکتے ہیں اور یہ درجہ مسلمہ اور بے شک اللہ کے برگزیدہ بندوں یعنی مشائخ، پیرانِ کامل اور علمائے حق کا ہے۔

اس ضمن میں مثال کے طور پر ہم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ پیش

Marfat.com

کرتے ہیں جو تاریخ اسلام میں ایک درخشاں باب کی طرح مذکور ہے اور جس سے کوئی بھی مکتبہ فکر اختلاف نہیں کر سکتا۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسلامی لشکر کے امیر تھے مدینہ شریف سے جو کہ اسلامی دارالخلافہ تھا سینکڑوں میل دور کافروں سے جنگ کر رہے تھے۔ دورانِ جنگ اسلامی لشکر گھیرے میں آ گیا اور شکست کے آثار نظر آنے لگے عین اسی وقت مدینہ شریف میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ اچانک انہوں نے بآواز بلند کہا ''یا ساریۃ الجبل '' یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جا۔ مسجد میں موجود حاضرین حیران تو ہوئے لیکن سمجھ نہ سکے اور نہ ہی خطبہ کی وجہ سے پوچھ سکے کہ آپ نے یہ کیا فرمایا۔ ویسے بھی یہ کہنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا خطبہ جاری رکھا۔ تاریخ اسلام ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ آواز میدانِ جنگ میں پورے ہوش و حواس میں نہ صرف سنی بلکہ اس پر فوری عمل بھی کیا۔ جس سے مسلمانوں کی شکست فتح میں بدل گئی۔ یہ تاریخی بات کشف و کرامات کے باب میں ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کبار صحابہ کرام میں سے تھے اور امیر المومنین بھی تھے اور اس منصب خلافت پر فائز تھے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور پیروی کی وجہ سے مقام عبدیت پر تھے جس کی وجہ سے ان میں وہ روحانی قوت تھی۔ جس سے نہ صرف کہ انہوں نے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سینکڑوں میل دور اپنی آواز پہنچائی بلکہ واقعہ یہ ثابت بھی کرتا ہے کہ میدانِ جنگ ان کے سامنے تھا اور وہ اسے دیکھ بھی رہے تھے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہاڑ کی اوٹ جانے کا حکم کیسے دے سکتے تھے۔ اسی روحانی قوت کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں کشف اور کرامت کہا جاتا ہے۔

اولی الامر کون ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

''اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب امر (حکم) ہوں۔''

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے واجب ہونے میں کسی کو کوئی کلام نہیں۔ البتہ تیسرے

Marfat.com

درجے میں جن کی اطاعت کو فرض کیا گیا ہے اس کا سمجھنا ضروری ہے کہ وہ ہستیاں کون ہیں تا کہ اس فرض کی بجا آوری ہو سکے۔ ایک بات جو اس آیت مبارکہ سے سیدھی اور صاف سمجھ میں آتی ہے اور نہایت قابلِ غور بھی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ نے بسلسلہ اطاعت اس تیسری ذات یعنی اولی الامر کو اپنی اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صف یعنی ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا ہے جس سے اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر غور وفکر کرتے وقت محض اسی ایک بات کو مدنظر رکھا جائے تو اس مسئلہ کو سمجھنا آسان بھی ہو جاتا ہے اور کوئی اُلجھن (Confusion) بھی نہیں رہتی۔ اولی الامر کا ظاہری اطلاق دنیا کے بادشاہوں، سلاطین اور حاکموں پر کیا جاتا ہے جبکہ دنیا کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ان بادشاہوں یا حاکموں کی اکثریت اپنی عیش پرستی، فسق وفجور، ظلم وزیادتی، خوں ریزی اور قتل وغارت گری کی وجہ سے مشہور ہے۔ شاہان مغلیہ کہ اپنی شراب نوشی اور عیش پرستی میں بے نظیر تھے۔ خود کو ظل الٰہی کہلاتے تھے اور ایسا وہ آیت مذکورہ بالا کی آڑ میں ہی کرتے تھے کہ اس وقت کے ان کے درباری اور سرکاری علماء نے جو غایت درجہ کے دنیادار اور حریص ہوتے تھے، انہوں نے اس آیت مبارکہ کو Exploit کیا تھا تا کہ عوام پر ان کا رعب اور دہشت قائم رکھی جائے اور لوگوں کو مذہب کی آڑ لے کر اطاعت اور غلامی پر قائم رکھا جائے اور اس طرح شاہی اقتدار کو محفوظ کیا جائے تا کہ ان علماء کی جو حقیقت میں علمائے سوء تھے، نہ کہ علماء حق، اپنی جاہ و حشمت، دولت اور درباری عزت بھی بحال رہے۔ اب آپ غور کریں اور بتائیں کہ کیا ایسے اشخاص کو خواہ وہ بادشاہ ہوں یا حاکم، نعوذ باللہ، اللہ اور ان کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صف میں کھڑا کیا جا سکتا ہے، یقیناً نہیں۔

قرآن پاک میں ہی صاحبان امر (جنہیں اولی الامر کہہ سکتے ہیں) کا تذکرہ اس طرح فرمایا گیا۔ سورہ آل عمران آیت ۱۰۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

''جو امر (حکم) کرتے ہیں نیک کاموں کا اور (حکماً) منع کرتے ہیں برے کاموں سے۔''

ایسا حکم تو ویسے کوئی بھی دے سکتا ہے تاہم منشائے الٰہی کے مطابق اور عقلاً بھی ایسا حکم کرنے کا مجاز وہی ہوگا جو اوّل خود اس بات کا حامل اور عامل ہو اور دوسرے ایسے حکم کو نافذ کرنے کا مجاز

Marfat.com

بھی۔ پس ثابت ہوا کہ اولی الامر وہی ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع (پیروی) کرنے والے اور شریعت مطہرہ پر مکمل عمل کرنے والے ہوں یعنی پہلے دین کے بادشاہوں گرچہ دنیا کی بادشاہی یا حکومت ان کے پاس ہو یا نہ ہو۔ اس جمال کی تفصیل اور روشن مثال خلفائے راشدین کی ہے جو دین کے بھی اور دنیا کے بھی حاکم تھے اور بے شک اولی الامر تھے تاہم خلافت راشدہ کے بعد جب امام حسنؓ نے خلافت سے دستبرداری کی تو اس کے بعد خلافت ملوکیت میں بدل گئی اور حکومت صرف دنیا کی رہ گئی۔ چنانچہ اولی الامر والی بات بھی خود بخود ختم ہوگئی۔ تاریخ عالم میں اگرچہ کم سہی لیکن ایسے بادشاہ بھی ہو گزرے ہیں جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ ساتھ دین کے بادشاہ یعنی اولی الامر بھی تھے۔ مثلاً خلافت راشدہ کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور خلافت ایسا ہوا جس نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی۔ برصغیر کے بادشاہوں میں قطب الدین ایبک، ناصر الدین محمود، شمس الدین التمش، غیاث الدین بلبن، شیر شاہ سوری وغیرہ نیک، صالح اور باشریعت لوگ تھے جس وجہ سے انہیں درویش بادشاہ بھی کہتے ہیں۔ آخری مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر اگرچہ کچھ معاملات میں متنازعہ بھی ہے تاہم اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بڑا دیندار پرہیزگار اور عالم دین بھی تھا۔ جس کی کتاب فتاویٰ عالمگیری بہت مشہور ہے۔ لہٰذا ایسے بادشاہ یا حاکم جو کہ دیندار اور نیک ہوں البتہ اولی الامر کی اس صف میں کھڑے کیے جاسکتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوا کہ حقیقی اولی الامر وہی ہیں جو دین کے بادشاہ ہیں۔ اللہ کے دوست (ولی) اور خاص بندے (عباد) یعنی مشائخ کاملین ہیں۔ لہٰذا ان کی اطاعت از روئے فرمان الٰہی فرض ہے۔ سورہ انعام آیت ۹۰ میں اللہ نے اس کی تاکید اس طرح فرمائی ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ

''یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے پس تم انہیں کی راہ پر چلو''

کیونکہ جو خود ہدایت یاب ہے وہی دوسرے کو ہدایت دے سکتا ہے۔

تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ اکبر بادشاہ جو مغلیہ خاندان میں مغل اعظم اور اکبر اعظم کہلایا خود چل کر ایک فقیر درویش خواجہ سلیم چشتی کے پاس گیا اور اولاد نرینہ یعنی وارث تخت کے لیے دعا کی درخواست کی جو قبول ہوئی اور ان بزرگ کے کہنے پر کہ اس فرزند کا نام ہمارے نام پر رکھا جائے، اس کے پیدا ہونے پر اس کا نام سلیم ہی رکھا گیا جو بعد میں سلیم الدین جہانگیر کے نام سے

Marfat.com

تخت نشین ہوا۔اب صاحبِ امر یعنی اوالامراس مطلق العنان شہنشاہ اکبر کو کہیں جو محتاج ہوا ایک اللہ کے فقیر اور درویش بندہ خاص کا یا اسے کہیں جس نے اس بادشاہ کی حاجت روائی کی اور خود ایک حجرے میں بوریہ نشین تھا۔

دوستانِ گرامی! مندرجہ بالا ارشاداتِ خداوندی اور دیگر بیان کردہ روایات سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ خود کو ایسے کاملین اور پاک لوگوں کے سپرد کر دے اور ان کی خدمت اور صحبت اختیار کرے تا کہ نفس کی اصلاح ہو سکے اور اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور معرفت حاصل کر سکے اور اس طرح اپنی پیدائش کا مقصد پا سکے۔

بیعت مشائخ:

مشائخ کرام کی صحبت سے مستفید ہونے اور ان سے فیضیاب ہونے کے لیے ان سے بیعت ہونا ضروری ہے۔ بیعت کا مطلب اور لفظی معنی باہمی عہد و پیماں ہے جو طالب (یعنی مرید) اور مطلوب (یعنی پیر) کے درمیان ہوتا ہے جو شخص کسی بزرگ یعنی شیخ کا ارادہ کرے اور اس سے بیعت ہو جائے تو گویا وہ تحکیم کرتا ہے یعنی پیر و مرشد کی اطاعت اور اس کا حکم ماننا اس پر واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شیخ کامل اولی الامر کے مقام پر ہوتا ہے اور بمطابق حدیث شریف نبی کا قائم مقام ہوتا ہے۔

بیعت اور اس کا طریقہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ سورہ الفتح آیت ۱۰ میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ

"بے شک وہ لوگ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں یقیناً وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔"

تاریخ اسلام میں یہ بیعت جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لی، بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ بیعت ہونے اور کرنے کا طریقہ جیسا کہ قرآن نے بتایا یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دایاں ہاتھ اس شخص کے داہنے ہاتھ کے اوپر جو بیعت ہوتا اس طرح رکھ کر پکڑتے کہ دونوں ہتھیلیاں آپس میں ملی ہوتیں اور پھر اس سے وفاداری اور اطاعت کا عہد لیا جاتا۔ قرآن پاک میں اللہ نے اس بیعت کو اپنی ذات سے منسوب کیا ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا ہے جس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ بندہ جو عہد بھی کر رہا ہے وہ گویا سیدھا

Marfat.com

ذات باری تعالیٰ سے کر رہا ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد اس کے بارے میں جو فرمایا ہے وہ نہایت ایمان افروز ہے اور اس سے ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی عظمت اور ادب کی معراج نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست پاک پر بیعت کی ہے اس دن سے میں نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے نفس یا کسی ناپاک یا غلیظ چیز کو نہیں لگایا بلکہ گاہے گاہے اپنے ہی اس ہاتھ کو چومتے رہتا تھا۔

مشائخ سلسلہ چشتیہ، نظامیہ، اشرفیہ میں آج تک بیعت اسی طرح لی جاتی ہے جو مسنون ہے دیگر سلاسل میں اور طریقوں سے بھی بیعت کرتے ہیں تاہم وہ مسنون نہیں۔ خواتین سے بیعت لینے کا طریقہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح تھا کہ اپنا دایاں دست مبارک پانی کے کسی طشت میں رکھ دیتے جبکہ طشت کے دوسری جانب اسی پانی میں عورت اپنا دایاں ہاتھ رکھ دیتی جہاں ایسی صورت ممکن نہ ہوتی وہاں رومال کا ایک کونہ خود تھام لیتے جبکہ دوسرا کونہ عورت تھام لیتی اور اس طرح بیعت مکمل ہو جاتی۔ قرآن پاک میں عورتوں کی بیعت کا بھی حکم آیا ہے۔

حدیث شریف

عَن عُمر بِنْ خَطَّاب رَضِی اللّٰهُ عَنه' قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اِنَّ مِنْ عِبَادَاللّٰهِ اُنَاسُ مَاهُمب الْاَنْبِیَآءُ وَلَا اشّهَدَاءُ یغبطُهُمُ الْاَنْبِیَآءُ وَالشُّهَدَاءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِمکَانِهِم مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ مَا اَعْمَالَهُمْ لَوْ اِنَّا نُحِبُّهُمْ قَالَ قُوْمٌ یَتَحَابُوْنَ بِرُوحِ اللّٰهِ مِنْ غَیْرِ اَرْحَامِ بَیْنَهُمْ وَلاَ مَالِ یَتَقَالُوْنَهَا بَیْنَهُمْ وَاللّٰهِ اَنَّ وَجُوْهَهُمْ اَنورٌ فَاَنَّهُمْ لَعلی مَنَابَر مَن نُورِ وَلَا یُخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ ثُمَّ قَراءَ اَلا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیهِم وَلَاهُم یَحْزَنُوْنَ.

''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ گو وہ نبی یا شہید تو نہیں لیکن نبی اور شہید روز قیامت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی قدر و منزلت پر رشک کریں گے۔ ایک نے پوچھا ان کے اعمال کیا ہیں تا کہ ان

Marfat.com

کی شناخت کر کے ان سے محبت سے پیش آئیں فرمایا دنیا میں انہوں نے حَسبۃً لِلّٰہ دوستی کی کسی رشتہ داری یا لین دین کی وجہ سے آپس میں محبت نہیں کی۔ بخدا ان کے چہرے روشن ہیں نور کی وجہ سے ان کا درجہ بلند ہوگا جب عام لوگ خوف خدا سے ڈریں گے تو وہ ہرگز نہ ڈریں گے اور جب اور لوگ غمگین ہوں گے تو انہیں کسی قسم کا غم نہ ہوگا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت پڑھی۔ تحقیق اللہ کے دوستوں کے لیے نہ خوف ہوگا اور نہ ہی غمگین ہوں گے۔"

Marfat.com

بابِ محبت و عشق

حدیث شریف میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَللّٰهُ جَمِيْلٌ وَّيُحِبُّ الْجَمَال

''اللہ حسین ہے اور حُسن سے محبت رکھتا ہے۔''

گویا حسن اللہ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور چونکہ اللہ خود لامحدود ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں لہٰذا اس کی صفات کی بھی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی یعنی حسن بھی کسی تعریف (Definition) میں نہیں لایا جا سکتا کہ لامحدود ہے۔ لہٰذا جو کچھ بھی حسن کے بارے میں کہا گیا ہے یا کہا جا سکتا ہے وہ اس کی تشریح ہی کہلائے گی۔ مثلاً ایک مسلمہ تعریف جو حسن کی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حسن وہ ہے جو عشق پیدا کرے یعنی جسے دیکھ کر دیکھنے والے کے دل میں اس کے لیے محبت پیدا ہو جائے کہ محبت عشق ہی کی ابتدا ہے اور عشق، محبت ہی کی انتہا سے شروع ہوتا ہے اور پھر اس کی کوئی انتہا نہیں وہ اللہ کی طرح لامحدود ہے۔ اسی لیے عشق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اَلعِشق ھُو الله۔

حسن کی تشریح میں دو پہلو ہیں ایک ظاہری، دوسرا باطنی۔

ظاہری پہلو میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) چہرہ (Features)

(۲) موزونیت اعضاء (Profile)

(۳) ادا یعنی حرکات پسندیدہ۔

(۴) گفتار یعنی آواز اور انداز گفتگو۔

(۵) رفتار یعنی چال ڈھال۔

باطنی پہلو میں وہ تمام پسندیدہ خصائل اور طبیعت و کردار کی خوبصورتی شامل ہے جیسے سچائی،

Marfat.com

اخلاق حمیدہ، نرمی اور رحم دلی، شائستہ اطوار، ادب اور کمال فن وغیرہ وغیرہ۔

جب یہ تمام اوصاف کسی انسان میں پائے جائیں تو اسے حسین یا جمیل کہا جائے گا اور بے شک ایسا حسن ہی محبت پیدا کر سکتا ہے۔ مندرجہ بالا صفات میں کوئی کم اور کوئی زیادہ ہو سکتی ہے۔ تاہم ان سب کا ایک حسین امتزاج اور توازن (Balance) ہی حقیقی حسن کہلاتا ہے۔

محبت نام ہے اک جذبۂ لطیف اور پاکیزہ احساس کا جو قلب انسانی سے اُبھرتا ہے اور دو وجودوں کے درمیان مشترک ہوتا ہے جو اوّل محبت اور انتہائے محبت پر جا کر عشق کہلاتا ہے۔ محبت کرنے والے کو محب یا عاشق اور جس سے کی جائے اسے محبوب یا معشوق کہیں گے۔ محبت غیر جنس سے نہیں ہوتی ہم جنس سے ہی ہوگی یعنی انسان کو انسان سے اور یہ جو بعض اوقات انسانوں کو پرندوں اور جانوروں سے محبت کہی جاتی ہے وہ دراصل محبت نہیں ایک قسم کی پسندیدگی یا اُنس ہے جو بڑھ جانے کی وجہ سے ایسا کہا جاتا ہے، رہا جانوروں کا انسان سے سو وہ بھی محبت نہیں ہو سکتی کہ یہ جذبہ صرف آدم یعنی انسان کو اللہ کی طرف سے پیدائش کے ساتھ ہی ودیعت کیا گیا ہے۔ جبکہ اور کسی مخلوق کو نہیں دیا گیا تاہم جانوروں سے جو انسان کے لیے کہیں کسی وقت ظاہر ہوتا ہے جسے محبت کا نام دے دیتے ہیں۔ وہ بھی دراصل ان کا جذبۂ وفاداری، اچھی نسل سے ہونے اور مالک کے حسن سلوک کا فطری ردعمل ہوتا ہے۔ محبت تو دراصل بہت بڑا عطیہ خداوندی اور اللہ کا ایک بھید ہے جس کا ماحصل کیف و سرور مستی، وجدان اور علم (Knowledge) ہے۔

مقامات محبت:

وہ جسے پہلی نظر میں محبت کا ہو جانا (First sight love) کہتے ہیں وہ ہے تو سہی لیکن اس قدر کم کہ نہ ہونے ہی کے برابر ہے اور یہ انسانی اختیار سے بالکل باہر ہے۔ ایسی صورت کو خاص عطائے ایزدی یعنی وہبی کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ محبت کے ہونے کا (یا کرنا بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس میں ارادے خواہش اور سعی کا دخل ہے) بھی فطری تقاضوں کے عین مطابق اور کسبی کہلاتا ہے۔ جو تین مرحلوں میں ہے۔ پہلا مرحلہ تعارف کہلاتا ہے یعنی دونوں کا ملنا یا آمنا سامنا ہونا (کہ اس سے پہلے اجنبیت ہوتی ہے) اس میں ایک عجیب قسم کی پسندیدگی اور فرحت محسوس ہوتی ہے۔ ایک بات کی وضاحت یہاں بہت ضروری ہے کہ اس احساس کا دونوں طرف بیک وقت پیدا ہونا لازم نہیں۔ کہیں پہلے اور کہیں بعد میں بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر دونوں جانب ہو

Marfat.com

تو سبحان اللہ۔

جب روابط بڑھتے ہیں تو وقت کے ساتھ ساتھ ایک ذہنی، مزاجی اور خیالی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے جس سے معاملہ دوسرے درجے میں آ جاتا ہے جسے اُنس (linking) کہتے ہیں۔ یہ درجہ خدمت کا متقاضی ہے تاہم خدمت میں جو دامے، درمے اور سخنے ہوتی ہے، اگر عقل اور مزاج یار کو مدنظر نہ رکھے تو کی گئی خدمت بے اثر ہو جاتی ہے۔ اُنس جب اپنی حد کو پہنچتا ہے تو تیسرے درجے میں ڈھل جاتا ہے یعنی محبت کا آغاز ہوتا ہے۔ محبت، موافقت اور تسلیم و رضا کا نام ہے۔ موافقت کا مطلب ہے کہ محبوب کی کسی بات یا حرکت پر کبھی اعتراض پیدا نہ ہو اور تسلیم و رضا نام ہے اپنی ذات کی نفی کرنے اور محبوب کی ذات کا اثبات کرنے کا۔ نفیِ ذات سے مراد یہ ہے کہ محبوب کی خواہش اور ارادے کے سامنے اپنی تمام خواہشات اور ارادوں کو فنا کر دے۔ اس کی ہر بات کو دل سے قبول کرے اور اس کی خوشی میں خوش رہے۔ اثبات یہ ہے کہ محبوب کی اطاعت کرے اور مخالفت سے ایسے پرہیز کرے جیسے گناہ سے واجب ہے۔ بلکہ دل سے اس کی تعظیم اور تکریم کرے۔ اس کے ذکر اور خدمت میں ہی آرام پائے۔ محبوب کو گھیر لینے اور اسے حاصل کر کے اس سے جسمانی حظ اُٹھانے کی خواہش رکھنا ہوس ہے محبت نہیں، اس سے بچنا چاہیے۔ اہل محبت جسم و بدن کی کیفیات کے طالب نہیں ہوتے کہ یہ خواہش نفس کی ہوتی ہے جبکہ محبت کا تعلق دل سے ہے۔ محبت انعامِ خداوندی، عطیہ حق تعالیٰ اور انوار الٰہی کا مرقع ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت اور توقیر کرنا لازم ہے تاکہ حسن ازلی کی کرشمہ سازیاں دیکھ سکے، جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت اور فراق میں رونے سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جاتی رہی اور پیراہن یوسف کے آنکھوں سے لگانے سے آنکھوں کا نور واپس آ گیا۔ زلیخا جو عشقِ یوسف میں فنا تھی جب تک بحکم خداوندی، دولتِ وصال میسر نہ آئی اس کی آنکھیں روشن نہ ہوئیں۔ محبت جب اس درجے میں آ جائے کہ محبوب کی جفا بھی شکر جیسی میٹھی اور اچھی لگے تو پھر انسان محبت میں ایسی حلاوت پاتا ہے اور اسے وہ لذت نصیب ہوتی ہے جس کے سامنے دو جہاں کی لذتیں ہیچ ہیں۔ اسی لیے آج تک جو کوئی اس درجہ میں آیا اور اس لذت سے آشنا ہوا پھر واپس نہ جا سکا اور Legend بن گیا۔ محبت کی یہ لذت انسان کو ایسے وجدانی عالم میں لے جاتی ہے جہاں پر ایسے علم کا دروازہ اس پر کھلتا ہے جو اور کسی ذریعہ سے نہیں مل سکتا اور جس سے غیب کے اسرار اس پر کھلنے لگتے ہیں۔ ایسے علم کا مأخذ جسے

Marfat.com

عرفِ عام اور نچلی سطح پر (Inspiration or Intution) بھی کہتے ہیں کبھی چہرہ محبوب اور کبھی القاء بالقلب ہوتا ہے جیسے کہ غالب نے جو عاشقوں کے سردار ہو گزرے ہیں کہا ہے۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

محبت جب اپنی انتہا کو پہنچتی ہے تو عشق کی ابتدا ہوتی ہے جس کی پھر کوئی انتہا نہیں اور وہ بندے کو خدا تک لے جاتا ہے۔ اسی لیے حضرت نظامی گنجویؒ جو اللہ کے ایک محبوب ہو گزرے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اللہ طلبی روبرہ عشق نظامی العشق ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ

''اے نظامی اگر اللہ کی چاہت ہے تو عشق کا راستہ پکڑ، کہ عشق ہی اللہ ہے، اللہ ہے، اللہ ہے۔''

محبت کی خلعت چونکہ وجود انسانی کے لیے بنائی اور اسے پہنائی گئی اس لیے محبت کے حامل اور عاشق ہر قوم، مذہب وملت اور خطہ زمین میں پیدا ہوئے اور امر ہو گئے۔ آدم سے لے کر آج تک اور آئندہ قیامت تک عاشقی کا سلسلہ جاری رہے گا اور عاشقوں کے سر پر شہرت عام اور بقائے دوام کا تاج سجتا رہے گا جن میں لیلیٰ مجنوں، شیریں فرہاد، ہیر رانجھا، وامق عذرا، رومیو جیولیٹ اور بے شمار ایسے نام ہوں گے جو علاقائی داستانوں میں پائے جاتے ہیں۔

خطرات محبت:

یہ جو کہا جاتا ہے کہ محبت کا راستہ بڑا کٹھن ہے تو وہ اس لیے ہے کہ محبّ اور محبوب کے درمیان یہی تو فاصلہ ہے جسے طے کر کے باہم وصل کی منزل تک پہنچتے ہیں۔ اہلِ محبت کے نزدیک یہی پل صراط ہے جو تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہے جس پر سے گزرنا ہوتا ہے ذرا سی لغزش یعنی ہوس (Lust) سے اگر آلودہ ہو جائے تو انسان پاتال میں ایسی گہرائی میں گر جاتا ہے جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوتی۔ خواہشات نفسانی پر کنٹرول اور غلبہ ہوس سے بچنے کے لیے ہی تو ایسے راہبر کی ضرورت ہوتی ہے جو خود ان منازل سے بخیر وخوبی گزر کر گوہر مقصود پا چکا ہو۔ ایسا راہنما اور اُستاد یا پیرو مرشد ہی ہوس کی خطرناک گھاٹی پر سے پھسلنے سے بچا سکتے ہیں ورنہ عام طور پر اس سے بچنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس حدیث شریف میں اس خطرے کی طرف اشارہ ملتا ہے فرمایا:

Marfat.com

مَنْ عِشقَ وَعَفَ وَکَتَمَ فَقَد مَاتَ شَهِیدًا

''جس نے عشق کیا اور پاک (پرہیزگار) رہا اور اسے چھپایا وہ شہید کی موت مرا۔''

ظاہر ہوا کہ عشق میں پاکی یعنی نفس اور ہوس کی آلودگی سے پاک رہنا اور اس سے بچنا اس معاملہ کا سب سے بڑا پہلو ہے اور اگر کوئی اس کے مطابق چلے تو اس کی موت شہید کی موت ہوگی۔

آج کل کے ذرائع ابلاغ کی ترقی کا ایک خوش آئند پہلو یہ سامنے آیا ہے کہ ساری دنیا میں ہونے والے واقعات کے بارے میں اب ہر انسان کو گھر بیٹھے ہی پتہ چل جاتا ہے اور بسا اوقات ان میں ایسے حیرت انگیز واقعات بھی ہوتے ہیں جن سے اللہ کی قدرت اور طاقت کا اظہار ہوتا ہے اور کئی معاملات میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق پائی جاتی ہے۔ اس حدیث شریف مذکورہ بالا کے آخری الفاظ کی شہادت حیرت انگیز طور پر اس خبر میں پائی جاتی ہے جو روزنامہ ''خبریں'' لاہور، مورخہ ۲۵/۷/۹۷ میں چھپی ہے جس کا متن اور عکس برائے ملاحظہ حاضر ہے۔

روزنامہ ''خبریں لاہور''

تاریخ ۲۵ جولائی ۱۹۹۷ء

82 سال قبل خودکشی کرنے والی لڑکی کی لاش ابھی تک تروتازہ ہے

''فلوریڈا (انٹرنیشنل ڈیسک) ماہرین یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ 82 سال قبل خودکشی کرنے والی اس چوبیس سالہ لڑکی ایشلے کی لاش ابھی تک پھول کی طرح تروتازہ کیوں ہے؟ بتایا گیا ہے کہ 1915ء میں اس لڑکی نے اپنی تنہائی سے گھبرا کر اور عشق میں ناکامی پر 32 بور کی پستول سے خود کو گولی مار کر ہلاک کر لیا تھا۔ اس کے والد نے کسی سکینڈل سے بچنے کے لیے ایشلے کے ہاتھ سے پستول نکالا اور کمرہ بند کر دیا۔ اب 82 سال کے بعد یہ مکان فروخت ہوا۔ نئے خریداروں نے جب کمرہ کھولا تو ایشلے کی لاش بدستور صوفے پر موجود تھی اور لاش دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ لاش اتنی پرانی ہوگی، تاہم انہوں نے پولیس کو رپورٹ کر دی، جس نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایشلے کے والد کے انتقال کو 50 سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ تاہم اس کے انتقال کے بعد بھی ایشلے کے بھائیوں نے اس کمرے کو کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، کیونکہ باپ وصیت کر گیا تھا کہ اس کی موت کے بعد بھی یہ کمرہ نہ کھولا جائے، تاہم

Marfat.com

گزشتہ ماہ یہ مکان فروخت کر دیا گیا۔"

محبت کرنے والے کو مریض بھی کہتے ہیں یعنی محبت یا عشق بمنزلہ مرض ہے اور وہ بھی ایسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

مریضِ عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

تو گویا استادِ کامل اس مرض کے لیے ایک حاذق حکیم یا طبیب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو مریض کی بدلتی حالت کے پیشِ نظر اسے نسخہ ہدایت دیتا رہتا ہے۔ ایسی ہدایت اور راہنمائی کوئی ایک مستقل بات یا عمل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر شخص مزاج طبیعت اور حالات میں ایک دوسرے سے مختلف ہے اور مرض میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جیسے کہ اگر کسی ڈاکٹر یا طبیب کے پاس دو یا چار اشخاص آئیں جو سب بخار میں مبتلا ہوں تو وہ سب کو ایک ہی دوا یا غذا تجویز نہیں کرتا اور اسی طرح دورانِ علاج بھی دوا دارو میں ردوبدل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اُستاد کامل یعنی طبیب حاذق کا ہونا ضروری ہے جو راہبری کرے ورنہ یہ مرض ہلاکت کا باعث بھی ہو سکتا ہے اور یہاں ہلاکت سے مراد ہوس و شہوت کی کھائی میں گر جانا ہے جو محبت کی موت ہے۔

اس زمانے میں محبت کے نام پر ہوس پرستی اس قدر عام اور زیادہ ہو گئی ہے کہ حقیقت مغلوب ہو گئی اور بڑی مشکل اور تلاش بسیار سے ہی مل سکتی ہے۔ غالب نے بھی کہا تھا:

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

کچھ لوگوں نے کم فہمی کی بنا پر اس مصرع کے معنی یہ لیے ہیں کہ غالب عشق کو دماغ کا خلل سمجھتے ہیں یہ قطعاً درست نہیں۔ غالب کا نام تو عشق و محبت کے شاہسواروں میں ہے وہ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ان کا دعویٰ تو یہ ہے:

ازل سے حسن پرستی لکھی تھی قسمت میں
میرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا

البتہ غور سے بات کھل جاتی ہے اور سمجھ میں بھی آ جاتی ہے۔ مصرع میں انہوں نے کہا "کہتے ہیں جس کو عشق" یعنی زور کس پر ہے "کہتے ہیں" پر یعنی ہر بوالہوس اپنی ہوس پرستی کو محبت اور عشق کہہ کر ہی کر رہا ہے۔ یہ جملہ I Love you اس قدر عام ہو گیا ہے کہ سارے یورپ اور

Marfat.com

امریکہ وغیرہ میں تو ساری عیاشی اور ہوس پرستی اسی جملے کی بنیاد پر ہو رہی ہے۔ شاید ان کی زبان میں محبت اور ہوس کا کوئی واضح فرق ہی نہیں رہا اور وہ اسے ایک ہی چیز سمجھتے ہیں لیکن ہم تو جانتے ہیں کہ محبت اور ہوس یعنی شہوت میں زمین آسمان کا فرق ہے بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لہٰذا آج کل ہر شخص جو ہوس پرستی کر رہا ہے۔ کہہ یہی رہا ہے کہ میں محبت کر رہا ہوں چنانچہ غالب کا مطلب بھی یہی ہے کہ زمانے میں عرف عام میں جسے محبت یا عشق کہہ رہے ہیں وہ دماغ کا خلل ہے جو بر بنائے کج فہمی ہے کہ اپنی ہوس کو عشق کہہ رہے ہیں۔

محبت کارِ خداوندی ہے:

قرآن پاک میں ''یحب'' کا لفظ (جو حب سے نکلا ہے اور معنی محبت کرتا ہے) اتنی کثرت سے آیا ہے جو قابلِ غور ہے اور اسی تکرار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فعل ذاتِ باری تعالیٰ کو بہت پسند ہے، یعنی اس کام سے بڑی محبت ہے۔ یہاں ایک وضاحت نہایت ضروری ہے کہ محبت ایک ذاتی فعل ہے جو عین فطرت بھی ہے یعنی کوئی شخص اپنا کوئی کام کسی اور سے بھی کروا سکتا ہے بجز فطری تقاضوں کے۔ مثلاً یہ کوئی کسی سے نہیں کہہ سکتا کہ مجھے بھوک لگی ہے تم میرے لیے کھانا کھالو یا مجھے نیند آ رہی ہے تم میرے لیے سو جاؤ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح محبت بھی فطری اور ذاتی فعل ہے یہ بھی کوئی کسی کے لیے نہیں کر سکتا جو کرے گا خود ہی کرے گا۔ اب اللہ کہ قادر مطلق ہے صاحب امر اور تمام تر قدرت اور طاقت رکھتا ہے۔ محض ارادہ اور ''کن'' کہنے سے تخلیق، پرورش، نظام کائنات اور دونوں جہانوں کے معاملات کو چلا رہا ہے اور یہ سب اس کے حکم سے ہو رہا ہے لیکن جب وہ یہ کہے کہ اللہ محبت کرتا ہے تو یہ خالصتاً اس کا ذاتی فعل ہوا کہ اوّل تو یہ کام ایسا ہے کہ کرنے والے کی بجائے کوئی دوسرا اس کے لیے کر ہی نہیں سکتا اور پھر کوئی بھی کام اللہ کی طرف سے کوئی اور کیسے کر سکتا ہے کہ اللہ اپنی ذاتی نمائندگی کے عمل سے پاک ہے اور یہ محال امر ہے۔ لہٰذا اس بات سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ اپنی ذات باری سے صرف ایک ہی کام کرتے ہیں اور وہ ہے محبت۔ اب اگر کوئی انسان اس کام کو اس کی حقیقت اور پاکیزگی سے کرے تو گویا اس نے اللہ کی سنت ادا کی۔

سورۂ اخلاص جو کہ دین میں ایک خاص اور بنیادی حیثیت رکھتی ہے اس میں توحید کا بیان ہے کہ اللہ احد ہے، ایک ہے اور اس کے متعلق ہر رشتے (Relation) کی نفی کر دی گئی ہے۔ یعنی نہ والدین، نہ اولاد اور نہ رشتے دار (Family)، گویا اللہ تمام رشتوں سے پاک ہے لیکن قرآن

Marfat.com

میں اللہ کے ایک تعلق کا جو وہ اپنے خاص بندوں سے رکھتا ہے کثرت اور تواتر سے ذکر آیا ہے اور وہ تعلق ہے دوستی کا جسے اصطلاح قرآنی میں ولی (جمع اولیاء) کہا گیا ہے اور جن کے حق میں بے شمار مہربانیاں، بشارتیں اور انہیں بے شمار نعمتوں سے نوازا گیا ہے جیسے:

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

''تحقیق بے شک اللہ کے دوستوں کو کوئی خوف اور غم نہ ہے نہ ہوگا۔''

قرآن میں اللہ جن لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے ظاہر ہے وہی اللہ کے دوست (اولیاء) ہوئے کہ محبت دوستوں ہی سے کی جاتی ہے اور کوئی دوستی ایسی نہیں جو محبت کے بغیر ہو یعنی محبت اور دوستی ایک ہی جذبے کے دو درجے ہیں ان میں اوّل محبت جو اپنے ابتدائی یعنی ثانوی درجے میں دوستی کہلاتی ہے اور ویسے بھی دوستی اور محبت کے قانون میں دوستی ایک سے زائد سے بھی ہو سکتی ہے۔ جبکہ محبت صرف اور صرف ایک سے ہوتی ہے۔ پس ان حقائق سے ثابت ہوا کہ رب کائنات جو یکتا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی رشتہ دار وہ بھی محبت اور دوستی کے رشتے کو نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ بذاتِ خود کرتا بھی ہے اور محبت کیے بھی جاتا ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے کہ ارشاد ہوتا ہے:

یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ

''وہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں۔''

ایک بات عام طور پر جو کہی جاتی ہے اور تسلیم کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ محبت کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے یعنی اس میں انسان کو کوئی اختیار نہیں بلکہ یہ عنایت و فضل الٰہی سے عطا ہوتی ہے جو اس ارشادِ الٰہی کے زمرہ میں آتی ہے:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ

''یہ اللہ کا فضل ہے جس پر چاہتا ہے کرتا ہے۔''

یہ ایک حقیقت ہے تاہم اہلِ محبت ہی کا کہنا ہے کہ اس میں کسب یعنی کوشش کی بھی گنجائش ہے گو کہ فضل کرنا تو اللہ کی مرضی پہ موقوف ہے لیکن انسان کو چاہیے کہ فضلِ خداوندی کا خود کو محل تو بنائے کہ یہ بھی تو کہا گیا ہے کہ رحمتِ حق بہانہ می جوید (اللہ کی رحمت کوئی بہانہ یعنی محل چاہتی ہے) لہٰذا خود کو محل بنانے میں سعی یعنی کوشش ضروری ہوئی کہ یہ بھی اللہ ہی کا فرمان ہے:

Marfat.com

لَیۡسَ لِلۡ اِنۡسَانَ اِلَّا مَا سَعٰی

''انسان کے لیے اسی قدر ہے جس قدر وہ کوشش کرے۔''

اس آیتِ شریف میں کوشش کی اہمیت اُجاگر کی گئی ہے اور اس کی ترغیب بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی انسان محبت کی خواہش رکھے اور اس کا ارادہ کر لے تو سعی یا کوشش سے بھی کام بن سکتا ہے کہ ایسی کوشش جو طلب محبت میں کی جائے جو اللہ کی سب سے بڑی نعمت اور پسندیدہ عمل ہے تو یقیناً یہ ایک احسن عمل بھی ہوگا جس کے اجر کے طور پر حضرت حق جل مجدہ اس نعمت سے سرفراز فرما سکتے ہیں کہ یہ بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا

''بے شک اللہ اچھے (پسندیدہ) عمل کا اجر ضائع نہیں کرتا۔''

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی استاد یا راہبر کی راہنمائی میں راہِ محبت میں قدم رکھے اور کوشش کرے تو یہ نعمت حاصل ہو سکتی ہے۔

محبت دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک ذاتی اور دوسرے صفاتی۔ اصل اور حقیقی محبت اسی کو کہتے ہیں جو ذاتی یعنی ذات سے ہوتی ہے۔ تاہم یہ وہبی، خاص انعام اور عطائے الٰہی ہے جس میں انسان کو کوئی اختیار نہیں۔ ایسی محبت کے بارے میں اگر محبت کرنے والے سے کوئی وجہ پوچھی جائے جو باعثِ محبت ہوئی تو بیان کرنے سے قاصر ہوتا ہے اور کوئی ایک یا خاص وجہ نہیں بتا سکتا کہ یہ محبت محبوب کی کل ذات کا احاطہ کرتی ہے اور جو کچھ اس ذاتِ محبوبی سے صادر ہوتا ہے ''پسندیدہ'' ہوتا ہے۔ اختلاف کی کہیں کوئی ذرہ بھر گنجائش نہیں ہوتی ایسی محبت کمیاب ہے۔

دوسری محبت جو نسبتاً زیادہ تر دیکھی جاتی ہے کسی سے اس کی کسی خاص صفت کی وجہ سے ہوتی ہے یعنی کسی کمال فن یا ہنر کی وجہ سے جس میں ظاہری حسن و جمال بھی شامل ہے تاہم ایسی محبت بھی اگر کسی کامل کے زیر سایہ اور زیر تربیت پرورش پائے تو صفت سے موصوف یعنی ذات کی محبت میں ڈھل سکتی ہے اور یہ محبت قائمی اور دائمی ہوتی ہے ورنہ وہ محبت جو کسی صفت سے پیدا ہوتی ہے، وقت کے ساتھ ساتھ اس صفت میں زوال سے کمزور اور زوال پذیر ہوتی جاتی ہے کہ دستورِ دنیا یہی ہے:

ہر کمالے را زوالے

''ہر کمال کو بالآخر زوال ہے''

Marfat.com

جبکہ ذاتی محبت تو ہر زوال اور خلل سے پاک ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ہو کر عشق میں ڈھل جاتی ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی　　　بجز بنائے محبت کہ خالی از خلل است

"دنیا کی ہر شے جو تو دیکھتا ہے اس میں خلل واقع ہو سکتا ہے، سوائے محبت کے کہ اس میں کوئی خلل نہیں۔"

اور غالب اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

محبت کی عظمت:

محبت کی سب سے بڑی عظمت اور فضیلت تو یہ حقیقت ہے کہ یہ حضرت حق جل مجدہ کی ذاتی صفت اور ذاتی فعل ہے اور اس کی ابتدا بھی خود ذاتِ باری تعالیٰ سے ہی ہے۔ اللہ نے زبانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا یعنی میں تو ایک خفیہ خزانہ تھا پھر جب مجھے خود کو جاننے (معرفت) کی خواہش ہوئی تو میں نے تخلیق کا عمل شروع کیا اور سب سے پہلے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق ہوا جسے دیکھ کر خود ہی اس پر عاشق ہو گیا، حضرت پیر وارث علی شاہ صاحب کے قصے "ہیر رانجھا" کا پہلا شعر ہی یہی ہے:

اوّل حمد خدا دا ورد کیجئے کیتا عشق سو جگ دا مول میاں
پہلاں آپ ہی رب نے عشق کیتا، معشوق ہے نبی رسول میاں

"سب سے پہلے اللہ کی حمد کرتا ہوں کہ جس نے اس جہان کی بنیاد عشق پر رکھی، سب سے پہلے عشق خود رب ہی نے کیا اور اس کے محبوب رسول اللہ تھے۔"

آگے ایک مصرعہ میں کہتے ہیں:

عشق فعل ہے رب دی ذات فاعل
عاشق اوسدے سب مفعول میاں

مصرعہ بالا میں یہی حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ویسے تو اللہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو

Marfat.com

''کُن'' کہتا ہے اور وہ کام ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن محبت ایک ایسا کام (فعل) ہے جس کی فاعل خود ذاتِ ربی ہے اور جملہ عشاق اس فاعل حقیقی کے مفعول ہیں جیسے کہ کسی عامل کے معمول ہوتے ہیں۔

قرآن پاک میں جب ارشاد ہوا کہ:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ

''اللہ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔''

اور پھر اس میں اضافہ ہوا:

اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ

''وہ اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔''

سو یہ عشق کا بیان تھا کہ پہلے محبت تھی اور پھر جب وہ اللہ کی نظر میں شدید ہو گئی یعنی اس محبت میں انتہا کی شدت پیدا ہو گئی تو اسی کو قانونِ محبت میں عشق بھی کہتے ہیں۔ اس اطلاعِ ربانی پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں وضاحت چاہی کہ یارسول اللہ محبت کی کیا بات ہے؟ کس طرح ہے اور وہ کون لوگ ہیں جن کو یہ خطاب فرمایا گیا ہے تاکہ ان کو پہچان سکیں جس پر یہ وحی آئی، سورہ آل عمران آیت ۳۱:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

''اے نبی کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی (محبت) کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔''

دوستانِ محترم! نکتہ ذرا باریک اور قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق تھا وہ تو اپنی ذات میں اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مجسم پیکر تھے اور ایسی پیروی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کر رہے تھے کہ جس کی مثال رہتی دنیا تک دی جاتی رہے گی تو قرآن نے گویا انہیں اسی بات کی تلقین کی جو وہ پہلے سے ہی کر رہے تھے تو یہ بات عقل قبول نہیں کرتی۔ بات ہے محبت کی، سوال ہے محبت کے بارے میں اس لیے جواب بھی یقیناً محبت ہی کے بارے میں ہوگا۔ اب ذرا اس تمام صورتِ حال کو پیشِ نظر رکھ کر غور کیجیے تو سمجھ میں آتا ہے کہ ''فاتبعونی'' سے مراد یقیناً ''فاحبونی'' ہے یعنی مجھ سے محبت کرو اور اس معاملہ پر غور وفکر

Marfat.com

کرتے وقت یہ بات بھی مدنظر رہے کہ یہ ارشادِ ربانی مرتبہ رسالت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کرایا جا رہا ہے جس میں ان کی اپنی ذات پاک Involve ہے۔ اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ معاملہ محبت میں تو ایک عام انسان بھی کبھی اس طرح صاف اور سیدھا نہیں کہہ پاتا کہ مجھ سے محبت کرو کہ ایسا کہنا حیا اور عزت نفس کے خلاف بات ہے۔ لہٰذا اللہ نے بھی بات کو کہنے یا کہلوانے کے لیے ایسا ہی حسین پیرایہ اختیار کیا جیسا کہ اس بات کا حق تھا۔ یہ بات بھی ہم سمجھ چکے ہیں اور بیان پہلے ہو چکا ہے کہ محبت غیر جنس سے نہیں ہوتی یعنی انسان کو انسان ہی سے ہوگی کسی ماورائی مخلوق یا شے سے نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اللہ نے اپنے اسی قانونِ قدرت کے تحت اپنی محبت کے لیے انسانوں کے لیے ایک انسانی وجود ہی پیش کیا کہ جو اللہ کا پہلے ہی حبیب یعنی محبوب تھا اور وہ بھی ایسا کہ ان جیسا نہ کوئی ہوا نہ ہوگا اور حقیقت یہی ہے کہ اللہ نے اپنی محبت کے لیے پہلا نشان (Target) جو دیا وہ ذاتِ پاک نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔

قرآن کریم میں جہاں اللہ نے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض کی وہاں یہ تشریح اور حکم بھی فرما دیا کہ

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهِ

''جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی پس وہی اللہ کی اطاعت ہے''

اطاعتِ الٰہی سب سے بڑا فریضۂ دین ہے اور اس میں تمام واجبات و فرائض یعنی نماز، روزہ اور دیگر ارکانِ اسلام شامل ہیں اور انہیں پر عمل کرنا اتباع (پیروی) رسول کہلاتا ہے۔ لہٰذا تحقیق اور غور و فکر سے یہ حقیقت کھل گئی اور ثابت ہوا کہ جیسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے اسی اصول کی رو سے اور ارشادِ باری تعالیٰ کے بموجب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہی اللہ سے محبت ہے۔ حضور کے اپنے زمانے میں علاوہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے جو پاک لوگ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ممتاز ہوئے ان میں مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو صحابی حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے) اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں۔ یہ کبار صحابہ کرام بے شک فنافی اللہ کے مرتبے پر تھے اور یہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ثمرہ تھا اور آیہ محبت کی رو سے اللہ کے محبوب تھے۔

Marfat.com

حضرت اویسِ قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت اویسِ قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عشق مسلمہ ہے۔ حالانکہ حضرت اویسِ قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری اور دنیاوی طور پر زیارت نہیں کی اور یہ محبت جو غائبانہ ہوئی ایک عجوبہ روزگار بات ہے جو مشائخ کرام میں اور طریقت میں ''نسبتِ اویسی'' کے نام سے مشہور ہے۔ تاہم یہ بات بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسی نسبت اور محبت لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں میں سے کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ روایات میں کبار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات روایت کی گئی ہے کہ فرماتے تھے ''مجھے یمن کی طرف سے خوشبو آتی ہے'' جملہ مورخین سیرۃ النبی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمائی ہے۔

یہ واقعہ بھی مستند اور مسلسل روایت میں ملتا ہے کہ جنگ اُحد میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے اور جب یہ خبر یمن میں حضرت اویسِ قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی تو پہلے انہوں نے اپنے سامنے کے دو دانت نکلوا دیے۔ بعد ازاں اس خیال سے کہ خبر نہیں یہی والے دندان مبارک تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہوئے یا کوئی دوسرے، انہوں نے اپنے سبھی دانت اکھڑوا دیے کہ ان دانتوں کا میرے منہ میں رہنا تجاوز اور بے ادبی ہوگی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ مبارک میں نہیں رہے۔ سبحان اللہ یہ کیا عشق اور ادب کا کون سا درجہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے پہلے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ میرا خرقہ اویسِ قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچایا جائے اور اس سے کہا جائے کہ میری اُمت کی بخشش کے لیے اللہ سے دعا کریں۔ کیونکہ ان کی دعا سے میری اُمت میں اتنے لوگ بخشے جائیں گے جتنے قبیلہ اوس اور خزرج کی بھیڑوں کے جسم پر بال ہیں (یہ ہر دو قبیلہ جات بھیڑوں کے کاروبار اور پالنے میں سارے عرب میں بڑے اور مشہور تھے) چنانچہ اس وصیت پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں عمل کیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ خود جا کر یمن میں انہیں وہ خرقہ پہنچایا مع حضور کے پیغام کے۔ یہ صورت اور یہ معاملہ اللہ اور اس کے حبیب کی طرف سے محبت کی عظمت اور بلند درجات پر گواہی ہے۔

Marfat.com

حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

ایسا ہی ایک اور واقعہ صحابی حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے جو ایک دوسرے صحابی رسول مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے۔ حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان محبان و عاشقان رسولؐ میں سے تھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعا کے لیے کہتے اور خود اس پر آمین، آمین کہتے۔ ایک دن صبح کے وقت جب آپ صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اچانک فرمایا کہ "اٹھو اور چلو"۔ سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلے اور حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر پہنچے۔ جب حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع ہوئی تو وہ باہر نکلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مع تمام جلیل القدر صحابہؓ کے کھڑے دیکھا تو پاؤں پر گر پڑے اور آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَاحَدَثَ فِي دَارِكَ (کہ تمہارے گھر میں کیا حادثہ ہو گیا ہے) حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بے خبر تھے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سب خیریت ہے۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے گھر میں آج ایک عزیز ترین ہستی نے انتقال کیا اور تجھے اس کی خبر تک نہیں۔ پھر فرمایا کہ ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں رہتے تھے ہمیں اس جگہ لے چلو۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چوپایوں کے طویلے میں لے گئے۔ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوپایوں کے پاؤں کے درمیان گرا ہوا دیکھا جبکہ ان کی روح پرواز کر چکی تھی۔ اگرچہ وہ جگہ چوپایوں کی لید سے گندی ہو رہی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر اور جھک کر حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو اپنے زانوئے مبارک پر رکھ لیا اور آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈوب گئیں۔ پھر فرمایا کہ "ہر زمانے میں اللہ کے سات بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی دعاؤں سے مخلوق کی مدد کی جاتی ہے، ان کے طفیل آسمان سے بارش ہوتی ہے، انہیں کی برکتوں سے لوگوں کو رزق ملتا ہے اور یہ مرتبہ انہیں نماز، روزے کی کثرت اور زیادہ صدقہ دینے کی وجہ سے نہیں بلکہ قلب سلیم (سلامتی یعنی محبت کرنے والا دل) اور نفس کی سخاوت (ایثار و قربانی) کی وجہ سے ملتا ہے اور حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے افضل تھے۔ مزید فرمایا کہ اس خدائے برتر کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر یہ ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا کو قسم دیتے کہ دنیا کو نیست و نابود کر دے تو دنیا معدوم ہو

Marfat.com

جاتی۔" تمام صحابہ کرامؓ اور حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کے حضرت ہلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ غلام تھے اور وہ انہیں ہمیشہ حقیر اور معمولی سمجھتے تھے اور وہ اسی طویلہ میں ہی رہتے بھی تھے) یہ ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سن کر اور یہ ماجرا دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور سوائے حسرت اور رشک کے کچھ بھی نہ کر سکتے تھے۔

اب ہم ایک اور بات پر غور کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اللہ نے اپنی محبت کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا نشان بنایا اور جس نے ان سے محبت کی وہ نہ صرف اللہ ہی سے محبت ہوئی بلکہ آیہ محبت کے مصداق وہ اللہ کا محبوب قرار پایا۔ اب جو اللہ کا محبوب ہو یقیناً وہ اللہ کے نبی کا بھی محبوب ہوا (کہ محبت کا محور تو ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے) جس میں وہ پاک ہستیاں بھی شامل ہیں جن کا اوپر اور اس سے پہلے ابواب میں ذکر ہو چکا ہے۔ چنانچہ پھر یہ بات بھی اصل اصول کے تحت وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ بعد وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن لوگوں نے مذکورہ بالا پاک ہستیوں سے محبت کی تو گویا انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس طرح اللہ سے محبت کی اور یوں تسلسل سے یہ اللہ کی محبت کی ایک زنجیر بن گئی جس کی ہر کڑی اپنی سے اوپر والی کڑی سے جڑی ہوئی یعنی پیوستہ ہے اور یہ قیامت تک اسی طرح چلتی رہے گی۔ سو اب اگر کوئی چاہے کہ اللہ سے محبت کرے تو خود کو اس زنجیر سے منسلک کرے اور کسی ایسے سے محبت کرے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہو۔

اُم المومنین حضرت زینب جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ:

کتاب سیر الاولیاء میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور اُم المومنین حضرت زینب بنت جحش کا قصہ جو حضور محبوب الٰہی سرکار کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے (جس کا ماخذ ایک قدیم کتاب روح الارواح ہے) اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ نے عاشقوں کے حق میں کیا کیا مہربانیاں کی ہیں اور کس کس قسم کی ترغیبیں دی ہیں۔ اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ اس واقعہ کا بیان اللہ کی طرف سے قرآن پاک میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ سورہ الاحزاب آیت ۳۷:

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا......

Marfat.com

''اور اے محبوب یاد کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے بھی اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی (زوجہ) اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی۔''

اس واقعہ یا اجمال کی تفصیل اس طرح ہے:

شبِ معراج یہ بے وفا دنیا زیور سے آراستہ ہو کر کہتی تھی کہ اگر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف نگاہ کریں تو میرے سارے عیب ہنر سے بدل جائیں اور میرا ساز از ہر شکر میں بدل جائے لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اری کمینی دنیا! یہ کیسے خیالی پلاؤ پکار ہی ہے۔ تیری تو کیا ہستی ہے آج رات تو فردوسِ اعلیٰ کی بھی جرأت نہیں کہ ہمارے سراپردۂ عزت کے گرد پھٹکے۔ اے درویش! یہ عجب بھید ہے کہ شبِ معراج ملک وملکوت کی زینت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی گئی تو آپ نے توجہ بھی نہ کی لیکن جب ایک دن زیدؓ کے دروازے پر آئے تو جہان میں اِک شور برپا ہوا۔ حضرت کلبیؒ کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب زید کی ملاقات کے لیے اس کے گھر پر آئے تو آپ کی نگاہ زینب بن جحش پر پڑی جو کہ زید کی منکوحہ تھی اس وقت زینب کھڑی ہوئی تھی۔ بے ساختہ آپؐ نے یہ کلمات کہے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْمُقَلِّبِ الْقُلُوْب

''پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پلٹ دیتی ہے۔''

یہ بات زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سن لی اور فوراً بیٹھ گئی۔ پھر جب زید گھر آئے تو اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ زیدؓ سمجھ گیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنا متبنّٰی بنایا ہوا تھا اور اس کی پرورش اور تربیت اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سایۂ رحمت میں ہوئی تھی (جیسا مذکورہ بالا آیت کے شروع میں اللہ نے فرمایا ہے) اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری عورت (زوجہ) زبان دراز اور متکبر ہے اس لیے میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امسک علیک زوجک (قرآن) یعنی اپنی

Marfat.com

بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔ تاہم جو کچھ آپ کے دل میں تھا آپ نے عمداً اسے پوشیدہ رکھا۔ سو اللہ نے اسے ظاہر کر دیا۔ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کرنے سے پہلے آپ لوگوں کی زبان درازی اور طعنوں کا خوف رکھتے تھے اسی لیے فرمان الٰہی ہوا کہ واللہ احق ان تخشا (اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو) جب زیدؓ نے زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو طلاق دے دی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو فرمایا زینب کو بلاؤ، کیونکہ اللہ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ زینب بنت جحش ہم نے تمہیں بخشی۔ زیدؓ نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو زینب نے پوچھا کون ہے؟ کہا زیدؓ! پوچھا کیوں آئے ہو؟ تم تو مجھے طلاق دے چکے ہو اب کیا کام ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بلانے کے لیے بھیجا ہے۔ زینب نے کہا ''مرحبا یا رسول اللہ'' اور سجدۂ بجا لائی۔ حضرت قتادہؒ کا قول ہے کہ زینب آخر عمر تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حرموں کو فخر سے کہتی تھی کہ تمہیں تمہارے والدین نے پیغمبر خدا کی منکوحہ بنایا ہے، لیکن مجھے اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منکوحہ بنایا ہے۔ اس قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ سیّد کونین صلی اللہ علیہ وسلم، زیدؓ کے دروازے پر آئے اور آپ کی نگاہ زینب پر پڑی۔ یہ آپ کی پہلی نگاہ اور غیر ارادی تھی۔ جس پر حکم قرآنی کے مطابق انسان سے مواخذہ نہیں ہے لیکن اس پہلی نگاہ میں ہی قلب مبارک پر بجلی سی گری۔ آواز آئی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری نگاہ جو ہمارے غیر پر پڑی ہے ہم اس بات پر قادر تھے کہ اس نگاہ اور خیال کو تمہارے سینے سے بالکل صاف کر دیتے، لیکن ایسا نہ کرنے میں بھید تھا اور وہ یہ کہ مفلسوں اور عاجزوں کے دل خوش ہو جائیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باوجود منصبِ رسالت اور قوتِ نبوت اپنے دل کو قابو نہ رکھ سکے تو باقی پھر کسی مٹھی بھر بے چاری خاک کی کیا ہستی ہے کہ دل اور آنکھوں کو قابو میں رکھ سکے۔ اسی موقع کی مناسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں فرمایا کہ:

اَلْعِشقُ مِنْ غَیْرِ رَبِّهٖ کَفَّارَةِ الذُّنُوب

''جو عشق اللہ کے سوا کسی اور کا ہے وہ بے چارے عاشق کے گناہوں کا کفارہ ہے۔''

مذکورہ بالا واقعہ اور حدیث پاک عاشقوں کے لیے اُمید اور بشارت ہے کہ محبت و عشق کا تعلق دل سے ہے اور اس معاملے میں اللہ ہی کی طرف سے دل پر اختیار نہیں دیا گیا۔

Marfat.com

قلبِ سلیم:

دل جسے عربی میں قلب کہتے ہیں، کا ذکر قرآن پاک میں قلبِ سلیم کے حوالے سے کئی جگہ آیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ اِلَّا بِقَلْبِ السَّلِيْم

''روز قیامت کوئی چیز نفع نہیں دے گی، مگر قلبِ سلیم''

دوسری جگہ اللہ نے مزید وضاحت کردی اور فرمایا کہ روزِ حشر تمہارے مال اور اولاد کام نہیں آئیں گے مگر قلب سلیم۔ تو وہ کون سا قلب ہے جسے اللہ نے سلیم کہا ہے اس بات کو سمجھنے کے لیے حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سرکار فرماتے ہیں کہ ہر عضو کو اللہ نے اس کے مخصوص کام کے لیے بنایا ہے اور اس کام کے کرنے ہی میں اس کی سلامتی ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو بے کار ہو جاتا ہے۔ مثلاً آنکھ اگر دیکھتی ہے تو گویا سلامت ہے اور علیٰ ھذا القیاس کان، ناک، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اگر اپنا کام جس کے لیے وہ دیے گئے ہیں کر رہے ہیں تو گویا سلامت ہیں اور نہیں تو بے کار ہیں۔ اس طرح قلب یعنی دل خاص اور صرف محبت کے لیے بنایا گیا ہے یعنی اگر محبت کرنے والا ہے تو پھر اپنا کام کر رہا ہے اور سلامت ہے ورنہ مردہ کہلاتا ہے۔ ایک معروف سا شعر کسی نے خوب کہا ہے:

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

لٰہذا قلبِ سلیم تو وہی ہے جو محبت والا ہے اور لذت آشنائی کی غذا اسے میسر ہے۔ جس سے وہ زندہ رہتا ہے اور ایسے قلب کی قدر و قیمت نہ صرف اللہ کے ہاں ہے، بلکہ دنیا میں بھی اس کے حامل کے لیے حیاتِ سرمدی اور بقائے دوام ہے جیسا کہ اللہ کے ایک خاص محبوب بندے حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

''اسے موت نہیں ہے جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا، اس دنیا پر ہماری ہمیشگی کی مہر لگی ہوئی ہے۔''

یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جو بذات خود دلیل بھی ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی کاغذ پر یہ لکھ کر پیش

Marfat.com

کرے کہ میں لکھنا جانتا ہوں۔ تو یہ دعویٰ بھی ہوگا اور دلیل بھی۔ حافظ شیرازیؒ کو اس دنیا سے پردہ کیے صدیاں گزر گئیں لیکن آج بھی ساری دنیا میں انہیں کون نہیں جانتا اور کون نہیں مانتا کہ بلاشبہ وہ عاشقوں اور محبوبوں کے سردار ہیں اور اس دنیا پر ان کی ہمیشگی یعنی بقائے دوام کی مہر لگی ہوئی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے محبت اور آشنائی کا رشتہ دل سے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

محبت کی عظمت کو دنیا کے ہر مذہب، معاشرے میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے انسان، درندوں تک کو سدھا لیتا ہے، وہ بھی اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ محبت کے بے شمار رُخ اور زاویے ہیں، جن کو احاطہ تحریر میں لانا ناممکن ہے، کیونکہ یہ وہ جذبہ یا شے ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ ہزاروں اور لاکھوں نہیں بلکہ ان گنت کہانیاں، افسانے، داستانیں، نغمے، فلمیں، ڈرامے اور جانے کیا کیا اب تک بن چکیں اور جب تک یہ دنیا ہے بنتی رہیں گی اور اس میں جو تنوع ہے وہ بھی کبھی ختم نہ ہونے والی صورت ہے کہ درحقیقت تو محبت اور عشق اللہ ہی کی شان اور صفت ہے جس کو نہ زوال ہے اور نہ فنا۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

مرا از تست ہر دم تازہ عشقے
ترا ہر ساعتے حسنِ دگر بار

''مجھے تم سے ہر گھڑی ایک نیا عشق ہوتا ہے، کہ تیرا حسن ہر پل نیا اور دوسرا ہے۔''

یہ اللہ جمیل کی شان ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

قرآنِ پاک میں حضرت یوسفؑ اور بی بی زلیخا کا قصہ بیان ہوا ہے جو بنیادی طور پر کی داستان ہے۔ اللہ اسے احسن القصص (یعنی سب سے خوبصورت قصہ) کہہ کر اپنے حبیب کو سناتے ہیں اور اس انداز میں کہ جیسے سنانے والا خود بھی اس سے انتہائی لطف اندوز ہو رہا ہو اور محویت کا تو یہ عالم ہے خود پروردگار عالمین کا کہ پورا قصہ جو کہ اچھا خاصا طویل ہے ایک ہی Spell میں کہہ ڈالا ہے اور جب تک سارا ختم نہیں ہوا سلسلہ کلام منقطع نہیں فرمایا۔ قرآن میں اور بھی بہت سے قصے اور واقعات ذات باری تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں لیکن ٹکڑوں میں یعنی تھوڑا کہیں، تھوڑا

Marfat.com

کہیں۔ یہ واحد قصہ ہے جو باوجود طویل ہونے کے ایک بار ہی میں تسلسل سے سنایا گیا ہے۔ اس بات سے اللہ کی اس جذبہ محبت اور عشق سے وہ پسندیدگی اور محبت ظاہر ہوتی ہے جو اسے یقیناً اپنی تخلیق میں کسی اور شے سے نہیں۔

قلب کی تعریف:

اللہ نے دنیا میں تین طرح کی (نوع کی) مخلوق پیدا کی اوّل جمادات (یعنی زمین، سورج، چاند ستارے پہاڑ وغیرہ) دوئم نباتات (پودے، درخت اور پھل پھول وغیرہ) اور سوئم حیوانات (جس میں تمام چرند، پرند شامل ہیں) انسان کا شمار بھی اسی نوعِ حیوانی میں ہے۔ تاہم اسے قلب اور نطق (زبان کلام) دے کر، احسنِ تقویم یعنی سب سے خوبصورت اور مکمل بنا کر، حیوانات میں منفرد کر دیا اور یہ انسان کہلایا۔ یہاں ایک بات کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ قلب سے مراد صرف وہ گوشت کا لوتھڑا نہیں جسے دل بھی کہتے ہیں کہ وہ تو دوسرے حیوانات میں بھی ہے بلکہ دل سے مراد وہ قوتِ احساس اور جذبہ ہے جسے محبت کہتے ہیں جو صرف آدم کو بوقتِ تخلیق ودیعت کیا گیا، کیونکہ باقی ساری کائنات کو اللہ نے اپنے امرِ کن سے پیدا کیا مگر آدم کا پتلا اپنے ہاتھ سے بنایا۔

حدیث شریف میں آیا:

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ طِيْنَةَ اٰدَمَ بِيَدِهٖ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً

''اللہ نے آدم کی مٹی کو بغیر واسطہ اپنے ہاتھ سے چالیس روز تک خمیر کیا۔''

اور پھر اس میں روح بھی اپنی پھونکی۔ قرآن پاک میں اس بات کو یوں فرمایا:

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

''اور اس میں پھونک دی میں نے اپنی روح''

جس سے نہ صرف یہ حیوانات میں ممتاز ہوا بلکہ اشرف المخلوقات بھی ٹھہرا۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ نوعِ حیوانی سے ہونے کی وجہ سے انسان میں وہ تمام خصلتیں پائی جاتی ہیں جو جانوروں میں ہیں (بلکہ دورِ حاضر میں انسان جانور زیادہ اور انسان بہت کم رہ گیا ہے) اور اسی طرح جانوروں میں بھی کچھ خصلتیں ایسی ہیں جو انسانوں والی ہیں جن میں سے ایک اُنس کی ہے جو بعض جانور انسان سے رکھتے ہیں جسے ہم کمتر درجے میں محبت بھی کہہ سکتے ہیں۔ انسان کے ساتھ اس چیز کا مظاہرہ دوسرے جانوروں کی نسبت کتے میں زیادہ دیکھا گیا ہے۔

Marfat.com

اصحابِ کہف کا واقعہ:

اب ہم پھر قرآن کی طرف آتے ہیں جس میں ایک ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کا شمار عجائب وغرائب میں ہوتا ہے اور وہ قصہ اصحابِ کہف کا ہے جو سورہ کہف میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ قصہ مورخ ''گبن'' نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''تاریخ عروج وزوال روما'' میں بھی لکھا ہے اس میں اس رومی بادشاہ کا نام ''ویکیوس'' بتایا ہے جسے ہمارے مفسرین ''دقیانوس'' کے نام سے لکھتے ہیں جو ۲۴۹ء سے ۲۵۱ء تک حکمران رہا۔

اصحابِ کہف اللہ کے وہ محب اور صالح بندے تھے جو بادشاہ وقت کے ظلم و ستم کی وجہ سے جس سے ان کے اپنے رب کے معاملے میں رکاوٹ پڑتی تھی، ایک غار میں چلے گئے وہ تو غار کے اندر چلے گئے ان کا کتا جوان کے ساتھ ہی تھا وہ غار کے منہ پر بیٹھ گیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے ان پر نیند سی طاری کر دی اور سورج کو حکم دیا کہ ان سے کترا کر نکل جائے اور کہ ہم خود ان کی کروٹ بدلتے۔ وہ لوگ اس حالت میں تین سو برس رہے اور ظاہر ہے کہ اس کتے پر بھی جوان کے ساتھ تھا وہی حالت طاری ہوئی جو ان لوگوں پر ہوئی اور اس طرح ان کے ساتھ گویا وہ بھی امر ہو گیا۔ اب آپ ذرا غور فرمایئے کہ اس دنیا کی تاریخ (History) میں لوگ اپنا نام یاذکر لانے کے لیے کیا کیا کرتے ہیں یہاں تک کہ قتل وغارت اور جنگ وجدل سے بھی گریز نہیں کرتے اور جس کا ذکر تاریخ میں آجائے تو اس کی نسلیں بھی اس پر فخر کرتی ہیں اور اسے بہت بڑی یعنی تاریخی بات سمجھا جاتا ہے تو جس کا تذکرہ قرآن میں ذات باری تعالیٰ خود کرے اس کی عظمت اور بلندی کا تو کوئی اندازہ بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس کا کسی سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے تو جب ایسی سرفرازی ایک جانور یعنی کتے کے حصہ میں آئی کہ اللہ نے اس کا بھی ذکر قرآن میں فرمایا تو اس کا باعث صرف اور صرف یہی تو ہے وہ محبت جو کتا اپنے مالکوں سے رکھتا تھا اور وہ وفاداری جس کی مثال آج بھی اس جانور سے دی جاتی ہے۔ غالب کا کہنا ہے:

ع وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے

بعض مفسرین نے اصحابِ کہف کے ساتھ قرآن میں لکھے لفظ ''رقیم'' کو اس کتے کا نام بتایا ہے اور یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ اس محبتِ صالحین کی برکت سے اس کتے کو روز قیامت انسانوں کے زمرہ سے اُٹھایا جائے گا اور وہ بھی جنت میں جائے گا۔ گویا محبت ایک ایسا جذبہ ہے کہ جس کا

Marfat.com

مظاہرہ اگر کسی جانور سے بھی ہو تو وہ بھی امر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر انسان ایسا کرے تو اس کا تو پھر وہی مقام ہے جو اصحاب کہف کو نصیب ہوا۔ چنانچہ یہ واقعہ بھی محبت کی عظمت پر ایک روشن دلیل ہے۔

احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت:

اب ہم چند احادیثِ مبارکہ کا ذکر کرتے ہیں جو محبت اور اہل محبت کے بارے میں ہیں اور جن سے اس نعمت خداوندی کی عظمت اور اہمیت مزید اُجاگر ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران خطاب یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اللہ کے ہاں انسانوں کے مقام کا تعین ان کے درجات قربِ خداوندی کے اعتبار سے ہوگا جیسے شہداء، صدیقین، صالحین، زاہد، عابد اور فقراء وغیرہ سب اپنے اپنے مقام مقررہ پر ہوں گے۔ اسی طرح انبیاء کرام بھی اپنے اپنے درجہ کے مطابق اپنے مقام پر ہوں گے۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ امام الانبیاء وصاحب معراج تھے اپنے بارے میں فرمایا کہ ہمارا مقام جہاں ہوگا وہاں کسی اور کا نہیں ہوسکتا۔ یہ بات سن کر صحابہ کرام گھروں کو چلے گئے۔ ایک صحابی جو سننے والوں میں شامل تھے بعد میں نظر نہیں آئے جب دو چار دن گزر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ان کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا تو انہوں نے آ کر بیان کیا کہ ان کے گھر سے معلوم ہوا ہے کہ کئی دن سے گھر پر ہی ہیں اور کھانا پینا ترک کر رکھا ہے بس مسلسل روئے چلے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلوا بھیجا اور جب آئے تو وجہ دریافت کی جس پر انہوں نے روتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے جان و مال آپ پر صدقے، ہم تو آپ کو دیکھ کر جیتے ہیں اور جو بھی کرتے ہیں وہ آپ کا حکم سمجھ کر اور آپ کے قرب کے لیے کرتے ہیں تو آئندہ کی یعنی آخرت کی دائمی زندگی میں اگر آپ کہیں اور ہوں گے جہاں ہمارا گزر بھی نہیں ہو سکے گا اور ہم کہیں اور ہوں گے جہاں آپ کا ساتھ نہیں ہوگا۔ تو یہ سب عبادت جو ہم کر رہے ہیں ہمارے کس کام کی۔ یہ محبت بھرا کلام سن کر اور ان کی عاشقانہ حالت دیکھ کر رحمت اللعالمین کی شان جوش میں آئی اور فرمایا کہ

اَلْمَرءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ

یعنی ''جس کو جس سے محبت ہوگی وہ اسی کے ساتھ ہوگا۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے ان لوگوں کے لیے جو میری وجہ سے محبت کریں اور میری وجہ

Marfat.com

اور میرے تعلق سے کہیں جُڑ کر بیٹھیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔(موطا، امام مالک)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت کے دن اللہ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں اُلفت ومحبت رکھتے تھے۔ آج جب کہ میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں میں اپنے بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

''وہ لوگ جو محض اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں قیامت کے دن سرخ یاقوت کے ستونوں پر ہوں گے اور ان ستونوں کی چوٹیوں پر ستر ہزار بالا خانے ہوں گے جہاں سے وہ اہل بہشت کو جھانکیں گے اور ان کا حسن و جمال بہشت والوں کے سامنے ایسا چمکے گا جیسا کہ دنیا والوں پر سورج چمکتا ہے۔ چنانچہ جنت والے کہیں گے ہمیں لے چلو ہم ان لوگوں کو دیکھیں جو محض خدا کے لیے دنیا میں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ وہ سبز ریشم کے کپڑے پہنے ہوں گے اور ان کی پیشانی پر نور سے لکھا ہوگا (یہ لوگ خدائے عزوجل کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں)۔''

ایسی ہی ایک حدیث شریف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے حوالے سے اس باب کے آغاز میں دی گئی ہے۔ اسے پھر سے دیکھئے۔

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا

''خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے میری محبت ان لوگوں کے لیے مستحق ہوگی جو میرے لیے باہم محبت رکھتے ہیں۔ میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر مال خرچ کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں۔''

Marfat.com

محبت اور انسانیت:

محبت جب دو انسانوں کے مابین ہوتی ہے تو ایک ذات سے دوسری ذات تک ہوتی ہے جبکہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ ساری کائنات جس میں دنیا بطورِ خاص شامل ہے، پر محیط ہے اور جاری و ساری ہے۔ اس سے پہلے ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ پہلا عشق تو ذاتِ ربی نے خود کیا اور محبوب ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تھی اور یہی عشق اوّل باعثِ تخلیقِ کائنات ہوا کہ حدیث شریف میں آیا اللہ فرماتا ہے ''اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو یہ کائنات پیدا نہ ہوتی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''ساری کائنات میرے نور سے بنی اور میں اللہ کے نور سے ہوں۔'' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب لولاک کہلاتے ہیں۔ یوں کائنات کا یہ پھیلاؤ درحقیقت عشق ازل ہی کی وسعت اور پھیلاؤ ہے۔ باالفاظ دیگر محبت جب پھیلتی ہے تو اس کی وسعت سارے عالم کو اپنے دائرے میں لے لیتی ہے اور پوری دنیا جس میں انسان بستے ہیں اس کی لپیٹ (Range) میں آ جاتی ہے۔ محبت کی اسی وسعت اور پھیلاؤ کا نام انسانیت ہے جو عالمگیر اور ہمہ گیر ہے اور جس میں مذہب، قوم، رنگ، نسل یا زبان وغیرہ کا کوئی امتیاز نہیں اور یہ ہر قسم کے تعصبات سے پاک ہے۔ مولانا روم کی سوانح حیات میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ

ایک جاہل عالم ان سے اس بات پر بحث کرنے لگا کہ سنا ہے آپ کا کہنا ہے کہ مجھے کسی مذہب اور دین سے اختلاف نہیں۔ مولانا نے فرمایا ''جی ہاں!'' اس پر وہ طیش میں آ کر مغلظات بکنے لگا۔ مولانا خاموش سنتے رہے اور جب وہ یکطرفہ بکواس کرتے کرتے تھک کر خاموش ہوا تو مولانا نے فرمایا بندۂ خدا جو کچھ تم نے ابھی مجھے کہا ہے، مجھے اُس سے بھی کوئی اختلاف نہیں جس پر وہ بہت شرمندہ ہوا۔ ایسے ہی اخلاقِ حسنہ اور ان کے انسان دوست نظریات کا نتیجہ تھا کہ جب مولانا روم کا وصال ہوا تو ان کے جنازے میں مسلمان، بت پرست، عیسائی، یہودی اور دیگر تمام اقوام کے لوگ شامل تھے جو سب گریہ کناں اور غم زدہ تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ تمہارے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام تھے تو ہمارے لیے عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے قائم مقام اور اوتار تھے۔ ہمارا دین اسلام، سلامتی، امن اور محبت و اخوت کا دین ہے اس میں نفرت کی کوئی گنجائش نہیں ماسوائے گناہ کے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ ''گناہ سے نفرت کرو گناہگار سے نہیں'' بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شانِ کریمی اور رحمت للعالمین ہونے کی شان کا

Marfat.com

مظاہرہ یہ فرما کر کیا:

اَلصَّالِحُوْنَ لِلّٰہِ وَالطَّالِحُوْنَ لِی

''نیکوں کے لیے اللہ ہے اور بروں کے لیے میں ہوں۔''

سبحان اللہ، سبحان اللہ اس شانِ رحمت کے، کریمی کے اور رحیمی کے جس پر انسان صدقے اور نثار کیوں نہ ہو جائے۔

محسنِ اعظمِ انسانیت:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لقب محسن اعظم انسانیت بھی ہے کہ بلاشبہ آپ کی اس دنیا میں تشریف آوری سارے جہاں بلکہ دونوں جہانوں کے لیے باعث رحمت و برکت ہے۔ بایں ہمہ منصبِ پیغمبری اور نبوت، جیسی پرورش اور خبر گیری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غریبوں، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں اور بے کسوں کی فرمائی وہ رہتی دنیا تک کے لیے انسان کے لیے مثال اور باعث راہنمائی ہے۔ لہٰذا جو کوئی بھی ایسا کرے گا وہ خواہ اس بات کو سمجھ کر کرے یا بے سمجھے تاہم اس کی حقیقت یہی ہوگی کہ جیسے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ادا کرے یا ان کے نقش قدم پر چلے کہ ایسی خدمت انسانیت کی بنیاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی رکھی ہوئی ہے اور آپ اس کے بانی ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محسن اعظم انسانیت بھی کہا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص خواہ اس کا تعلق کسی بھی قوم و مذہب سے ہو اپنے دل میں انسانوں کے لیے درد، تڑپ اور ہمدردی محسوس کرے اور دُکھی انسانیت کے دامے، درمے، سخنے ہر طرح سے خدمت کرے اور اس بات کو اپنی زندگی کا مشن بنا لے اور ساری عمر اس میں خرچ کر دے تو یقیناً ہم اسے محسن انسانیت ہی کہیں گے۔ (PTV) پر انگریزی خبروں سے پہلے ایک حدیث شریف اکثر دکھائی جاتی ہے جو نہایت غور طلب اور انسانیت کی عظمت اور اہمیت واضح کرتی ہے۔

If you love your creator, Love your felow beings first.

''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو پہلے انسانوں سے محبت کرو''۔

اللہ کے ہاں ایسے لوگوں کے لیے کیا اجر ہے وہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ البتہ محسن اعظم انسانیت، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کے لیے ضرور بشارت دی ہے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ

Marfat.com

"جو جس گروہ سے محبت رکھتا ہے وہ اسی گروہ میں شمار ہوتا ہے"

اب یہ بھی ایک گروہ ہے جس میں انسانیت سے محبت رکھنے والے شامل ہیں اور جنہیں محسنِ انسانیت کہا جاتا ہے اور اس گروہ کے سردار اور امیر تو خود وہ ہوئے جو انسانیت کے محسنِ اعظم ہیں۔ لہٰذا آپ کے تحت یا آپ کے کسی گروہ میں کسی کا شمار ہو جانا خواہ کسی بھی اعتبار سے ہو یقیناً ایک عظیم سعادت ہے اور جس کے حصے میں یہ سعادت آ جائے وہ اصولی طور پر فضلِ خداوندی کا محل بن جاتا ہے کہ خود ذاتِ باری تعالیٰ نے محسنوں کے لیے اپنے قرب کی بشارت دی ہے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ قَرِیْبٌ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ

"بے شک محسن اللہ کے قریب ہوتے ہیں۔"

اسمائے حسنہ میں اللہ کا ایک نام جواد بھی ہے جس کے معنی ہیں سخی۔ سخاوت اور خیرات وغیرہ کا دین اسلام میں بڑا درجہ اور اجر ہے اور اس صفت کا تعلق بھی انسانوں یعنی انسانیت سے ہی ہے کہ سخاوت انسانوں کے ساتھ کی جاتی ہے اور خیرات انسانوں ہی کو دی جاتی ہے۔ اس ضمن میں سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ نہایت قابلِ غور اور بڑی راہ نمائی کا باعث ہے۔ روایت یہ ہے کہ ایک جنگ میں لشکرِ اسلام کو فتح ہوئی تو مالِ غنیمت کے ہمراہ جنگی قیدیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا قیدی عورتوں میں حاتم طائی (جو قبیلہ طے کا سردار اور سخاوت میں مشہور زمانہ تھا) کی بیٹی بھی شامل تھی جب اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ یہ حاتم طائی کی بیٹی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک اس کے بیٹھنے کے لیے بچھوائی اور اس کی بہت عزت افزائی فرمائی اور نہ صرف اسے بلکہ اس کے کہنے پر اس کے قبیلے کے دیگر قیدی افراد کو بھی رہا کر دیا اور فرمایا کہ اس کا باپ اللہ کی ایک شان (جواد) کا مظہر تھا اس لیے یہ توقیر کی گئی۔ انسانیت کی اقتدار اعلیٰ اور ان کی قدر و عزت افزائی کے ضمن میں یہ واقعہ بے مثال ہے۔

محسنِ انسانیت مدر ٹریسا اور لیڈی ڈایانا:

محسنِ انسانیت اور انسانوں کی خدمت کرنے والے ایسے بھی ہوں گے جن کا نام دنیا میں مشہور نہیں بھی ہوا ہوگا۔ تاہم ہمارے آج کے زمانے کے یہ دو نام مدر ٹریسا (انڈیا) اور پرنسس ڈایانا (برطانیہ) ایسے ہو گزرے ہیں کہ جن کے سر پر اللہ نے شہرتِ عام اور بقائے دوام کا تاج سجا دیا تا کہ تاریخ عالم انہیں کبھی نہ بھلا سکے۔ بے شک یہ ان پر اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ یہ بات

Marfat.com

ساری دنیا میں تسلیم شدہ ہے کہ انہوں نے دُکھی انسانیت کی بے لوث اور ایسی خدمت کی ہے جس میں قوم، مذہب وملت اور رنگ ونسل کا کوئی امتیاز نہیں کیا۔ غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور مریضوں (خاص کر جان لیوا امراض کینسر، جذام، ایڈز وغیرہ) کے علاج کے لیے ساری دنیا میں گھوم پھر کر محنت کی اور فنڈز اکٹھے کیے۔ اسی بات کا نتیجہ تھا کہ ان کی موت کا غم ساری دنیا میں بلا امتیاز مذہب وملت بڑی شدت سے محسوس کیا گیا۔

مدر ٹریسا کی ولادت ۱۹۱۰ء میں البانیہ میں ہوئی اور ۸۷ سال کی عمر میں ۱۹۹۷ء میں انہوں نے کلکتہ (انڈیا) میں انتقال کیا۔ وہ ۱۹۲۹ء میں ننوں (Nuns) کے ایک گروپ میں ہندوستان آئیں اور پھر ساری عمر یہیں خدمت انسانیت میں صرف کر دی۔ ۱۹۷۹ء میں انہیں ''عالمی نوبل پرائز'' سے بھی نوازا گیا۔ غربت اور بیماری کا خاص کر جذام کے مریضوں کے لیے انہوں نے بہت کام کیا۔ مریضوں کی خدمت ایسے کرتیں جیسے کوئی اپنے بچوں اور اولاد کی کرتا ہے۔ ساری عمر شادی نہیں کی اور بڑی سادہ زندگی بسر کی۔ وہ بہت حساس تھیں کیونکہ انہوں نے خود غربت میں آنکھ کھولی تھی اور ان کے والد معمار (Mason) تھے۔ وہ یتیم بچوں سے بھی خصوصی انس رکھتی تھیں اور دنیا بھر میں سینکڑوں یتیم خانوں کو ان کی سرپرستی حاصل تھی۔ انہوں نے زندگی میں کبھی شہرت کی خواہش نہیں کی۔ تاہم اپنے اس نیک مشن اور انسان دوستی کی بنا پر ان کو ساری دنیا میں اس قدر عزت اور وقار حاصل ہوا کہ بڑے سے بڑے ملک کا حکمران بھی انہیں جھک کر ملنے میں اپنے لیے سعادت سمجھتا۔ دنیا کے تمام بڑے ممالک نے جن میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، انڈیا وغیرہ شامل ہیں، انہیں اپنے ملکی اعزازات سے نوازا اور ان کے ساتھ اپنی عزت بھی بڑھائی۔

لیڈی ڈایانا جو کہ پرنسیس آف ویلز بھی تھیں اس لیے ایک نہایت اُونچی سیاسی حیثیت بھی رکھتی تھیں۔ ساری دنیا میں بے شمار یتیم خانوں اور فلاحی اداروں کی سرپرست تھیں اور باوجود شہزادی ہونے کے مریضوں، غریبوں اور خاص کر بچوں سے جن میں زیادہ تر کالے اور افریقی نسل کے کمزور اور لاغر بچے بھی ہوتے اس طرح گھل مل جاتیں اور ان سے پیار سے پیش آتیں کہ جس سے ان کی انکساری اور حساس طبیعت کا اظہار ہوتا تھا اور جس کے اعتراف کے طور پر لوگوں کی طرف سے انہیں ''عوامی شہزادی'' کا خطاب دیا گیا۔ انہوں نے انسانی ہلاکت کے لیے بنائے جانے والے مہلک ہتھیاروں جیسے بارودی سرنگیں (Mines) وغیرہ کے خلاف بھی ایک بڑا محاذ

Marfat.com

قائم کیا تا کہ انسانوں کو اس ہتھیار کی ہلاکت، تباہی، بربادی اور اس سے ہونے والی انسانی معذوری سے بچایا جا سکے۔ ان کی طبعی عمر ہی اللہ کے ہاں کم لکھی تھی اس لیے محض ۳۶ برس کی عمر میں ۱۹۹۷ء میں ایک کار ایکسیڈنٹ کی وجہ سے انتقال کر گئیں۔ ورنہ ساری انسانیت کے لیے اور بہت کچھ کر جاتیں کہ اس معاملے میں بہت جوش، ولولہ، ہمت اور حوصلہ اللہ نے انہیں عطا کیا تھا۔ ہر دو مذکورہ بالا محسن انسانیت ہستیاں قریباً ایک ہفتے کے فرق سے پہلے لیڈی ڈایانا اور پھر مدر ٹریسا ایک دنیا کو غم زدہ کر کے راہی ملک عدم ہو گئیں۔ اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین

دوستانِ گرامی! محبت وہ انعام اور نعمت خداوندی ہے کہ جس کا اس جہان میں ہی نہیں، دوسرے جہان میں بھی ڈنکا بج رہا ہے۔ حضور محبوب پاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورہ رحمٰن آیت ۲۷/۶۲ میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَام

"جو کچھ ہے سب کو فنا ہے اور باقی (بقا) رہے گی صرف تمہارے رب کی ذات جو عظمت اور بزرگی والا ہے۔"

تو جب ذات ربی کو فنا نہیں اور قیامت کے بعد بھی وہ باقی رہے گا، تو پھر ان دو چیزوں کو بھی فنا نہیں وہ بھی باقی رہیں گی ایک "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" دوسرے "وَالْحُبُّ لِلّٰه" کہ جب تک ذات ہے اس کی حمد اور اس کی محبت بھی رہے گی وہ کیسے ختم ہو سکتی ہے۔ لہٰذا محبت کی ہمیشگی اور بقائے دوام دونوں جہانوں میں قائم ہے اور یہ محبت ہی ہے جو بندے سے شروع ہو کر اسے اللہ تک لے جاتی ہے اور جو اس سے آشنا نہیں ہوا وہ بدنصیب ہے اور اس نے گویا دنیا میں آنے کی محض زحمت ہی اُٹھائی ورنہ تو حقیقت میں بے کار آیا اور گیا بھی۔

ذرا غور فرمایئے کہ یہ جذبہ کیا عالمگیر ہے اس کے ترانے سارے جہان میں گونج رہے ہیں جس میں رنگ، نسل، زبان اور مذہب وغیرہ کی بھی کوئی قید نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

شہید محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی

بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ محبت اور عشق اپنی ذات میں مکمل مذہب ہے اور کیوں نہ ہو کہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

Marfat.com

اے بے خبر وجہ بنائے دوسرا بھی عشق ہے
کار انساں ہی نہیں کار خدا بھی عشق ہے

چاند اور چکور، شمع و پروانہ، گل و بلبل اور ماں اور ممتا ان سب میں محبت ہی کا نور اور ظہور ہے جس قدر یہ جذبہ دنیا میں کارفرما ہے اور کوئی نہیں۔ اس پر جتنا آج تک لکھا گیا، بولا گیا اور آئندہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کا مقابلہ کسی شے سے نہیں ہوسکتا۔ زمین و آسمان میں ہر شے اسی کی مستی میں مست ہے اور اللہ کے ساتھ یہی چیز ہے جسے فنا نہیں اور باقی رہ جائے گی ورنہ تو سب کچھ فنا ہو جانے والا ہے۔ اس لیے ہم نے بھی سرورق پر لکھا ہے:

Love is God and God is Love.

اب جب کہ یہ آفاقی اور ابدی نعمت ٹھہری تو میرے جیسا عاجز بندہ اس کا بیان کیا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے تو کوئی آفاقی شاعر ہی ہوسکتا ہے جو اس گلدستے اور مرقع کی کوئی جامع تصویر کوزے میں دریا کے موافق پیش کرے۔ چنانچہ اہل محبت و عشق کے سربراہان میں ایک بلند نام ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کا ہے۔ لہٰذا انہوں نے جو خراج محبت کو پیش کیا ہے اور اس کی تصویر کشی کی ہے اس پر اس باب کو الوداع کہتے ہیں:

چمک تارے سے مانگی، چاند سے داغِ جگر مانگا
اُڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلف برہم سے
تڑپ بجلی سے پائی، حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفس ہائے مسیح ابن مریم سے
ذرا سی پھر ربوبیت سے شان بے نیازی لی
ملک سے عاجزی افتادگی تقدیر شبنم سے
پھر ان اجزاء کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں
مرکب نے ''محبت'' نام پایا عرشِ اعظم سے

Marfat.com

بابِ ادب اور تعظیم

ادب اور تعظیم کی اہمیت اور اس کی عظمت دنیا کے ہر مذہب اور معاشرے میں تسلیم کی جاتی ہے۔ کیونکہ شخصیت کی تعمیر میں اس کی حیثیت بنیاد کی سی ہے جیسی بنیاد ہوگی ویسی ہی اس پر عمارت اُٹھے گی۔ فارسی میں ایک ضرب المثل ہے:

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج ——— تا ثریا می رود دیوار کج

''معمار نے اگر پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھ دی، دیوار اگر آسمان تک جائے گی ٹیڑھی ہوگی۔''

ہر چھوٹے پر ادب فرض ہے اس کا جو عمر میں، حیثیت میں، علم، عقل اور کردار میں اس سے بڑا ہو۔ ادب کی بنیاد گھر میں رکھی جاتی ہے۔ جہاں انسان پیدا ہوتا اور پرورش پاتا ہے۔ وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ معاملات خواہ دنیاوی ہوں یا دینی، ادب کی اہمیت اور ضرورت ایک جیسی ہے جیسے کہ مثل مشہور ہے ''باادب بامراد، بے ادب بے مراد'' جو کہ ایک تسلیم شدہ حقیقت بھی ہے۔

معاملاتِ دنیاوی کو بطریقِ احسن چلانے کے لیے دورِ جدید کی اصطلاح میں جسے (Discipline) (نظم وضبط) کہا جاتا ہے۔ وہ ادب ہی کا دوسرا نام ہے جو قائداعظم محمد علی جناح بانئ پاکستان کے تین مشہور زمانہ اور زریں اصولوں Unity - Faith - Discipline میں سے بھی ایک ہے۔

ادب بھی ان معاملات میں سے ہے جو اللہ نے بندوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سکھایا ہے جیسے نماز میں، پابندئ اوقات، سمت، صف بندی، حرکات میں توازن اور غیر ضروری حرکات سے منع کیا گیا ہے (جیسے فوجی پریڈ کے قواعد میں ہوتا ہے) روزے میں سحری اور افطاری میں پابندئ اوقات، جھوٹ، غصہ، گالی گلوچ اور بدزبانی سے گریز اور حج کے معاملے

Marfat.com

میں دورانِ حج امیر اور غریب کا فرق مٹا کر ایک جیسا لباس (جیسے فوجی اصطلاح میں یونیفارم) وغیرہ وغیرہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے ان میں اکثریت عربی بدو لوگ تھے جن کی آواز بڑی کرخت، اُونچی اوران پڑھ ہونے کی وجہ سے آداب گفتگو اور معاشرت سے بھی ناواقف تھے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں بذریعہ وحی انہیں تنبیہ (Warning) کی "اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کہہ دیجیے کہ اگر ان کی آواز آپ کی آواز سے اُونچی ہوئی (دورانِ گفتگو) تو میں ان کے پچھلے سارے اعمال غارت کردوں گا اور ان کو اس بات کا علم تک نہیں ہو سکے گا" پھر دوسری مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ناموں (اس طرح) سے نہ پکارو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو" تو یہ ادب (Manners) خود ذات باری تعالیٰ نے بندوں کو سکھایا کیونکہ حقیقت تو یہی ہے کہ ادب سے اطاعت اور محبت پیدا ہوتی ہے جس سے بندہ اپنے رب کو راضی کر لیتا ہے۔ علامہ اقبال کا ایک مصرعہ ہے:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی تنگ گلی سے گزر رہے تھے جس میں دو آدمی برابر یعنی کندھے سے کندھا ملا کر نہیں چل سکتے تھے۔ آپ کے آگے آگے ایک بوڑھا جو مسلمان نہیں تھا اور جسے سب پہچانتے تھے۔ آہستہ آہستہ جا رہا تھا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کے پیچھے پیچھے آہستہ چلنا پڑا۔ صحابہؓ نے جو ساتھ تھے چاہا کہ اس بوڑھے شخص کو ایک طرف ہٹا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکلنے کا راستہ بنایا جائے لیکن جیسے ہی وہ اس خیال سے بڑھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ایسا نہ کرو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو کافر ہے۔ فرمایا پھر کیا ہوا عمر میں تو بڑا ہے۔ خود اپنے طرزِ عمل سے ایسے ادب کی تعلیم دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی یہ ایک روشن مثال ہے۔

تصوف یا صوفی ازم یعنی اللہ طلبی کی راہ میں ادب اور تعظیم پہلا زینہ اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ جو کبار اولیاء میں سے ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ کُلُّ تَصَوُّف اَدَبٌ (یعنی اللہ طلبی صرف ادب ہی ادب ہے) حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ پیر و مرشد بمصداقِ حدیث شریف، نبی کا قائم مقام ہوتا ہے اس لیے ان کا ادب بھی اسی طرح لاگو ہوگا۔

Marfat.com

دست بوسی/قدم بوسی:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''مصافحہ کرو اس سے کینہ جاتا رہتا ہے اور تحفہ دو اس سے محبت بڑھتی ہے'' باہمی روابط کے فروغ کے معاملے میں یہ بڑی خوبصورت اور کلیدی بات فرمائی گئی ہے۔ البتہ مصافحہ کے بعد (جبکہ کینہ تو جاتا رہا) اگر دست بوسی کر لی جائے تو ایک ایسا تاثر پیدا ہوتا ہے جس سے ''محبت'' پیدا ہوتی ہے جو فرمان مذکورہ کے آخری حصہ کے مطابق پھر تحفہ دینے سے ''بڑھتی'' ہے۔ اس ضمن میں ایک ضروری عرض کرتا چلوں کہ کاملین مشائخ کرام نے کبھی کسی بات پر عمل نہیں کیا اور نہ کرتے ہیں جس کی نظیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں نہ پائی جائے جو سنت کہلاتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ کی بھیجی ہوئی مہم (سریہ) میں شامل تھا۔ میرے سمیت لوگ اس جنگ میں بھاگ اُٹھے بعد میں ہم نے ارادہ کیا کہ مدینہ شریف آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہو کر توبہ کریں۔ چنانچہ حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کون ہو ہم نے عرض کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم بھگوڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا ''نہیں'' بلکہ تم دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو۔ مسلمانوں کی جماعت میں ہو اس پر ہم سب نے آپ کے پاس آ کر آپ کا ہاتھ مبارک چوما (عوارف المعارف)

حضرت ہلالؓ جو کہ حضرت مغیرہ صحابی رسول کے غلام تھے، صحابہ کرام اور محبان نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک خاص اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ جس دن ان کا وصال ہوا تو کسی کو علم نہیں تھا۔ اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ آپ تمام کبار صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے، فرمایا کہ اُٹھو اور چلو۔ سب لوگ اُٹھ کر ساتھ روانہ ہوئے۔ حضرت مغیرہؓ کے گھر جب اچانک اور بغیر کسی اطلاع کے پہنچے اور حضرت مغیرہؓ نے باہر آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مع صحابہ کرام کے کھڑے دیکھا تو پاؤں پر گر پڑے اور آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دیا۔ (تفصیل باب المشائخ میں بیان ہو چکی ہوے۔ از مکتوبات صدی)

یہ روایت منقول ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح آئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ کی دست بوسی کی (عوارف المعارف)

داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ ادب طالبان حق کی عادت میں شامل ہوتا ہے اور ترکِ ادب

Marfat.com

فقدانِ محبت کی دلیل ہے۔ اللہ کے دوستوں سے ادب کا دامن کسی حالت میں نہیں چھوٹتا۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں میں یہ واقعہ بھی منقول ہے کہ ایک دفعہ نماز کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ صحابی ہی موجود تھے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے حضرت عبداللہ کو اپنے برابر کھڑا کر لیا (یہ شرعی مسئلہ ہے کہ بوقت نماز اگر صرف دو شخص ہوں تو اگرچہ ایک ان میں سے امام ہوگا مگر وہ دونوں ایک ہی صف میں کھڑے ہوں گے یعنی آگے پیچھے نہیں) جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھے تو حضرت عبداللہ تھوڑا سا پیچھے سرک گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز توڑ کر ان کو برابر کھڑا کیا اور پھر نماز شروع کی لیکن دوسری اور تیسری دفعہ بھی جب حضرت عبداللہ نے ایسا ہی کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے تم پیچھے کیوں ہٹ جاتے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ''حضور مجھ میں یہ مجال نہیں کہ اللہ کے حضور میں حاضری کے وقت بارگاہ الٰہی میں، میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کھڑا ہوں۔'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ حسن ادب پسند آیا اور انہیں دعا دی۔

ادب کے ضمن میں ایک نہایت ہی انوکھا انداز اور دل پر اثر کرنے والا ایک واقعہ باب المشائخ کے بیعت کے عنوان کے ماتحت بیان ہو چکا ہے یعنی یہ کہ بیعت رضوان کے وقت حضرت عثمانؓ موجود نہیں تھے (بلکہ یہ بیعت لی ہی اس بات پر گئی تھی کہ افواہ پھیل گئی تھی کہ حضرت عثمانؓ کو جو سفارت پر گئے تھے شہید کر دیا گیا ہے جو بعد میں غلط ثابت ہوئی) چنانچہ حضرت عثمانؓ نے بیعت بعد میں کی جبکہ آیت بیعت قرآن میں آ چکی تھی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ فرمایا تھا۔ حضرت عثمان کا یہ فرمانا ہے کہ بیعت کے بعد سے زندگی بھر میں نے پھر اپنا دایاں ہاتھ نفس کو یا کسی ایسی چیز کو نہیں لگایا جو مکروہ یا ناپاک ہو، کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے ساتھ فرمانِ الٰہی کے مطابق گویا ''ان کے ہاتھ بوقت بیعت اللہ کے ہاتھ سے لگ چکا تھا'' حسنِ ادب کی یہ مثال بھی بے مثال اور لاجواب ہے۔

سلطان ناصر الدین محمود کا واقعہ:

ایسا ہی ایک دلپذیر اور قلب کو چھو لینے والا واقعہ مشہور مؤرخ فرشتہ نے بیان کیا ہے جو حسن ادب میں ایک سنگ میل ہے۔ لکھتا ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود جو ہندوستان کا بادشاہ تھا لیکن

Marfat.com

طبعاً درویش صفت اور نیک تھا۔ اس کے ایک مصاحب کا نام ''محمد'' تھا اور سلطان اسے اسی نام سے پکارتا تھا۔ ایک دن بادشاہ نے اسے بلاتے وقت تاج الدین کہہ کر پکارا۔ وہ چونک گیا لیکن ادب شاہی کے پیش نظر کچھ کہے بغیر اپنا کام کاج کر کے چلا گیا۔ تین دن تک جب وہ نہیں آیا تو بادشاہ نے اسے بلوایا اور غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔ مصاحب نے مؤدب ہو کر عرض کی کہ آپ مجھے محمد کہہ کر میرے نام سے پکارتے تھے آخری مرتبہ آپ نے تاج الدین کہہ کر بلایا جس سے میں سمجھا کہ آپ کے دل میں شاید میرے لیے کوئی بدگمانی پیدا ہوگئی ہے اس لیے خدمت میں حاضر نہیں ہوا تاہم پریشان ہی رہا۔ سلطان مطمئن ہو گیا اور کہا کہ میں تم سے ہرگز بدگمان نہیں ہوں۔ اللہ گواہ ہے کہ جب میں نے تمہیں تاج الدین کہہ کر پکارا تو دراصل میں اس وقت باوضو نہیں تھا۔ اس لیے نامناسب سمجھا کہ بے وضو ''محمد'' جیسا مقدس نام اپنی زبان پر لاؤں اس لیے تمہیں تاج الدین کہہ کر پکارا۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں میں یہ واقعات بھی منقول ہیں جیسے کہ ایک مرتبہ وحی آئی:

وَاِذَا سَمِعُو مَا اُنزِلَ اللّٰہ اِلَی الرَّسُولِ اَعْیُنَھُمْ تَفِیضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ.

''جو کچھ اللہ نے رسول اللہ کی طرف بھیجا ہے جب (حق شناس) سنیں گے اور معنی پر غور کریں گے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں گے۔''

جس میں نہایت اچھی بشارت تھی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم خوشی میں بے ساختہ اُٹھتے جس سے کندھوں پر سے ردائے مبارک (چادر) گر پڑی جو صحابہ کرامؓ نے اُٹھالی اور بعد ازاں اس کے ٹکڑے کاٹ کر تبرکاً اپنے اپنے پاس رکھ لیے۔ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی گراتے نہیں تھے بلکہ نوش کر لیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت نہیں کرتے تھے اور مجلس میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے تو سب کھڑے ہو جاتے اور جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ نہ جاتے کوئی نہ بیٹھتا۔ تاہم عام عربوں میں یہ رواج یا دستور نہیں تھا۔ البتہ محبان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خاص صحابہ کرامؓ ایسا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔

Marfat.com

یہ تمام آداب جو بیان کیے گئے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے خلفاء، نائبین، مشائخ کاملین کے لیے من وعن اسی طرح رہیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہی ہستیاں ان کی قائم مقام ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اپنی مشہور زمانہ کتاب عوارف المعارف میں فرماتے ہیں کہ شیخ کا ادب یہ بھی ہے کہ مرید اپنا حال اور کوئی معاملہ ان سے پوشیدہ نہ رکھے کہ اس طرح باطن میں گرہ لگ جاتی ہے جو بمنزلہ روگ ہوتی ہے اور سخت نقصان دہ ہے یہی صورت جھوٹ بولنے پر اور غلط بیانی کرنے میں بھی ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ اگر کسی مرید کو کم علمی کی وجہ سے شیخ کامل کا کوئی فعل ناگوار گزرے تو اسے چاہیے کہ قرآن حکیم میں بیان کردہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضرؑ کے واقعہ کو یاد کرے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تین بار خضرؑ کے کاموں پر اعتراض کیا اور جب خضرؑ نے ان کاموں میں پوشیدہ بھید یہ کہہ کر بیان کیا کہ وہ تمام کام انہوں نے اللہ کے حکم سے کیے تو موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کی۔ لہٰذا مرید کو جاننا چاہیے کہ شیخ کامل، اللہ کا رازدار اور صاحبِ اسرار ہوتا ہے اس کے کسی معاملے پر اعتراض بے ادبی ہے۔

سلطان محمود غزنی اور ایاز کا واقعہ:

آقا اور غلام یا مولا اور بندہ کے درمیان ادب کا ایک مثالی واقعہ محمود و ایاز کی ایک حکایت سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو طالبان الٰہی اور صاحبان طریقت کے لیے خاص طور پر نہایت قابل توجہ، الگ معنی اور ایک مشعل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کی اپنے غلام ایاز کے ساتھ محبت مسلمہ اور تاریخی حقیقت ہے۔ سلطان محمود کے اکثر درباری امراء اس بات پر شاکی رہتے تھے کہ سلطان، ایاز کو اتنی اہمیت اور اس کی اس قدر عزت اور قدر افزائی کیوں کرتے ہیں۔ آخر اس میں ایسی کیا بات ہے جو ہم میں نہیں بلکہ حیثیت کے اعتبار سے وہ فقط ایک غلام ہے۔ سلطان کے علم میں جب یہ صورتحال آئی تو اس نے امراء سے کہا کہ تم میں اور ایاز میں کتنا اور کیا فرق ہے۔ میں کسی موقع پر تمہیں دکھاؤں گا۔ ایک مرتبہ جب سلطان محمود ہندوستان سے فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ کر مال غنیمت سمیٹے واپس غزنی آیا تو ایک روز بھرے دربار میں اس نے ایک نہایت بیش قیمت اور نایاب پتھر (ہیرا) خزانے سے منگوا کر رکھا اور اس کے ساتھ ہی ایک ہتھوڑا بھی رکھا۔ پہلے اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ اس ہتھوڑے سے اس پتھر کو توڑ ڈالو۔ وزیر نے ہاتھ جوڑ کر

Marfat.com

عرض کی کہ عالم پناہ ایسا قیمتی پتھر جو نایاب ہے میں اسے توڑنے کی جرات کیسے کر سکتا ہوں۔ دیگر امرائے دربار نے بھی وزیر کی تقلید کی اور باوجود سلطان کے کہنے کے معذرت پیش کی۔ آخر میں سلطان نے ایاز سے بھی وہی کہا جس نے فوراً ہتھوڑے کی ایک ہی ضرب سے وہ پتھر پاش پاش کر دیا۔ محمود غزنوی جلال میں کھڑا ہو گیا اور تمام امرائے دربار بھی حیران اور خوف کے عالم میں کھڑے ہو گئے۔ سلطان نے جلالی آواز میں کہا ''ایاز یہ تم نے کیا کیا اس قدر قیمتی اور نایاب پتھر توڑ دیا'' یہ سنتے ہی ایاز نے ہاتھ جوڑ کر فوراً معافی مانگی کہ حضور مجھ سے خطا ہوئی اور سلطان کے پاؤں پر گر پڑا۔ سلطان نے اسے اُٹھا کر سینے سے لگا لیا اور امراء سے کہا کہ ''تم سب نے وزیر سمیت میری حکم عدولی کی اور ایاز نے میرے حکم کی تعمیل کی اور جب مجھے جلال میں دیکھا تو یہ نہیں کہا کہ حضور آپ ہی نے تو حکم فرمایا تھا بلکہ اپنی غلطی اور خطا کہہ کر معافی کا طلبگار رہا۔ کیا تم میں اور اس میں یہ فرق کافی نہیں۔'' جس پر سب امرائے دربار شرمسار ہوئے۔

سجدہ تعظیمی (Prostrate to put forehead on earth)

قرآن پاک سورہ بقرہ آیت ۳۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے جس نے تکبر کیا اور کافروں میں ہو گیا۔''

یعنی اللہ نے تمام فرشتوں کو (جو صرف اسی کی اطاعت اور عبادت کرتے تھے) حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں سوانہوں نے تعمیل حکم الٰہی میں کیا اور نہ کرنے والا حکم عدولی کی بنا پر راندۂ درگار ہوا اور لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈالا گیا اور وہ شیطان کہلایا جس سے بسم اللہ پڑھنے سے بھی پہلے اللہ کی پناہ مانگی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں سورۂ یوسف میں یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف کو ان کے باپ اور بھائیوں نے سجدہ سر دربار کیا۔ جبکہ ان کے والدِ ماجد حضرت یعقوبؑ خود بھی اللہ کے نبی تھے۔ یہ دونوں خبریں تو قرآن پاک میں موجود ہیں جبکہ ایسا کوئی حکم قرآن میں نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کسی آدمی کے سامنے ایسا تعظیمی سجدہ نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ فرشتوں نے آدمؑ کو اور حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں نے حضرت یوسف کو کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عبادت کے

Marfat.com

سجدے اور تعظیم کے سجدے میں بہت فرق ہے۔ اگر فرشتوں کا سجدہ عبادت کا سجدہ ہوتا تو خدا گویا خود فرشتوں سے شرک نہ کراتا اور اگر تعظیم کا سجدہ ناجائز ہوتا تو حضرت یعقوبؑ پیغمبر اپنے بیٹے کو سجدہ نہ کرتے۔ حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سرکار فرماتے ہیں کہ ہم درویشوں کے مسلک میں ادب اور تعظیم ہی سب سے بڑی چیز ہے۔ ادب اور تعظیم سے اطاعت پیدا ہوتی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اللہ کی اطاعت کرو، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحب امر ہوں۔'' (صاحب امر یعنی اولی الامر کی تفصیل باب المشائخ میں آ چکی ہے) پس جو لوگ اپنے پیروں کے آگے سر زمین پر رکھتے ہیں تو وہ عبادت کا سجدہ نہیں کرتے بلکہ تعظیم کا اظہار کرتے ہیں۔ جس سے ان میں اطاعت پیدا ہوتی ہے اور پیر کی اطاعت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پیدا ہوتی ہے اور رسول کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت پیدا ہوتی ہے جس سے انسان کی پیدائش کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ اللہ نے فرشتوں سے جو آدمؑ کو سجدہ کرایا اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ فرشتے آدمؑ کے مخالف تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ اللہ اسے زمین پر اپنی خلافت اور نیابت عطا کرے اور جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ انہوں نے اعتراض بھی کیا یہ کہہ کر یہ تو زمین میں فساد پھیلائے گا جس پر بارگاہ رب العزت سے انہیں باقاعدہ ڈانٹ پڑی۔ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ (کہ چپ ہو جاؤ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے) اس لیے اللہ نے ان کی مخالفت دور کرنے اور ان کا غرور توڑنے کے لیے یہ تعظیمی سجدہ ان سے کرایا اور جب ابلیس نے نہیں کیا تو یہی فرمایا گیا کہ ابا و ستکبر (اس نے غرور، تکبر کیا) جو لوگ تعظیمی سجدے کی مخالفت کرتے ہیں در حقیقت وہ خود پسندی اور غرور خفی کی وجہ سے جس میں وہ مبتلا ہوتے ہیں ایسا کرتے ہیں کہ گویا ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کی ایسی تعظیم کیوں کی جائے اور اگر کوئی ان کے سامنے ایسا کرنا چاہے تو بر بنائے ریاکاری اس کو منع کرتے ہیں ورنہ دل سے برا نہیں سمجھتے لیکن منع کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ دوسروں کے معاملے میں اس پر اعتراض جو کیا ہوتا ہے۔

ایک بات اور جو نہایت غور طلب اور مدلل ہے یہ کہ عبادت کے سجدہ کے باقاعدہ ارکان ہیں جو لازم ہیں کہ ان کے بغیر قبول ہی نہیں ہوتا:

اوّل : وضو

Marfat.com

دوئم : نیت
سوئم : سمت یعنی کعبہ
چہارم : تسبیح سجدہ (سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھنا)
جبکہ سجدۂ تعظیمی کے لیے ان میں سے کوئی بھی ضروری نہیں صرف ماتھا زمین پر رکھتے ہیں۔

فقہ اسلامی اور شرع کا بیان:

جو کوئی چیز یا کام سابقہ امتوں میں فرض رہا ہو (جیسا کہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ پیغمبران خدا کے زمانے میں رعایا بادشاہ کو، شاگرد استاد کو، اُمت پیغمبر کو، تعظیم کا سجدہ کرتے تھے) اور شرع اسلامی میں اس فرض کے خلاف یا موافق کوئی واضح حکم نہ دیا گیا ہو تو وہ چیز یا کام ''مباح'' ہو جاتا ہے یعنی مسلمان اگر اسے کریں تو کچھ گناہ نہیں بلکہ نفلی ثواب ہے اور نہ کریں تب بھی کوئی گناہ یا باز پرس نہیں۔ مثلاً ایام ابیض (چاند کی ۱۵، ۱۴، ۱۳ تاریخیں) کے روزے، محرم الحرام کے مہینے میں نو اور دس محرم کے روزے وغیرہ جو سابقہ اُمتوں میں فرض رہے ہیں لیکن آج بھی نفلی عبادت کے لیے اور ثواب کے لیے مسلمان بھی رکھتے ہیں۔

مزارات مقدسہ:

مزاراتِ مقدسہ پر جو ادب تعظیم اور احترام کا مظاہر کیا جاتا ہے تو دراصل وہ سب ادب واحترام تو اس شخصیت ہی کا ہوتا ہے جو وہاں آرام فرما ہوتے ہیں۔ محبان وعاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بھی آداب محبت میں سے ہے کہ ان کے لیے مدینہ شہر کی خاک بھی آنکھوں کا سرمہ اور ٹھنڈک ہوتی ہے۔ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری اور زیارت تو ہر مسلمان کی سب سے بڑی اور دلی خواہش ہوتی ہے جس کا پورا ہونا عقیدے کی رو سے ان کی رضا کے بغیر ممکن نہیں اور جسے نصیب ہو جائے اس کے لیے آنکھوں کا نور، دل کا سرور، خوش نصیبی اور اللہ کی طرف سے بہت بڑا انعام اور سعادت سمجھی جاتی ہے۔ بقول شاعر:

جسے چاہا در پہ بلا لیا، جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

تاہم اس مقام کا ادب بھی وہی ہوتا ہے جیسا کہ ان کے لیے ان کی زندگی میں ہوتا ہے۔

Marfat.com

عاشق رسول حضرت علامہ اقبالؒ نے روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہہ کر ان کے ادب کا مقام بتلایا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

(آسمان کے نیچے یعنی زمین پر ایک ادب کی جگہ ایسی بھی ہے جو عرش سے بھی نازک ہے۔)

(حضرت جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ جیسے بزرگ جب یہاں حاضر ہوتے ہیں تو ادب کی وجہ سے سانس تک روک لیتے ہیں یعنی انتہائی آہستہ لیتے ہیں)

علاوہ مزارات مقدسہ کے یہ تو ساری دنیا میں دستور ہے کہ جب سربراہان ملک ایک دوسرے کے ملک میں جاتے ہیں تو وہاں کے مشاہیر اور تاریخی ہستیوں کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں اور پھول وغیرہ پیش کر کے اپنے اپنے طریقے کے مطابق خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جیسا کہ پاکستان آنے والے اکثر VVIP حضرت قائد اعظم محمد علی جناحؒ بانی پاکستان اور ڈاکٹر علامہ اقبالؒ کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں۔ تاریخی اور یادگار دنوں پر اپنے ملک کے حکمران اور عوام بھی وہاں حاضر ہو کر فاتحہ اور عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کے برگزیدہ بندوں اور مقربان الٰہی کے روضہ جات پر جانا اور وہاں محبت اور عقیدت کا نذرانہ پیش کرنا رسم دنیا بھی ہے، موقع بھی ہے، دستور بھی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں انسان ایسی دولت اور سکون سے فیضیاب ہوتا ہے جو دنیا میں اور کہیں نہیں ملتی۔ سوائے ایسے ہی اہل اللہ اور بزرگوں کی صحبت کے جو دنیا میں موجود ہیں۔

قلبِ انسانی، اللہ کا گھر ہے:

مزاراتِ مقدسہ تو دراصل نشان ہیں اللہ کی نشانیوں یعنی مقربانِ الٰہی کے جیسے کہ کعبہ بھی تو اللہ کا نشان ہی ہے اور بحکمِ خدا سجدہ کرنے کی سمت اور اس کا معنوی گھر کہلاتا ہے۔ ورنہ اللہ لامحدود ہے۔ اس چار دیواری کے اندر کیسے محدود ہو سکتا ہے۔ اللہ کا حقیقی گھر تو قلبِ انسانی ہے کہ اسمائے حسنہ میں اللہ کا ایک نام الولی (دوست) بھی ہے اور دوستی مع دوست کے انسان کے دل میں ہوتی ہے یا رہتی ہے اس لیے کعبہ کی حقیقت تو قلبِ انسانی ہے جس میں اللہ کا مقام ہے۔ قلبِ انسانی

Marfat.com

کی اسی حقیقت کے پیش نظر ہی اس کو صدمہ پہنچانا یا توڑنا جسے دل شکنی کہتے ہیں، اہلِ دل کے نزدیک گناہ کبیرہ سے کم نہیں۔ یہ بھی ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ قَرِیْبٌ مِّنْ کُلِّ قَلْبٍ حَزِیْن

''بے شک اللہ درد رکھنے والے یعنی دکھی دل کے قریب ہوتا ہے۔''

حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

در پئے آزار مشو و ہر چہ خواہی کن — کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

''کسی کو دکھ نہ دے یعنی دل نہ دکھا اور جو جی چاہے کر، کہ ہماری (اسلامی) شریعت میں اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ ہر گناہ میں بنیادی طور پر دل شکنی یا حق تلفی ہوتی ہے۔''

اللہ اور اس کی محبت تو قلبِ انسانی میں ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کو تخلیق میں ہر شے پر فوقیت حاصل ہوئی اور یہ اشرف المخلوقات کہلایا۔ کعبے کے ضمن میں اس حقیقت کا مظاہرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن یہ کہہ کر کیا کہ حضرت بلالؓ کو حکم فرمایا کہ کعبے کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دو۔ جس کی تعمیل ہوئی تب حضرت بلالؓ کعبہ کے اوپر اور وہ ان کے نیچے تھا۔ شیخ سعدی شیرازی نے بھی اس کو خوب بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

کعبہ بنیاد خلیلؑ آذر است — دل گزرگاہِ جلیلِ اکبر است

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

''کعبہ کی بنیاد آذر کے بیٹے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے رکھی۔ دل میں جلیلِ اکبر یعنی اللہ رہتا ہے۔ دل جیت کہ یہ حجِ اکبر یعنی بڑا حج ہے۔ ایک دل جیت لینا، ہزار کعبوں سے بہتر ہے۔''

Marfat.com

ھُوالسیّد

باب الاخلاق

اخلاق آغازِ فطرت میں سب سے پہلے حضرت آدم کو دیا گیا اور ان سے انبیاء اور رسولوں نے گویا ترکہ میں پایا۔ یہاں تک کہ آخری نبی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور آپ سے آپ کی اُمت کو ملا ہے۔ اخلاق ایک حسین اور متوازن امتزاج اور ایسا مرقع ہے جس میں کردار، ادب، تہذیب اور معاشرتی اقدار شامل ہیں۔ دنیا کے ہر مذہب اور معاشرے میں اس کی اہمیت اور اعلیٰ مقام کو تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تَخلِقُوا بِاَخلَاقِ اللّٰہِ

''اللہ جیسے اخلاق تخلیق (پیدا) کرو۔''

اخلاق اللہ سے مراد یہی ہے کہ جیسے وہ خود کھانے پینے سے بے نیاز اور پاک ہے لیکن انسان سے کیڑے مکوڑے تک کا رازق اور انہیں روٹی پانی دیتا ہے۔ خود نہیں سوتا لیکن انسان کو آرام کے لیے نیند دے رکھی ہے خود ہر حاجت سے پاک ہے لیکن بندوں کی اور مخلوق کی تمام حاجات پوری کرتا ہے۔ اخلاق کے ضمن میں ان سب باتوں سے جو ایک بات نکلتی ہے اسے ہم اپنی زبان میں جذبہ ایثار و قربانی کہتے ہیں۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اخلاق کے بارے میں اللہ کے مذکورہ بالا فرمان کی متابعت میں سرکار دو عالمؐ نے اخلاق عالیہ کا جو نمونہ اور مثال پیش کی وہ اس کرہ ارض پر اولاد آدم میں بے مثل اور ایک ہی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ خالقِ کائنات نے قرآن میں ان کے اخلاق کے بارے میں یہ فرما کر انہیں ہدیہ تبریک پیش کیا:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ

''درحقیقت آپ عظیم اور اعلیٰ اخلاق (حسنہ) سے متصف ہیں۔''

Marfat.com

حدیث شرف اور سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں میں بے شمار مثالیں آپ کے خلقِ عظیم کی بیان کی گئی ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ اگر آپ سے معجزات نہ بھی صادر ہوتے تو آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور صفات پسندیدہ ہی آپ کے برحق و برگزیدہ رسول ہونے کے ثبوت میں کافی ہیں۔ بااین ہمہ درجات و منصب نبوت و رسالت، صاحب معراج وقاب قوسین، صاحب لولاک، حبیب اللہ اور آپ کی ان شانوں کے جو قرآن پاک میں اللہ نے بیان فرمائی ہیں، آپ کی طبیعت میں جو سادگی، حسنِ سلوک اور محبت تھی اس کی چند مثالیں پیش ہیں کہ یہ بات ذکرِ نبیؐ کے زمرہ میں بھی آتی ہے کہ جس کے سننے اور پڑھنے سے اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

۱- سلام کرنے میں سبقت فرماتے دن میں اگر کئی بار بھی صحابہ کرام سے ملنا ہوتا تو بھی ہر بار سلام کرنے میں پہل فرماتے۔

۲- ملنے جلنے میں بے تکلفی اور سادگی سے ملتے۔

۳- کسی سے کوئی کام خراب بھی ہو جاتا تو کبھی ناراض نہ ہوتے۔

۴- اپنے گھوڑے کو دانہ گھاس وغیرہ خود ہی ڈال دیتے۔

۵- اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑے خود سیتے اور پیوند بھی لگا لیتے۔

۶- گھر کے کاموں میں بوقت ضرورت خادموں کے ساتھ شریک ہو جاتے۔

۷- گھر میں جھاڑو دیتے اور چراغ خود جلاتے۔

۸- صحابہ کرامؓ میں اس طرح گھل مل کر بے تکلفی سے بیٹھتے کہ اگر کوئی اجنبی آتا تو اسے بتائے بغیر پتہ نہ چلتا کہ ان میں آنحضرت کون ہیں۔

۹- صحابہ کرام کو ان کی عزت اور تکریم کی وجہ سے نام سے نہ بتلاتے بلکہ ان کی کنیت وغیرہ سے پکارتے اور اگر کسی کی کنیت نہ ہوتی تو آپ اس کی کنیت خود رکھ دیتے۔

۱۰- اگر صحابہ کرامؓ یا کوئی دوسرا شخص آپ کو پکارتا تو آپ لبیک کہہ کر جواب دیتے۔

۱۱- بچوں کی منڈلی کے پاس سے گزرتے تو ٹھہر کر ان کو سلام کرتے اور ان سے پیار کرتے۔

۱۲- مسلمانوں کی عیب پوشی فرماتے۔

۱۳- پریشانی اور بیماری کی حالت میں اپنے دوستوں کی مدد فرماتے۔ اگر آپ کا کوئی غلام

Marfat.com

بیمار پڑ جاتا تو اس کا کام خود کرتے اور اسے آرام کرنے کو فرماتے۔ بازار سے سودا وغیرہ خود لے آتے۔

۱۴- آزاد اور غلاموں، سب کی دعوت قبول فرماتے اور تحفہ بھی لے لیتے اگرچہ ایک گھونٹ دودھ یا چند کھجوریں ہی کیوں نہ ہوں۔

۱۵- جو کچھ کھانے میں پیش کیا جاتا بخوشی اور رغبت سے تناول فرماتے اور کھانے میں کبھی کوئی عیب نہ نکالتے۔

۱۶- جو کپڑا امباح ہے جب مل جاتا پہن لیتے، کبھی کمبل، کبھی یمنی چادر، کبھی کھدر اور کبھی سفید کپڑا پہنتے۔

۱۷- جو سواری مل جاتی قبول فرما لیتے کبھی گھوڑا، کبھی اُونٹ، کبھی گدھا، کبھی پیدل، کبھی ننگے پاؤں، کبھی بغیر چادر کے اور پگڑی یا ٹوپی کے راستہ چلتے جیسا کہ موقع ہوتا۔

۱۸- اگر کوئی شخص کسی ضرورت سے آپ کے پاس آتا اور آپ نماز میں مشغول ہوتے تو آہستگی کے ساتھ جلد رکعت پوری کر کے اس کی طرف متوجہ ہوتے اور اس کی ضرورت پوری کر کے پھر نماز میں مشغول ہو جاتے اور باقی رکعتیں پوری کرتے۔

۱۹- کوئی ملنے والا آتا تو اس کی تعظیم کرتے اور بعض اوقات اپنا تکیہ تک نکال کر اس کو دے دیتے اور اگر وہ آپ کے احترام یا ادب کی وجہ سے انکار کرتا تو آپؐ اس کو قسمیں دے کر لے لینے پر مجبور کرتے۔

ان سب باتوں کی روایت حضرت ابو سعید خدریؓ اور دیگر محدثین نے کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بے شمار مثالیں اخلاق کی جنہیں اسوہ حسنہ کہا جاتا ہے سیرۃ اور احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ کوئی چیز جو حساب کے ترازو میں رکھی جائے گی حسن اخلاق سے زیادہ بھاری نہیں اور ایک خوش اخلاق انسان خوش اخلاقی کی بدولت روزے، نماز والے انسان کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔

ایک اور حدیثِ شریف میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک نہایت حسین وجمیل شخص حاضرین میں سے اُٹھا اور سوال کیا کہ حضور دین کیا ہے۔ آنحضرتؐ

Marfat.com

نے فرمایا "اخلاق" کچھ دیر بعد اس نے پھر وہی سوال اُٹھ کر دہرایا حضور پاک نے پھر فرمایا "اخلاق" پھر وہ شخص چلا گیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہ یہ کون صاحب تھے۔ ہم نے پہلے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ جبرائیلؑ تھے اور تمہیں دین سکھانے اور بتلانے آئے تھے۔

اچھے اخلاق سیکھنے اور پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اچھی صحبت یعنی بااخلاق انسانوں میں بیٹھے کہ یہ تو انسان کو سنوارنے بنانے کا کام ہے جو کوئی دوسرا خلیق انسان ہی کر سکتا ہے۔ یہ کسی کتاب کو پڑھ کر نہیں ہوسکتا کہ اس کا تعلق علم سے نہیں تربیت سے ہے اس بات کی تشریح میں ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

حکیم بوعلی سیناؒ:

حکیم بوعلی سینا جو کہ ایک بہت بڑے حاذق طبیب (ڈاکٹر) فلاسفر اور مشہور زمانہ عالم ہو گزرے ہیں اور موجودہ میڈیکل سائنس کے بانی اور بابائے طب کہلاتے ہیں بلکہ ان کی تصویر اسی عنوان کے تحت "رائل کالج آف فزیشنز اینڈ سرجنز" لندن میوزیم میں بھی رکھی ہوئی ہے۔ ان کے ملنے والوں میں ایک شخص تھا جو اس وقت کے مشہور زمانہ عالم اور بزرگ دین خواجہ ابوسعید ابوالخیرؒ کا مرید تھا ایک مرتبہ جب وہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری کے لیے جارہا تھا تو حکیم بوعلی سیناؒ نے اس سے کہا کہ جب خواجہ صاحب کے پاس جاؤ تو میرے بارے میں بھی ان کی رائے دریافت کرنا وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ مل کر واپس آیا تو حکیم صاحب نے پوچھا کہ سناؤ میرے بارے میں انھوں نے کچھ کہا تو اس شخص نے بتایا کہ ہاں میں نے ان سے آپ کے بارے میں ان کی رائے معلوم کی جس پر انہوں نے فرمایا کہ وہ عالم فاضل شخص ہے لیکن اس میں مکارم اخلاق نہیں ہیں۔ یہ بات سن کر حکیم صاحب حیران اور کبیدہ خاطر بھی ہوئے اور اس شخص سے کہا کہ آئندہ جب جاؤ تو انہیں بتانا کہ میں نے صرف اخلاق کے موضوع پر کم از کم سو کتابیں لکھی ہیں۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ خواجہ صاحب سے مل کر آیا تو حکیم صاحب نے پوچھا کہ سناؤ کیا میری بات انہیں بتائی اس نے کہا جی ہاں میں نے انہیں بتایا تھا کہ آپ نے سو سے زیادہ کتابیں اخلاق کے مضمون پر لکھی ہیں۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ خواجہ صاحب سے مل کر آیا تو حکیم صاحب نے پوچھا کہ سناؤ کیا میری بات انہیں بتائی۔ اس نے کہا جی ہاں میں نے انہیں بتایا تھا کہ آپ نے

Marfat.com

سو سے زیادہ کتابیں اخلاق کے مضمون پر لکھی ہیں۔ جس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ میں نے کب کہا کہ وہ اخلاق کے بارے میں جانتا نہیں یا اس کا علم نہیں رکھتا۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ مکارم اخلاق اس میں ہیں نہیں کہ کسی بات کا علم اور چیز ہے اور اس چیز کا ہونا یعنی اس پر عمل بالکل دوسری بات ہے۔

اخلاق کے سدھارنے اور سنوارنے میں صحبت کا حصہ سب سے زیادہ ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ ہے ہی اچھی صحبت کا نتیجہ تو یہ بالکل درست اور حقیقت پر مبنی ہوگا۔ عقل والوں کے نزدیک کسی شخص کی اخلاقی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس سے پوچھ لیتے ہیں کہ کن لوگوں میں اُٹھتے بیٹھتے ہو یعنی مصاحبت رکھتے ہو۔ فارسی کی ایک مثل مشہور ہے:

صحبتِ صالح ترا صالح کند صحبتِ طالح ترا طالح کند

''اچھوں کی صحبت تمہیں اچھا بناتی ہے، بروں کی صحبت تمہیں برا بناتی ہے۔''

تاہم صحبت سے فائدہ اُٹھانے کے لیے بھی عقل اور سمجھ بوجھ سے کام لینا ضروری ہے۔ ورنہ انسان محروم رہ جاتا ہے۔ صحبت یا ہم نشینی کی اہم شرط یہ ہے کہ جس سے ہو اس کا درجہ ملحوظ خاطر رہے۔ یعنی

- ☆ شیخ کے ساتھ ادب اور تعظیم کا۔
- ☆ دوستوں کے ساتھ بے تکلفی اور اخلاق کا۔
- ☆ بچوں کے ساتھ شفقت اور پیار کا۔
- ☆ بوڑھوں اور بڑوں کے ساتھ احترام اور عزت کا۔

باب السماع، نغمہ و موسیقی

اس ضمن میں ابتدا اس بات سے کرتے ہیں کہ سماع اور نغمہ آخر ہے۔ کیا چیز اور اس کی حقیقت اور آغاز کہاں سے ہے، نیز اس کا روح انسانی سے کیا تعلق ہے اور مقولہ ''موسیقی روح کی غذا ہے'' کی اصل اور تشریح کیا ہے؟ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ تخلیق آدمؑ کے وقت ایک واقعہ بارگاہ رب العزت میں پیش آیا جسے قرآنِ حکیم کی سورۃ الاعراف آیت ۱۷۲ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

Marfat.com

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ○

''اور اے حبیب لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کہ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'' انہوں نے کہا ''کیوں نہیں، یقیناً آپ ہی ہمارے رب ہیں'' اور ہم اس پر گواہ ہیں یہ ہم (اللہ) نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔''

مولانا مودودیؒ نے تفہیم القرآن میں اس آیت کی تشریح یوں کی ہے کہ یہ سلسلہ تخلیقِ آدمؑ کے موقع پر پیش آیا تھا اس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے انسانِ اوّل کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسان کی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا۔ اسی طرح پوری نسلِ آدم کو بھی جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی اللہ نے بیک وقت وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کی گواہی لی تھی۔

اسی آیت مبارکہ کی تفسیر میں صحابی رسولؐ حضرت ابی بن کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے اس آیت کی تشریح پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے سب کو جمع کیا اور (ایک ایک قسم اور ایک ایک دور کے) لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں مرتب کر کے انہیں انسانی صورت اور گویائی کی طاقت عطا کی پھر ان سے عہد و میثاق لیا اور انہیں اپنے اوپر گروہ بناتے ہوئے پوچھا ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' انہوں نے عرض کیا ''جی ہاں، ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں۔'' تب اللہ نے فرمایا کہ ''میں تم پر زمین و آسمان سب اور خود تمہارے باپ آدمؑ کو گواہ ٹھہراتا ہوں تا کہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس بات کا علم نہ تھا۔''

یہ واقعہ جو آسمانوں میں وقوع پذیر ہوا اس لیے بیان کیا گیا کہ یہی ہمارے مضمون سماع اور نغمہ کی بنیاد ہے جس کی معرفت، حقیقت اور تشریح آقا و مولا حضرت سیّد صاحب قبلہ نے ایسی بیان فرمائی ہے جو ایک روشن دلیل بھی ہے اور عقلِ سلیم کو قابل قبول بھی۔ اس اجمال کا خلاصہ یوں ہے

Marfat.com

کہ جب حضرت حق جل مجدہ نے یوم میثاق ازلی پر انسانوں سے خطاب فرمایا اور یہ کہا ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'' تو یہ اس کائنات میں پہلی آواز تھی کہ اس سے پہلے اس پوری کائنات میں آواز (صوت) نام کی کوئی چیز نہیں تھی اس لیے اسے ''صوتِ سرمدی'' کہتے ہیں کہ اسی صوت سے جہان میں ہر قسم کی آوازیں پیدا ہوئیں جو مختلف انداز میں تمام حیوانات میں پائی جاتی ہیں تاہم نطق یعنی زبان (Language) کی نعمت صرف انسان کے حصے میں ہی آئی کیونکہ خطابِ الٰہی اس کو کیا گیا تھا جو سوالیہ تھا اور اس کو جواب بھی دینا تھا جو دیا گیا اس لیے نطق عطا ہوا۔

پھر قرآن ہی بتاتا ہے کہ اللہ نے آدم کو اسماء سکھائے یعنی چیزوں کے نام اور ان کی حقیقت (Working) بھی بتلائی جس سے وہ کلام کرنے کے قابل ہوا اور اسے شعور اور عقل آئی جس کی مثال انسانی بچے کی پیدائش اور بعد ازاں اس کی پرورش ہے۔ کوئی بچہ پیدا ہوتے ہی کلام نہیں کرتا۔ حالانکہ صوت یعنی آواز اس کے پاس ہوتی ہے جو روتے اور ہنستے وقت پیدا ہوتی اور سنائی بھی دیتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اور عمر کے ساتھ وہ غوں غاں وغیرہ کرنے لگتا ہے پھر ماں باپ اسے چیزوں کے نام سکھاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے الفاظ بولنا اسے سکھاتے ہیں تاوقتیکہ وہ عمر کے ساتھ بڑا ہو کر پوری طرح بولنے یعنی کلام کرنے لگتا ہے۔

اللہ نے جب آدم کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر دنیا میں بھیجا تو زمانے کے ساتھ ساتھ اولادِ آدم بڑھنے لگی اور دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلنے لگی۔ اولادِ آدم کے اس پھیلاؤ سے دنیا میں ممالک وجود میں آئے۔ دنیا کے مختلف مقامات جو بعد میں ممالک کہلائے ان کے جغرافیائی محل وقوع اور مختلف موسم اور آب و ہوا کی وجہ سے اولادِ آدم کے گروہ بنے اور مختلف نسلیں وجود میں آئیں جو اپنی شکل و شباہت، رنگ اور زبان میں فرق سے آج بھی اپنی علیحدہ علیحدہ شناخت رکھتی ہیں۔ ان سب باتوں میں زبان (Language) کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ انسان جب دنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہوا تو ہر خطے کے لوگوں نے اپنا اپنا گروہ اور قبیلہ بنالیا اور اپنی نشست و برخاست (جو بعد میں تہذیب و تمدن کہلائی) میں فرق کی وجہ سے اپنی زبان بھی اختراع کی۔ نطق یعنی قوت گویائی تو صوتِ سرمدی سے انسان کو ورثہ یعنی فطری اور پیدائشی طور پر ملی تاہم عنایت ازلی سے اسے جو عقل دی گئی تھی اس سے کام لیتے ہوئے اس نے ابتدائی غوں غاں سے حرف (اب ج د یعنی (Alphabet) بنائے۔ غور کرنے سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام حروف ابجد

Marfat.com

(Alphabets) کی حقیقت ایک ہی ہے اور وہ ہے نطق یعنی آوازِ انسانی جس پر وہ حروف بنائے گئے ہیں۔ حروفِ ابجد کی اختراع کے بعد عقلِ انسانی اور شعور نے ترقی کی تو حروف سے الفاظ اور پھر الفاظ سے مختلف زبانیں وجود میں آئیں۔

یہ بات بھی قرین عقل ہے کہ زمین پر آنے کے صدیوں بعد انسان زبان دانی پہ قادر ہوا ہوگا اور یہ ترقی بتدریج ہوئی ہوگی کیونکہ دنیا کی زبانوں کی تاریخ (History of Language) سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی زبان کبھی کہیں نہیں ٹھہری بلکہ اس میں ترقی ہوتی رہی، ہو رہی ہے اور اسی اصول کے تحت گویا ہوتی رہے گی یہی زندہ زبانوں کا دستور ہے۔ یہ الگ حقیقت ہے کہ کچھ زبانیں وقت اور زمانے کے ساتھ کالعدم یا ناپید بھی ہوگئی ہیں۔ تاہم ان کی جگہ دیگر زبانیں وجود میں آ جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر جو انگریزی زبان شیکسپیئر کے دور میں تھی آج نہیں ہے اور جو اُردو امیر خسروؒ نے اختراع کی تھی وہ چھ سات سو برسوں میں کہاں سے کہاں تک آ گئی ہے۔

اب ہم پھر اپنے اصل مضمون کی طرف آتے ہیں کیونکہ اسے اچھی طرح سمجھنے کے لیے مندرجہ بالا تمہید اور وضاحت بڑی ضروری تھی۔ بات شروع ہوئی تھی خطاب رب العزت سے کہ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'' بات بڑی توجہ اور غور طلب ہے اور وہ یہ کہ باری تعالیٰ نے یہ خطاب فرمایا تو وہ پہلی آواز تھی اس پوری کائنات میں یعنی اس سے پہلے صوت (آواز) کا وجود ہی کائنات میں نہیں تھا اور یہ صوتِ سرمدی تھی تو جب صوت اور نطق تھا نہیں تو الفاظ کہاں سے آ گئے اور دوسرے چونکہ قرآن عربی زبان میں اُترا اس لیے یہ الفاظ بھی عربی کے ہیں اس وقت کہ جب الفاظ ہی کائنات میں نہیں تھے زبان کہاں سے آئی۔ تیسرے جیسا کہ آیت مذکورہ بالا کے ترجمے اور تشریح میں بیان ہوا ہے کہ روئے زمین کے تمام انسانوں کو جو قیامت تک آنے والے تھے قادر مطلق نے انہیں وجود بخش کر کھڑا کیا اور خطاب کیا تو غور طلب بات ہے کہ دنیا میں تو سینکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں اور اگر علاوہ عربوں کے یہی خطاب الٰہی کسی دوسری زبان کے لوگوں کو اسی یعنی عربی زبان میں سنایا جائے تو انہیں تو سمجھ میں نہیں آئے گا جو حکمت الٰہیہ اور عدل خداوندی کے خلاف ہوگا۔ پھر یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ اللہ کی کوئی ایک مخصوص زبان نہیں کہ قرآن سے پہلے صحائف آسمانی جتنے بھی آئے وہ مختلف زبانوں میں تھے اور اللہ ہی کے احکام و فرمان تھے۔ لہٰذا سب زبانیں اللہ ہی سے ہیں کہ صوت سرمدی اور نطق سے ہی پیدا ہوئی ہیں۔ یہ بھی ہمارا ایمان ہے

Marfat.com

کہ ذات باری تعالیٰ ہر قسم کے نقص سے پاک اور بڑی حکمت والی ہے۔ بات تو صرف غور کرنے اور فکر کرنے کی ہے۔ چنانچہ حضرت سیّد صاحب قبلہ نے یہ فرمایا کہ یہ خطاب الٰہی دراصل ایسے تھا جیسے آواز یعنی صوت کی لہریں ہوتی ہیں (جیسے کہ ریڈیو، ٹی وی (T.V) وغیرہ سے آواز ہم تک لہروں کے دوش پر پہنچتی ہے) اور ان میں کوئی الفاظ نہیں تھے بلکہ اس کی صورت ایسی تھی جسے مثال کے طور پر ہم ''الاپ'' کہتے ہیں جو کسی راگ کے شروع ہونے سے پہلے کیا جاتا ہے جس میں سروں کا زیر و بم تو ہوتا ہے کوئی الفاظ نہیں ہوتے۔ تاہم سننے والے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ فلاں راگ ہے اسی طرح جب وہ صوتِ الٰہی پیدا ہوئی اور انسانوں کی قوتِ سماعت کی بدولت ان کی ارواح تک پہنچی تو گویا ہر ایک کی اپنی زبان میں (De-code) ہوئی۔ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' جس کا جواب بھی ہر روح نے اسی صورت میں دیا کہ صوت ولحن ہی یونیورسل زبان تھی اور ہے ورنہ عربوں کے علاوہ دوسرے نہ تو سوال سمجھ سکتے تھے اور نہ ہی قالو بلیٰ کہہ سکتے تھے اور جب تک تمام ارواح سوال نہ سمجھ لیتیں اور اس کا جواب ہاں میں نہ دیتیں جیسا کہ ہوا تو یہ میثاق یا عہد کیسے کہلاتا۔ حضرت قبلہ نے مزید فرمایا کہ اس ازلی نغمے یا الاپ کی شکل ایسی تھی جسے آج کے زمانے یا راگوں کی اصطلاح میں ''پوربی بھیرویں'' کہتے ہیں۔ اس فرمان کی تشریح میں عرض کرتا ہوں کہ غالباً یہی وجہ ہے کہ بھیرویں راگ کو سدا بہار بھی کہا جاتا ہے یعنی یہ کسی وقت بھی گایا جا سکتا ہے جبکہ باقی راگوں کے اپنے اپنے اوقات مقرر ہیں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ بھیرویں راگ بھی ہے ٹھاٹ بھی۔ (سرگم کی ایک مخصوص بندش یعنی (Combination) کو ٹھاٹ کہتے ہیں اور کل ٹھاٹ بھی سات ہی ہیں) اسی بھیرویں ٹھاٹ کا ایک مشہور راگ مالکونس ہے جو پانچ سروں کا راگ ہے اور اسے عبادت کا راگ بھی کہتے ہیں۔ سماع میں گائی جانے والی موثر بندشوں (طرزوں) میں زیادہ تر بھیرویں ہی کا استعمال ہوتا ہے اور ہندوؤں کے بھجن تو اسی فیصد سے زائد اسی راگ میں ہوتے ہیں۔ اپنی خصوصیات اور تاثر کے اعتبار سے راگوں میں بھیرویں کی فضیلت اسی وجہ سے ہے کہ اس کا تعلق بالواسطہ صوت سرمدی اور نغمہ ازلی سے ہے۔

موسیقی روح کی غذا:

صوت انسانی میں لحن یعنی خوش آوازی (سریلی آواز) کی عظمت اور بلندی تو اس بات سے ثابت ہے کہ یہ ایسی نعمت خداوندی ہے جو اللہ نے اپنے ایک پیغمبر حضرت داؤدؑ کو بطور معجزہ نبوت

Marfat.com

عطا کی تھی اور قرآن ہی میں اس کی تاثیر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اسے سن کر اُڑتے ہوئے پرندے تھم جاتے اور گر کر مر جاتے اور انسان تک اس سے اسی طرح متاثر ہوتے۔ اب ذرا غور فرمائیے کہ جب لحن انسانی میں اس قدر اثر ہے تو اللہ نے جب اپنی صوت (لحن) یعنی آواز پہلی اور آخری مرتبہ سنائی تو روح پر کیا کچھ اثر نہ ہوا ہوگا۔ روح ایک ایسی مستی، کیف وسرور اور وجدانی کیفیت سے دوچار ہوئی جو بیان میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ جب یہ دنیا میں آتی ہے تو اسی کیف وسرور کو تلاش کرتی ہے اور اسے یہ کیفیت صرف لحن انسانی یا نغمے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ روح جو ہر قوت کا جو انسان کو دی گئی ہے۔ منبع، ماخذ اور سرچشمہ ہے۔ نغمہ وخوش آوازی یعنی سریں اس کی زبان ہے جسے وہ سمجھتی ہے۔ کیونکہ روز ازل اس نے یہی زبان سنی تھی اس لیے یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ نغمہ وموسیقی روح کی زبان ہے اور اسے روح کی غذا اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے سننے سے اس میں کیف، بالیدگی اور تجلی پیدا ہوتی ہے۔ نیز اس میں وہ طاقت پرواز پیدا ہوتی ہے جس سے یہ وجود کے پنجرے کی قید سے معینہ وقت پر نکلنے کے بعد اپنی اصل تک یعنی اللہ تک پہنچ سکے جہاں سے یہ آئی ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِي

''اور میں نے اس (انسان) میں اپنی روح پھونک دی۔''

اور یہ بھی قانونِ ربی ہے کہ ہر شے کو اپنی اصل کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ وگرنہ تو روح ہر قسم کی غذا یعنی کھانے پینے وغیرہ سے پاک ہے۔

بہشتی نغمہ:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب بہشتی لوگ بہشت میں مقیم ہو جائیں گے تو عرش اعظم کے نیچے سے ایک ہوا چلنے لگے گی جس کا نام ''باد لطافت'' ہے اس سے بہشت کے درختوں کی پتیاں ہلنے لگیں گی جب ایک پتہ دوسرے سے ٹکرائے گا تو اس سے ''پاکیزہ نغمے'' کی آواز پیدا ہوگی اور بہشت کے کنگرے صدائے بازگشت پیدا کریں گے۔ بہشت کی زنجیریں ہلنے لگیں گی اور ایسی آواز سماع، خوش آہنگی کے ساتھ پیدا ہوگی کہ مومنین اسے سن کر وجد میں آجائیں گے۔
(مکتوبات صدی)

اس حدیث مبارک میں بھی بہشتیوں پر انعام ربانی ''پاکیزہ نغمے'' اور ''آواز سماع'' کی

Marfat.com

صورت میں ہونے کا بیان ہے جو روح کی زبان ہے جسے وہ سمجھتی ہے جیسا کہ یوم میثاق پر صوت ازلی سے وہ آشنا ہوئی تھی۔ ورنہ بہشت میں تو مومنین ہر خطہ زمین سے اور اپنی اپنی زبان سے ہی واقف ہوں گے۔ اس لیے ان کے لیے کوئی الفاظ نہیں رکھے گئے۔ پس نغمہ ہی ہوگا جیسے سازوں پر چھیڑا جاتا ہے جسے سن کر وہ وجد میں آ جائیں گے۔

آلاتِ موسیقی:

سماع کا تعلق آواز (لحن) سے ہے جس میں اشعار شامل ہوتے بھی ہیں اور کبھی نہیں بھی ہوتے۔ جبکہ موسیقی میں آلات یعنی مزامیر، باجے اور مختلف ساز شامل ہوتے ہیں۔ آواز اور اس کی دلکشی جسے موسیقی میں اصطلاحاً سریلا پن کہتے ہیں محض خداداد ہے اور عطیہ خداوندی ہے جسے دے اور جس قدر دے یہ مرضی مولا ہے اور اس کی ابتدا جیسے کہ سب جانتے ہیں حضرت داؤدؑ سے ہے جن کو یہ نعمت خدائی بطور معجزہ عطا ہوئی تھی۔ آلات موسیقی دو قسم کے ہیں ایک قسم کا تعلق آواز یعنی ''سر'' سے ہے اور دوسرے جو ''لے'' یعنی ردھم سے تعلق رکھتے ہیں۔ سر کے آلات جتنے بھی ہیں وہ انسانی آواز جو گلے سے نکلتی ہے اور اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اس پر بنائے گئے ہیں اس لیے عام طور پر سنگت کے لیے گانے والے کے ساتھ استعمال کیے جاتے ہیں۔ تاہم کمال فن کے مظاہرہ کے طور پر علیحدہ (Solo) بھی بجا سکتے ہیں ورنہ ان کی بنیادی حیثیت سنگت ہی کی ہے جو سُر یعنی جتنے سر انسانی آواز میں ہیں (جن کی تفصیل آگے آئے گی) وہی سازوں میں بھی رکھے گئے ہیں۔ ساز کی خواہ اس کا تعلق دنیا کے کسی میوزک سے ہو، اپنی اس لحاظ سے قطعی کوئی (independent) حیثیت نہیں ہے کہ انسانی آواز سے زائد کوئی ایک یا آدھی سر بھی نکال سکے۔ یوں اس طرح سازوں کو بنا کر انسان نے گویا اللہ کی ایک صفت اور نعمت (صوت) کی تقلید کی ہے جسے سنتِ الٰہیہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

دوسری قسم کے سازوں کا تعلق ردھم (Rythem) یعنی وزن یا توازن سے ہے۔ ردھم کی ابتدا یا ماخذ بھی پیکرِ انسانی ہی ہے جس کی تعریف اللہ نے خود احسنِ تقویم کہہ کر کی ہے اور سب سے بہترین چیز ہوتی بھی وہی ہے جس میں توازن اور اعتدال پایا جائے اور انسان جن چیزوں اور اعضاء کا مجموعہ ہے ان میں ایسا اعلیٰ توازن سوائے اللہ کی پاک ذات کے کوئی اور رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ اسی قادرِ مطلق کی قدرت کاملہ کا اکمل نمونہ ہے۔ جب انسان سر سے پاؤں تک خود متوازن

Marfat.com

ہے تو غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسانی سانس، نبض اور قلب کی دھڑکن اور چال ڈھال میں ایک خاص مقررہ وزن یعنی ردھم اللہ کی طرف سے رکھی گئی ہے۔ جب تک یہ ردھم ٹھیک اور اپنے وزن پر ہوتی ہے انسان صحت مند کہلاتا ہے اور جب بگڑ جائے تو بیمار پڑ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب بند ہو جائے تو انسان مر جاتا ہے۔ گویا انسان کی صحت اور زندگی تک کا دارمدار نبض وقلب وغیرہ کی صحیح ردھم پر ہی ہے۔ چنانچہ لے کے ساز بھی اس خدائی اور قدرتی ردھم سے اخذ کیے گئے اور اسی پر بنائے گئے۔ گویا اس طرح ہر دو قسم کے آلاتِ موسیقی کی اختراع کی بنیاد اللہ کی قدرت، نعمت اور کاریگری ہے۔

اطلاعاً یہ بھی عرض ہے کہ محض ساز یا آلات موسیقی ہی نہیں بلکہ دورِ جدید کی سائنسی تحقیقات اور نظریات تو یہ کہتے ہیں کہ ہر قسم کا میڈیا یا ایجادات دراصل وجودِ انسانی سے ہی اخذ کی گئی ہیں مثلاً ٹرانسپورٹ یعنی پہیہ دراصل انسانی پاؤں (Feet) کی توسیعی صورت ہے جبکہ کیمرہ، دوربین، ویڈیو وغیرہ انسانی آنکھ کا پھیلاؤ ہے۔ دنیا کی جدید ترین اور حیرت انگیز کراماتی ایجاد کمپیوٹر (Computer) انسانی دماغ سے اخذ کیا گیا ہے اور اسی پر بنا پر بنایا گیا ہے۔ ہر قسم کی ٹیکنالوجی کا ماخذ وجود انسانی کا اعصابی نظام (Nervous System) ہے اور تمام ٹیکنالوجی اسی کا پھیلاؤ ہے۔ جب وجودِ انسانی سے مستعار اس ترقی پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں اسے اللہ کی قدرت اور کاریگری کی پیروی کہا جائے گا تو پھر آلاتِ موسیقی پر اعتراض کیسا۔ اس کی بنیاد بھی اللہ کی صناعی پر ہے۔

موسیقی اور کائنات:

آواز کی ابتدا یعنی صوتِ سرمدی اور پھر اس کی تقلید میں آلاتِ موسیقی کی اختراع پر ہم اوپر مفصل بیان کر چکے ہیں۔ تو جب صوتِ سرمدی کا ظہور ہوا تو یہ آواز اللہ کی تھی۔ گرچہ سوال اور جواب تو اللہ اور انسان کے مابین ہوا۔ تاہم اللہ چونکہ خود لامحدود ہے تو اس کی آواز محدود کیسے ہو سکتی ہے۔ یقیناً آواز کی حد تک تو وہ ساری کائنات پر محیط ہوئی۔ البتہ یہ بات بھی قرینِ عقل ہے کہ اس کے اثرات جمادات اور نباتات پر مختلف انداز میں ہوں گے۔ کائنات پر دوسری دنیاؤں یا سیاروں کے بارے میں چونکہ ابھی علمِ انسانی محدود ہے اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم تخلیق کائنات کے وقت (Big Bang) (بڑا دھماکہ) کا تصور تو سائنس بھی پیش کرتی ہے۔ یہاں یہ

Marfat.com

بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ آدم کی تخلیق اور یومِ میثاق کا واقعہ آسمانوں پر اور کائنات یعنی مادہ کی تخلیق سے پہلے ہو چکا تھا۔ چاند پر جانے والے ایک خلاباز کے بارے میں یاد ہے اخبارات میں خبر آئی تھی کہ مصر میں اس نے اذان کی آواز سن کر یہ کہا کہ یہ آواز یا ایسی آواز تو میں نے چاند پر سنی تھی۔ لہٰذا جمادات پر صوت کے اثرات وغیرہ کے بارے میں شاید ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن نباتات (پھل، پھول، پودے) کے بارے میں تو جدید سائنسی تحقیق (Research) نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پودوں پر موسیقی کے اثرات ہوتے ہیں اور انسانوں کے ضمن میں تو یہاں تک مانا گیا ہے کہ موسیقی سے انسانی امراض کا علاج تک ہو سکتا ہے۔ دیگر حیوانات یعنی جانوروں کا موسیقی سے اثر پذیر ہونا بھی پایا گیا ہے۔

حکیم فارابی کا واقعہ:

اثراتِ موسیقی کے ضمن میں دنیائے اسلام کی ایک مایہ ناز اور مشہور زمانہ شخصیت حکیم فارابی کا یہ تاریخی واقعہ بھی نہایت غور طلب اور اہمیت کا حامل ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حکیم فارابی خلیفہ وقت کے دربار میں کچھ ایسے حلیے اور فقیرانہ لباس میں آیا کہ کوئی اسے پہچان نہ سکا۔ ان دنوں میں خلیفہ کی مجلس میں موسیقی اور اس کے اثرات وغیرہ پر بڑی زوردار بحث چھڑی ہوئی تھی اور بڑی علمی موشگافیاں نکالی جا رہی تھی۔ چنانچہ خلیفہ کی اجازت سے اس نے بھرے دربار میں اپنے فن کا مظاہرہ شروع کیا۔ اس کے پاس اس کا اپنا اختراع کردہ ایک آلہ موسیقی تھا (جو بعد میں عود یا چنگ کے نام سے مشہور ہوا) جسے اس نے بجانے کے ساتھ سماع شروع کیا۔ اس حکیم کو تین قسم کا سماع آتا تھا۔ ایک ہنسانے والا اور دوسرا رلانے والا اور تیسرا مدہوش کر دینے والا۔ چنانچہ جب اس نے پہلی قسم کا چنگ بجایا تو سارا دربار مع خلیفہ کے باوجود خود کو روکنے کی کوشش کرنے کے کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ پھر اس نے دوسری طرح بجایا تو سب رونے لگے۔ پھر اس کے بعد ایسا بجایا کہ تمام حاضرین مجلس مع خلیفہ مدہوش ہو کر گر گئے۔ تب اس نے دیوار پر یہ عبارت لکھی ''فارابی قد حضر ہینا وغاب'' یعنی فارابی یہاں آیا اور چلا گیا۔ جب اہل سماع ہوش میں آئے تو وہ لکھا ہوا دیکھ کر جانا کہ وہ چنگ بجانے والا حکیم فارابی تھا۔

Marfat.com

علمِ موسیقی کا بیان:

موسیقی اور کائنات کے تعلق کو سمجھنے کے لیے تھوڑا سا علم موسیقی کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ عالمگیر زبان ہے۔ دنیا کی ہر قوم، مذہب و ملت میں اس کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ بلکہ اسے انسانی فطرت میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ علمِ موسیقی کے جو بنیادی قاعدے یا قانون ہیں وہ بھی یونیورسل اور ساری دنیا میں ایک جیسے ہیں یعنی بنیادی سر جسے سرگم بھی کہتے ہیں وہ سات ہی ہیں۔ اب ہم مندرجہ ذیل جدول سے دیکھتے ہیں کہ موسیقی کائنات سے کس کس طرح متعلق یعنی (Connected/Related) ہے۔

موسیقی	کائنات
موسیقی کے بنیادی سر سات (۷) ہیں جنہیں سرگم کہتے ہیں۔ سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی، ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ٦ ۷	۱- آسمان سات ہیں۔ ۲- زمیں سات ہیں۔ ۳- جنت کے طبقے سات ہیں۔ ۴- دوزخ کے طبقے سات ہیں۔ ۵- ہفتے کے دن سات ہیں۔ ٦- بنیادی رنگ (Colours) سات ہیں۔ ۷- قرآن شریف کی قرأتیں سات ہیں۔ ۸- سمندر سات ہیں۔ ۹- قوی اقوال کے تحت اصحاب کہف کی تعداد بھی سات ہے۔ (کنزالایمان) ۱۰- نظام شمسی جس میں ہم بھی ہیں اس کے سیارے سات ہیں۔ یعنی زہرہ، مشتری، مریخ، زحل، شمس قمر اور عطارد (زمین سیارہ نہیں سیارچہ ہے کہ سورج یعنی شمس کا ٹکڑا ہے)

Marfat.com

ان سات سروں میں پہلا اور پانچواں قائم سر ہیں جبکہ باقی ماندہ پانچ سروں میں ہر ایک کے دو جز یعنی کومل اور تیور ہیں اس طرح ملا کر بارہ (۱۲) سر ہو جاتے ہیں جو Zodiac کے ۱۲ برجوں سے پراسرار مماثلت ہے۔

۱۱- نظام شمسی Zodiac میں ۱۲ برج (Homes) ہیں۔ یعنی (۱) حمل (Aries) (۲) ثور (Touras) (۳) جوزا (Gemine) (۴) سرطان (Cancer) (۵) اسد (Leo) (۶) سنبلہ (Virgo) (۷) میزان (Libra) (۸) عقرب (Scorpio) (۹) قوس (Sagittarius) (۱۰) جدی (Capricorn) (۱۱) دلو (Aquarius) (۱۲) حوت (Pices)

۱۲- (۱۲) برج ہیں اور سال میں بارہ ہی مہینے ہیں

نظام کائنات سے موسیقی کی یہ مماثلت اور تعلق کوئی حسن اتفاق نہیں بلکہ اللہ کے اسرار میں سے ہے۔ جسے اللہ کی زبان میں اس طرح کہیں گے کہ اس میں عقل والوں اور غور و فکر کرنے والوں کے لیے اس کی بڑی نشانیاں ہیں۔ اسرار موسیقی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی سات سروں یعنی سرگم کا پہلا سر ''سا'' اور پانچواں سر یعنی ''پا'' (جسے پنچم کہتے ہیں) قائم سر ہیں۔ یعنی ان میں کوئی اتار چڑھاؤ (تیور، کومل) نہیں جبکہ سا یعنی سر گنتی میں پہلا یعنی اوّل ہے جو اللہ کی یکتائی (احدیت) کا سمبل (Symbol) ہے کہ اللہ کے اسمائے حسنہ میں سے ایک نام ہے ''ھو الاوّل'' اس لیے سر میں بھی اوّل ہونے کے ناطے کمی بیشی سے مبرا ہے اور قائم ہے اسی طرح دوسرا قائم سر پنچم (پا) ہے جو پانچوں سر ہے اور پانچ کی عددی نسبت کی بنا پر پنج تن پاک کا سمبل ہے۔ لہٰذا اس میں کوئی اُتار چڑھاؤ یا کمی بیشی نہیں ہے۔ یہ بھی قائم سر ہے۔ باقی سب سر تیور اور کومل کا مجموعہ ہیں۔ پانچ کا عدد اپنی عددی جگہ کے اعتبار سے بھی اعداد کی دنیا میں ایک اللہ کا بھید ہے جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ کی طرف سے نمازیں جو فرض کی گئی ہیں وہ بھی پانچ ہیں اور عربی اور اُردو میں اس کے لکھنے کی شکل قلب انسانی سے مشابہ ہے۔ دنیا میں کل ۹ عدد ہیں یعنی ایک سے ۹ تک باقی تو پھر (Infinity) تک انہیں کی تکرار یعنی (Repeatation) ہے اور عدد ایک سے عدد ۹ تک ۵ عین درمیان میں ایسا ہے کہ گویا نظام الاعداد کا (Balance) سوازن اسی سے ہے جیسے کہ عدل کا ترازو ہوتا ہے۔ نقشہ ملاحظہ ہو:

Marfat.com

۵
۱ ۲ ۳ ۴ ! ۶ ۷ ۸ ۹

یہ بات بھی نہایت غور طلب اور دعوت فکر دیتی ہے۔

اب جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ چاند کے بڑھنے اور گھٹنے سے سمندر میں مدو جزر پیدا ہوتا ہے۔ زمین کے اپنے محور کے گرد گھومنے سے دن رات اور سورج کے گرد گھومنے سے موسم بدلتے ہیں اور اس بات سے بھی کون انکار کرسکتا ہے کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں وقت کا انسانی مزاج پر بہت اثر پڑتا ہے۔ مثلاً صبح صادق جیسی خوشگواری کسی اور وقت نہیں ہوسکتی۔ دن میں کام کاج کا موڈ ہوتا ہے، گرمی کی دوپہر میں بیرونی درجہ حرارت کے ساتھ انسانی مزاج کا درجہ حرارت بھی عام طور پر بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح رات گویا قدرت نے آرام اور سکون کے لیے بنائی ہے کہ چرند، پرند اور حیوانات سمیت ساری فضا پر سکوت اور سکون سا چھا جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی ذہنی تبدیلی (Mood) کے پیش نظر ہی موسیقی کے اُستادوں نے جو بلاشبہ ویسے بھی نہایت نیک اور روحانی لوگ ہوتے تھے، مختلف اوقات کے لیے مختلف راگ اختراع کیے جو کہ انسانی مزاج پر اسی طرح اثر انداز ہوتے ہیں جیسے دیگر قدرتی عوامل ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک بات اور سمجھنا ضروری ہے کہ راگ ہر کوئی اختراع نہیں کرسکتا ایسے لوگ جنہوں نے یہ کام کیا وہ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ راگ اگرچہ بہت ہیں تاہم جو عام طور پر گائے جاتے ہیں ان کی تعداد چالیس پچاس سے زیادہ نہیں۔

چونکہ نغمے یا موسیقی کی بنیاد ہی اللہ کی صفت پر ہے اور یہ اس کا بھید بھی ہے اس لیے یہ بھی لامحدود ہے۔ بنیادی سریں تو سات یا پھر کومل، تیور ملا کر بارہ ہو جاتی ہیں لیکن غور فرمایئے کہ ان سات سروں سے صرف اگر ہم برصغیر پاک و ہند کو ہی لیں تو لاکھوں بلکہ کروڑوں نغمات (Compositions) انہیں سے بن چکے ہیں اور قیامت تک بنتے رہیں گے جبکہ ایک دوسرے سے نہیں ملتا، ہر ایک کی طرز جدا ہوتی ہے اور اگر ان نغمات یعنی (Compositions) کے دائرے کو دنیا پر پھیلا دیا جائے کیونکہ وہ بھی اپنی اپنی زبان میں جو نغمات تخلیق کررہے ہیں وہ انہیں بنیادی سات سروں سے ہیں کہ آج تک کوئی آٹھوں سر اس دنیا میں نہیں بنا سکا تو پھر نغمات کی تعداد لاتعداد اور شمار سے باہر ہو جاتی ہے جو اللہ کا ایک بھید اور اس کی قدرت کاملہ کی نشانی ہے۔

Marfat.com

فنِ موسیقی اور مسلمان:

دنیا کے قریباً تمام مذاہب میں موسیقی ایک اپنا خاص مقام رکھتی ہے اور عبادت گاہوں میں رائج ہے خواہ وہ مندر ہو، گرجا ہو یا گوردوارہ یا اہل یہود کہ ان کے ہاں بھی ناقوس بجایا جاتا ہے۔ محمد بن قاسم اور اس کے بعد جب مسلمان اور خاص کر صوفیائے کرام برصغیر میں آئے تو انہوں نے یہ دیکھ کر ہندوؤں میں (جن کی اکثریت تھی) موسیقی کو عبادت کا درجہ حاصل ہے انہیں اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے ان کے صدیوں کے مزاج کے پیش نظر اجتہاد سے کام لیا اور نعت خوانی اور سماع یعنی قوالی کو رواج دیا جو حضرت خواجہ غریب نواز چشتی اجمیریؒ نے شروع کیا۔ اس ضمن میں صوفیائے کرام میں سب سے بڑا نام حضرت امیر خسروؒ کا ہے جنہوں نے موسیقی میں کئی نئی ایجادات واختراعات کیں۔ وہ اپنے وقت میں نائک کہلائے اور اب تک کہلاتے ہیں جو علمِ موسیقی میں سب سے بلند درجہ اور مقام ہے۔ انہوں نے اس وقت کے نائک پنڈت گوپال سے مقابلہ کیا جو ہار مان کر مسلمان ہو گیا۔ امیر خسروؒ سے پہلے جو موسیقی ہندوستان میں رائج تھی اسے دھرپد کہتے ہیں کہ اس میں لے کے لیے سنگت مردنگ (ڈھولک) کرتے تھے۔ حضرت امیر خسروؒ نے ڈھولک یعنی مردنگ کو درمیان سے کاٹ کر دو حصوں میں تقسیم کیا اور اس طرح طبلہ ایجاد کیا جس کے انہوں نے قاعدے اور قانون بھی وضع کیے اور آج ہر جگہ لے میں یہی بجایا جاتا ہے۔ خیال کی گائیکی میں بہت سے راگ اختراع کیے جن میں یمن یا ایمن، زیلف، بہار، قول قلبانہ، ترانہ وغیرہ بہت مشہور ہیں اور آج بھی گائے جاتے ہیں جس کی گونج سارے برصغیر میں آج بھی سنائی دیتی ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کو گزرے سات برس سے زائد ہو گئے ہیں۔ سو ان کے بعد آج تک ان جیسا کوئی نائک پیدا نہیں ہوا۔ تاہم ان سے کم درجہ کے بھی جو نائک ہوئے ہیں وہ بھی سبھی مسلمان ہیں جن میں چند بڑے نام یہ ہیں:

(۱) تان سین خان صاحب (۲) تان رس خان صاحب (۳) عاشق حسین المعروف سدا رنگ خاں صاحب (۴) سلطان حسین شرقی جونپوری صاحب (۵) محمد شاہ صاحب وغیرہ۔ موسیقی میں نائک کے بعد دوسرا درجہ اُستاد کہتا ہے اور ہندوؤں میں یہی پنڈت کہلاتا ہے۔ ہندو موسیقار اور گائیک باوجود فن میں ماہر ہونے کے اپنے گانے سے کبھی وجدان کیفیت نہ پیدا کر سکے۔ جس کی اصل اور حقیقی وجہ یہی ہے کہ ان کے فن اور آواز میں ان کے عقیدے کا شرک شامل ہے جبکہ

Marfat.com

مسلمانوں کے فن میں اللہ کی وحدانیت کا نور اور روح میں یومِ میثاق والی صوت سرمدی کا وجدان شامل ہے۔ اس صدی کے مسلمان گائیکوں میں چند بڑے نام یہ ہیں۔ اُستاد حدو، حسو خان گوالیاری (دو بھائی تھے) استاد عبدالوحید خاں صاحب کیرانے والے، اُستاد عبدالکریم خاں صاحب کیرانے والے۔ ماضی قریب میں چند بڑے گائنک جو ہوئے ہیں ان میں خاں صاحب استاد علی بخش جرنیل اور فتح علی کرنیل پٹیالے والے، ملکہ موسیقی روشن آراء بیگم، اُستاد عاشق علی خاں صاحب، اُستاد بڑے غلام علی خاں صاحب، اُستاد اُمید علی خاں صاحب، اُستاد نتھو خاں صاحب (سارنگی نواز) اُستاد بسم اللہ خاں صاحب (شہنائی) اُستاد شریف حسین خاں پونچھ والے (ستار) اُستاد احمد جان تھرکوا (طبلہ) اور اُستاد نصرت فتح علی خاں صاحب شامل ہیں۔

ہندو گویوں میں جو لوگ اُستاد یعنی پنڈت کے مقام پر ماضی قریب میں گزرے ہیں ان میں چند مشہور نام یہ ہیں۔ پنڈت وشنو دگمبر، پنڈت وناٸک راؤ پٹوردن، پنڈت بھاسکر راؤ، پنڈت نرائن راؤ ویاس اور پنڈت اونکار ناتھ ٹھاکر وغیرہ وغیرہ۔ تاہم یہ بات بطور خاص نوٹ کرنے کی ہے کہ یہ سب پنڈت صاحبان مسلمان گویوں کے شاگرد یا آگے ان کے شاگرد تھے اور انہوں نے یہ کمال فن مسلمان گویوں کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے اور ان کی خدمت کر کے سیکھا اور آگے پھیلایا۔

سُر اور فطرت انسانی:

حواسِ خمسہ یعنی سننا، بولنا، چھونا، سونگھنا اور دیکھنا، اللہ کی طرف سے انسان کو فطری اور پیدائشی طور پر ودیعت ہوئے ہیں اور اپنا اپنا کام بھی فطری طور پر بغیر کسی کاوش یا ارادہ کے کرتے ہیں۔ تاہم ان میں یہ بات بھی قدرتی طور پر پائی جاتی ہے کہ جیسے آنکھ دیکھتی ہے مگر دیکھنے میں اسے خوبصورتی، سبزہ، پھول اور حسین قدرتی مناظر وغیرہ پسندیدہ ہیں اور بدصورتی، مکروہ یا ہولناک مناظر ناپسندیدہ ہیں اسی طرح سونگھنے میں خوشبو اچھی اور بدبو بری لگتی ہے۔ چھونے میں نرم اور ملائم چیزیں پسندیدہ اور سخت یا کھردری چیزیں ناگوار لگتی ہیں۔ بولنے میں اچھے اور میٹھے بول، شائستہ لہجہ پرکشش لگتا ہے جیسے مثال کے طور پر کہتے ہیں کہ فلاں جب بولتا ہے تو اس کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں اور گالی گلوچ یا بدزبانی بری لگتی ہے۔ اسی کی ایک ذیلی صفت ہے جسے چکھنے کی یا قوت ذائقہ کہتے ہیں۔ اس میں زبان میٹھی اور لذیذ چیزوں کو پسند کرتی ہے اور کڑوی کسیلی اور بدمزہ

Marfat.com

چیزوں سے گریز اور انہیں ناپسند کرتی ہے۔اسی فطرت ازلی کے تحت سننے میں خوش آوازی (لحن) نغمات اور سریلا پن جس میں قاعدے اور قرینے سے بجتی ہوئی لے (Rythem) بھی شامل ہے اچھی لگتی ہے اور اس کے برعکس بھدی اور بری آواز بے سراپن لگتا ہے جس میں بے ہنگم شور وغل بھی ہے۔ جسے انسان سننا گوارا نہیں کرتا۔قرآن پاک میں گدھے کی آواز کو بے ہنگم اور مکروہ فرما کر اللہ نے بھی گویا خوش آوازی کا اثبات کیا ہے۔ پرندوں کا چہچہانا اور کوئل کی آواز قدرتی طور پر سب کو اچھی لگتی ہے اور متاثر کرتی ہے۔اب اگر کوئی شخص نغمات، خوش آوازی یا موسیقی سے متاثر نہ ہو بلکہ اس کی مخالفت کرے تو یہ فطرت کے خلاف اور یقیناً وہ شخص نفسیاتی مریض یا کسی (Complex) کا شکار ہوگا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انسان سر، نغمہ یا حسن، ان چیزوں سے اسی قدر متاثر ہوتا ہے جس قدر اس میں جمالیاتی ذوق یعنی Asthetic sense ہوتی ہے اور اس چیز کا تعلق لطافت مزاج سے ہے یعنی جس قدر انسان مزاجاً لطیف ہوگا اسی قدر باذوق ہوگا جس کی ایک مثال مولانا روم کی مثنوی سے ملتی ہے۔

مولانا روم کا واقعہ:

واقعہ اس طرح ہے کہ مولانا رومؒ بازار سے گزر رہے تھے کہ ان کا گزر اپنے ایک مرید اور محبّ کی دکان کے آگے سے ہوا جو صلاح الدین زرکوب کے نام سے مشہور تھے۔ وہ سونے اور چاندی کے ورق کوٹتے تھے اس لیے انہیں زرکوب کہتے تھے۔ وہ اس وقت ورق کوٹنے میں مصروف تھے ورق کوٹتے وقت ایک خاص ٹلی یعنی گھنٹی نما آواز پیدا ہوتی ہے اور اس میں باقاعدہ ایک ردھم بھی ہوتا ہے جیسے ہی وہ آواز مولانا کے کان میں پڑی وہیں کھڑے ہو گئے اور کیفیت اور ایک حالت طاری ہوگی جس میں کبھی رقص کرتے کبھی تھم جاتے اور مدہوشی میں کھڑے رہتے۔ پورا دن اسی میں گزر گیا۔ مولانا زرکوب نے بھی اس صورتحال کے پیش نظر کوٹنا جاری رکھا۔ آخر جب کیفیت تمام ہوئی تو مولانا صلاح الدین زرکوب پر بھی اس کا ایسا اثر ہوا کہ تمام دکان اور اسباب کھڑے کھڑے راہ خدا میں دے دیا اور خود مولانا رومؒ کے ساتھ ہو لیے اور پوری زندگی پھر ساتھ نبھایا اور بزرگان دین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان معاملات کے اسرار اور ایسی کیفیت میں پیش آنے والی واردات قلبی کا بیان تو اللہ کا ایک بھید ہے۔ تاہم مولانا رومؒ نے کیفیت سے باہر آنے کے بعد

Marfat.com

یہ فرمایا:

یکے گنجے پدید آید ازیں از دکانِ زر کوبی
زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی

''سونا کوٹنے والے کی کان سے ایک خزانہ ملا ہے، سبحان اللہ کیا صورت، کیا معرفت اور کیا حسن ہے۔''

قرآن حکیم یہ بتلاتا ہے کہ جب حضرت داؤدؑ جو اللہ کے پیغمبر تھے اور جنہیں معجزے کے طور پر اللہ کی طرف سے لحن یعنی خوش آوازی، سریلا پن عطا ہوا تھا جب گاتے تھے تو آسمان پر اُڑتے ہوئے پرندے اُن کی آواز سن کر تھم جاتے اور کئی ان میں سے مر کر گر پڑتے۔ کچھ اسی قسم کا اثر انسانوں پر بھی ہوتا۔

بابا فرید گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ عرب لوگ جب ریگستانوں میں اُونٹوں پر سفر کرتے ہیں اور اُونٹ کو تیز بھگانا چاہتے ہیں تو ان میں حدی خوان (خاص عربی نغمہ ہے) ہوتے ہیں جو حدی پڑھتے ہیں جسے سن کر اُونٹ جوش میں آ کر اس قدر تیز بھاگتا ہے کہ بسا اوقات منزل پر پہنچ کر مر جاتا ہے۔ پس اگر اُونٹ جیسا بے ہنگم جانور (جس کے بارے میں کہاوت ہے کہ اس کی کون سی کل سیدھی) بھی نغمے سے متاثر ہوتا ہے تو انسان جو اچھے خصائل اور من جملہ خوبیوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اگر اس سے اثر پذیر نہیں ہوتا تو تین حالتوں سے خالی نہیں اول مغرور اور متکبر ہے یا دوئم یہ کہ منافق اور ریاکار ہے یا پھر سوئم یہ کہ فاسد المزاج ہے۔ یعنی اس کے مزاج اور طبیعت میں کوئی خرابی یا نقص ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں ذہنی یا نفسیات مریض (Complex or Cyco Case) کہتے ہیں۔

نوشیروان اور بزرجمہر کا قصہ:

پرانی کتابوں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ نوشیرواں جو ایک بہت بڑا نیک اور عادل بادشاہ گزرا ہے اس کے گھر جب بیٹا پیدا ہوا جسے ولی عہد اور تخت کا وارث ہونا تھا تو جب وہ ایک سال کا ہو گیا تو نوشیرواں نے اپنے دانا وزیر بزرجمہر سے پوچھا کہ بتاؤ یہ بچہ بڑا ہو کر کیسا ہو گا جس پر وزیر نے سازندوں کو بلوایا اور انہیں بچے کے گرد جو پالنے میں لیٹا تھا، کھڑا کر کے کہا کہ کوئی دھن رقص کی لے میں بجاؤ۔ جب انہوں نے بجائی تو بچہ پالنے میں ہاتھ پاؤں مارنے لگے اور کلکاریاں مارنے

Marfat.com

لگا۔اس کے بعد وزیر باتدبیر نے کہا کہ اب کوئی خواب آور دھن بجاؤ۔چنانچہ جب سازندوں نے ایسی دھن بجائی تو بچہ تھوڑی دیر میں سو گیا۔اس ماجرے کو دیکھ کر بزرجمہر نے بادشاہ سے کہا کہ حضور ایسے بچے سے امور سلطنت میں بہتری کی اُمید کی جاسکتی ہے کیونکہ اس کا مزاج درست ہے۔

دورِ حاضر کی سائنٹفک ریسرچ نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ جو بچے موسیقی کا اثر قبول کرتے اور اس کی طرف رجحان رکھتے ہیں وہ بہت ذہین ہوتے ہیں اور دنیا میں کوئی بڑا کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔اسی طرح یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ دنیا میں جتنے بھی بڑے لوگ گزرے ہیں جن میں سائنس دان، ڈاکٹر، موجد وغیرہ وغیرہ بلکہ اس میں تو فلاسفر تک شامل ہیں (جنھیں عرف عام میں بڑا خشک مزاج سمجھا جاتا ہے) ایسے یگانہ روزگار لوگوں میں اکثریت ان کی ہے جو موسیقی اور نغمے سے بڑا شغف رکھتے تھے۔فنون لطیفہ (شاعری، مصوری وغیرہ) کے ماہرین میں سے تو خیر ایک بھی ایسا نہ ہوا ہوگا جو موسیقی سے تعلق خاص نہ رکھتا ہو زمانہ جدید کی اصطلاح میں اس رجحان کو (Asthetic Sense) یعنی جمالیاتی ذوق کہتے ہیں۔

ایک اور بات جو ہر کوئی جانتا ہے کہ ماں بچے کو لوری سنا کر ملا دیتی ہے اور جب اس کے آگے کوئی چیز کھڑکائی یا بجائی جائے تو بچہ فوراً اس طرف متوجہ ہوتا اور کھیلنے لگتا ہے بلکہ بعض اوقات تو اگر رو رہا ہو تو چپ ہو جاتا ہے اور کھیلنے لگتا ہے یعنی نغمہ یا موسیقی وہ چیز ہے جس سے جانور، پرندے اور وہ بچے تک متاثر ہوتے ہیں جو کوئی شعور نہیں رکھتے جس سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے کہ اس کا تعلق فطرت سے ہے اور حیوانات کا اس سے متاثر ہونا ایک فطری امر ہے اور پھر انسان کہ حیوانات میں ہی نہیں بلکہ مخلوقات میں احسان تقویم ہے اس سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔ ماسوائے اس کے کہ ابنارمل (Abnormal) یا سب نارمل (Subnormal) ہو۔

سماع (نغمات) اور قوالی:

سماع اور قوالی میں نغمہ، شاعری اور ساز و آواز تو مشترک ہیں لیکن سماع میں عام طور پر گانے والا ایک ہی ہوتا ہے جس کے ساتھ لے پر ایک یا دو آدمی سنگت کرتے ہیں جبکہ قوالی میں آٹھ سے دس بارہ تک لوگ ہوتے ہیں جو سب مل کر گاتے ہیں اور مختلف ساز بھی بجاتے ہیں۔گانے میں ایک یا دو جو اچھے یا سینئر (Senior) گویے ہوتے ہیں وہ لیڈ (Lead) کرتے ہیں اور باقی ان کے ہم نوا ہوتے ہیں۔قوالی میں اشعار کی بول بانٹ اور سر اور لے کے ساتھ تکرار بھی ہوتی ہے اور

Marfat.com

جو عام طور پر اس وقت خصوصیت سے کی جاتی ہے جسے کیفیت یا حال بھی کہتے ہیں۔ اگر کیفیت فروغ کر جائے اور اس میں اُبھار پیدا ہو جائے تو بعض اوقات صاحب حال وجد میں آ کر رقص کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس حالت میں انسان بے خود ہو جاتا ہے اور جیسے ہی کھڑا ہوتا ہے وہ چیز جو اس کے اندر اُبھرتی ہے ناچنا شروع ہو جاتی ہے جس سے جسم حرکت پذیر ہوتا ہے اور خود بخود رقص کرنے لگتا ہے اور بے اختیار ہو جاتا ہے۔ جبکہ بے ہوشی نہیں ہوتی بلکہ عین ہوش میں ہوتا ہے جیسے بقول شاعر:

پاؤں اُٹھتے ہی نہیں منزلِ جاناں کے خلاف
اور اگر ہوش کی پوچھو تو مجھے ہوش نہیں

انسان اس حالت میں وارداتِ قلبی کی بنا پر کئی قسم کے عجائب و غرائب کا مشاہدہ کرتا ہے اور دوسرا اسرار الٰہیہ اس پر کھلتے ہیں۔ یہ صورت عام طور پر پہلی مرتبہ میر مجلس یا کسی صاحبِ دل (عاشق عارف) کی توجہ یا نظر سے پیدا ہوتی ہے خود ساختہ یا طاری کردہ نہیں ہوتی۔ تاہم ایسے رقص میں حرکات نہایت موزوں اور ان میں ایک ایسا قرینہ، سلیقہ اور خوبصورتی پائی جاتی ہے کہ صاحب حال کی قلبی کیفیت اہل محفل پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور محفل میں ایک ایسا نکھار اور رنگ آتا ہے جیسے کہ دلوں پر انوار کی برسات ہو رہی ہے۔ کسی پر گریہ طاری ہوتا ہے تو کسی پر اضطراب، غرضیکہ ہر کسی پر اس کی قلبی حالت کے مطابق اثر ہوتا ہے۔ حاضرین محفل قوال کو میر محفل کے ذریعے روپے بھی نذر کرتے ہیں اور بعض اوقات چادر، کپڑا، ٹوپی یا کوئی اور چیز بھی نذر کر دیتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت آگے چل کر آئے گی۔ تاہم پھر بھی اگر کوئی بر بنائے مخفی بغض و کینہ ان باتوں کو بدعت کہے تو صاحب مکتوبات صدی، سلطان المحققین حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ اس کی اطلاع کے لیے فرماتے ہیں کہ ہر بدعت ممنوع نہیں ہے۔ جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رمضان شریف میں جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا امیر المومنین حضرت عمرؓ نے مقرر کی ہے اور یہ اچھی بدعت ہے۔ کیونکہ بدعت مذمومہ تو وہ ہوتی ہے جو سنت کی مخالفت ہو۔

سماع کے ضمن میں ایک نہایت ضروری عرض یہ بھی ہے کہ آج کل جس طرح دو نمبر پیر اور جعلی مشائخ زیادہ ہو گئے ہیں اسی طرح محفلِ سماع میں بھی جعلی کیفیات اور رقص کا رواج عام ہو گیا ہے۔ ریا کار اور نام نہاد بزرگ، محض محفل پر اپنی بزرگی اور کیفیت کا رعب ڈالنے اور اپنی دکانداری بڑھانے کے لیے حقیقی اہلِ دل اور صاحبان ذوق کی نقل کرتے ہیں اور خود پر خود ساختہ کیفیت

Marfat.com

طاری کر کے محفل میں بے ہنگم قسم کا رقص یا حال کھیلنا شروع کر دیتے ہیں جو نہایت معیوب اور مشائخ کرام کے نزدیک گناہ سے کم نہیں۔ اس کی ایک پہچان یہ ہے کہ بجائے محفل میں رنگ آنے کے اہلِ محفل کی طبیعتوں میں وحشت، تکدر اور بے زاری پیدا ہوتی ہے۔

موسیقی اور نغمات عام طور پر تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم طربیہ جو خوشی کے موقع پر گائے جاتے ہیں دوسری قسم المیہ جو غم اور دکھ کے اظہار کے لیے اور تیسری رزمیہ جو جنگ و جہاد کے موقع پر گائے جاتے ہیں۔ شادی بیاہ، نکاح جو خوشی کے مسنون مواقع ہیں ان کی ادائیگی کے وقت اگر اخلاق، شائستگی اور شرم وحیا کے دائرے میں رہ کر طربیہ گیت یا نغمے گائے جائیں تو گویا اس مسنون خوشی کو بڑھاتے ہیں اور شکرانِ نعمت کرتے ہیں۔ المیہ نغمے، غم اور درد کے ماروں کے لیے صبر اور سکون کا باعث ہوتے ہیں کہ انہیں سن کر جب انسان کی آنکھ سے آنسوؤں کا پانی نکلتا ہے تو وہ دکھ کی جلن کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ صبر کا باعث ہوتا ہے اور طبیعت کو ہلکا کرتا ہے۔ تیسری قسم رزمیہ نغمات کی ہے جن کی اہمیت اور افادیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

جنگ اور جہاد کے میدان میں طبلِ جنگ بجائے جاتے اور جنگی ترانے گائے جاتے ہیں اور عربوں میں تو مبارزت کے وقت اپنے آباؤ اجداد کی بہادری کے بارے میں شعر بھی پڑھے جاتے ہیں جن کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔ ان چیزوں سے فوجوں کا حوصلہ اور مورال بلند ہوتا ہے اور ان میں جوش و جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ میں جنگی نغمات نے جو جذبہ ساری قوم میں مع افواج کے بیدار کیا اسے نہ کوئی بھلا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے انکار ہو سکتا ہے۔

آج سے چالیس یا پچاس برس یا اس سے پہلے جب بجلی اور اس کی ایجادات یعنی ریڈیو، ٹی وی یا سائرن وغیرہ نہیں تھیں تب رمضان المبارک میں سحری ختم ہونے پر اور افطار کے وقت ہر محلہ کی مسجد میں اعلان کے لیے طبل (جسے پنجابی میں شتری کہتے تھے) بجایا جاتا تھا اور اسی طرح بادشاہوں کے زمانے میں طبل بجا کر ہی لوگوں کو اکٹھا کرتے تھے اور حاکم کا اعلان یا فرمان سنایا جاتا تھا۔

ان تمام امور سے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں سماع، نغمہ اور موسیقی کا از روئے عقل و دلیل، انسانی فطرت میں شامل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اب ہم اسی مسئلہ کو احادیثِ مبارکہ اور اقوال بزرگانِ دین کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

Marfat.com

سماع اور نغمہ کی حلت (حلال، مباح) کا بیان:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس ایک کنیز تھی جو مجھے کچھ گا کر سنا رہی تھی کہ آنحضرتؐ تشریف لے آئے وہ گاتی رہی اور آپ بھی سنتے رہے۔ اسی دوران حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے تو وہ انہیں دیکھ کر بھاگ گئی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کس بات پر مسکرائے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی کا بھاگنا بیان کیا۔ تب حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں بھی وہ چیز ضرور سنوں گا جو رسول اللہ نے سنی ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لونڈی نے پھر گا کر سنایا۔ (عوارف المعارف)

ایک اور حدیث میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو لڑکیوں سے گانا سن رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی آ گئے اور انہوں نے ان لڑکیوں کو گانے سے روکا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر! ان لڑکیوں کو گانے سے مت روکو۔ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور آج ان لڑکیوں کی عید کا دن ہے۔

یہ واقعہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام کتابوں میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کے وقت مدینہ پہنچے تو انصارِ مدینہ کی لڑکیوں نے دف بجا کر استقبالیہ گیت گایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ یہ ریڈیو اور ٹی وی پر نشر ہو چکا ہے۔

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ معروف جید علمائے دین حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ اور حضرت سیّد سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ جب شہر قریب آیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدرُ عَلَینَا — وَجَبَ الشُّکرُ عَلَینَا
مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع — مَا دَعَیٰ لِلّٰہِ دَاع
چاند نکل آیا ہے — ہم پر خدا کر شکر واجب ہے
کوہ وداع کی گھاٹیوں سے — جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں:

نَحنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِیْ النَّجَّارِ
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِن جَارِ

Marfat.com

''ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں، محمد کیا اچھا ہمسایہ ہے۔''

آپ نے ان لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا ''کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟'' بولیں ''ہاں'' فرمایا کہ ''میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔''

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے واپس آئے تو فرمایا کہ کوئی ہے جو دف بجائے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دف اُٹھا کر بجائی اور یہ شعر پڑھا:

اَتَینا کُم اَتنا کُم فَحَیُّونَا فَحَیَّاکُم
اَتَینَا کُمْ اَتَینَا کُمْ تُحِبُّونَا نُحِبُّکُمْ

ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے	تم ہمارے پاس آئے تم ہمارے پاس آئے
تم نے ہم کو زندہ باش کہا ہم نے تمہیں کہا	تم نے ہمیں پیار کیا ہم نے تمہیں پیار کیا

(سیر الاولیاء)

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی دل اور دماغ اسرارِ خداوندی کے خزانے اور معرفت کی کانیں ہیں اور اسرار اور معرفت کا دل میں پوشیدہ ہونا اسی طرح ہے جیسے لوہے اور پتھر میں آگ پوشیدہ ہوتی ہے اور سماع اسی آگ کو پیدا یعنی ظاہر کرنے والی چیز ہے۔ سماع سے وہی چیز ظاہر ہوتی ہے جو دل میں پوشیدہ ہوتی ہے جس طرح گھڑے یا صراحی سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس میں موجود ہوتی ہے یعنی جس دل میں جس قدر محبت ہوگی سماع اس کے حق میں اسی کو اُبھارنے اور شوق کو بھڑکانے والا ہے جس سے انسان کو وجد کی نعمت اور وہ کیف و سرور حاصل ہوتا ہے جس کا لطف بیان سے باہر ہے اور اللہ کے ان اسرار کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس پر منکشف کیے جاتے ہیں۔ جس شخص کے ساتھ یہ صورت ہوتی ہے اس کے لیے سماع حلال ہی نہیں بلکہ واجب ہو جاتا ہے۔

اشعار اور قصائد کے بارے میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو فرمایا:

هُوَ الْكَلَامُ فَحَسَنُهٗ حَسَنٌ وَقَبِيحُهٗ قَبِيحٌ

''وہ کلام ہے اگر اچھا ہے تو اچھا ہے اور برا ہے تو برا ہے۔''

حدیث شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو جبرائیلؑ آئے اور کہا کہ ''یا رسول اللہ! آپ کو بشارت ہو کہ آپ کی اُمت کے درویش اور

Marfat.com

فقراء آپ کی اُمت کے امراء سے پانچ سو سال پیشتر بہشت میں داخل ہوں گے'' یہ خوشخبری سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخوشی میں فرمایا ''یہاں کوئی ہے جو شعر سنائے'' اک بدوی نے عرض کی جی ہاں آپ نے فرمایا ھات ھات (آؤ آؤ) اس نے یہ شعر پڑھے۔

لَقَد لَسَعَت حَيَّةُ الْهَوىٰ لِبذی

فَلَـه طَبِيبَ لَهَـا وَلَا رَاقِـى

''میرے کلیجے پر محبت کے سانپ نے ڈس لیا ہے، اس لیے نہ کوئی طبیب ہے نہ جھاڑ پھونک والا۔''

اِلَّا الْحَبِيبَ الَّذِى شَفَقَتُ بِهٖ

فَعِـنْـدَهُ رَقِيَّتِـى وَ تِـرِيَـاقِـى

''اگر ہاں وہ محبوب جو مہربانی فرمائے، اسی کے پاس اس کا منتر اور تریاق ہے۔''

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تواجد فرمایا اور جتنے اصحاب وہاں تھے سب وجد میں آ گئے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک (چادر) دوش مبارک سے گر پڑی۔ جب اس حال سے فارغ ہوئے تو امیر معاویہ نے کہا کہ یارسول اللہ کتنی اچھی ہے آپ کی یہ بازی آپ نے فرمایا ''دور ہوا ے معاویہ وہ شخص کریم (یعنی سخی یا بامروت) نہیں ہے جو دوست کا ذکر سنے اور جھوم نہ اُٹھے'' اس کے بعد آپ کی ردائے مبارک کے چار سو ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم کر دیے گئے۔ (مکتوبات صدی)

کشف المحجوب میں داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں اگر سماع کی تاثیر دل پر مباح صورت میں ہے تو سماع بھی مباح ہے اور اگر حرام صورت پیدا کرے تو حرام ہے۔ الغرض ہر وہ چیز جو بظاہر فسق آلودہ لیکن باطن پر اس کا تاثر مختلف شکلوں میں رونما ہوتا ہے ایک قطعی فیصلہ کے تحت نہیں آ سکتی۔ کیونکہ طبیعتیں اور ان کے رجحانات مختلف ہوتے ہیں۔ خوش آوازی طبیعت میں جوش و خروش پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا طبیعت اگر حق آشنا ہے تو جوش بھی حق پر ہوگا اور اگر باطل پرست ہے تو جوش بھی باطل ہوگا۔

نیز فرماتے ہیں کہ یہ اصول جو بالکل طبعی (Natural) ہے صرف خوش آوازی اور اچھے شعر

Marfat.com

پرہی لاگو نہیں ہوتا بلکہ نثر یا بیان پر بھی ہے۔ مثال اس کی اللہ کا کلام ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی آنے پر لوگوں کو سنایا تو جن کی طبیعت میں سچائی قبول کرنے کا مادہ تھا انہوں نے قبول کیا اور مومن کہلائے اور جن کی طبیعت میں کثافت، گمراہی اور باطل پرستی تھی انہوں نے قبول نہیں کیا بلکہ ایسا کرنے سے ان کی طبیعت کا زنگ اور بڑھ گیا اور وہ ابوجہل اور ابولہب بن گئے۔ حالانکہ کلام اللہ کا تھا اور سنانے والے اللہ کے جلیل القدر پیغمبر اور آخری نبی تھے۔ دراصل سماع آفتاب کی مانند ہے کہ وہ تمام چیزوں پر ایک جیسا چمکتا ہے مگر ہر چیز اپنے ظرف کے مطابق گویا حرارت اور ذوق حاصل کرتی ہے۔ ایک چیز جل جاتی ہے، دوسری روشن ہو جاتی ہے، تیسری تپش سے پگھل جاتی ہے اور کوئی نمو اور پرورش پاتی ہے۔

عوارف المعارف میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ سماع کا مطلقاً انکار ممنوع ہے۔ اگر کوئی کرتا ہے تو مندرجہ ذیل تین حالتوں سے خالی نہیں ہوگا۔

(۱) یا تو وہ احادیث مبارکہ اور حالات صحابہ کرامؓ سے بالکل ناواقف ہے۔

(۲) یا اسے اپنے نیک کاموں کا غرور ہے۔

(۳) یا پھر وہ کند ذہن اور بدذوق ہے۔

کعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ:

یہ واقعہ عوارف المعارف میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے اور سیر الاولیاء میں حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی سرکار کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے جو اس طرح ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص کعب بن زبیر نامی شاعر تھا جس نے زمانہ جاہلیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو (مخالفت) میں شعر کہے تھے جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھی مکہ ہی میں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ کعب بن زبیر کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ یہ خبر جب اس نے سنی تو ڈر کے مارے کہ پہچان کر صحابہ مجھے قتل نہ کر دیں اس نے زنانہ لباس پہنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر توبہ کی اور اسلام قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ عرض کی کہ میں کعب بن زبیر ہوں اور صحابہ کے ڈر سے میں نے یہ لباس پہن رکھا ہے۔ میں نے ساٹھ شعر آپ کی ہجو میں کہے تھے۔ اب ان سے دو چند یعنی ایک سو بیس آپ کی مدح میں لکھ کر لایا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑھ اس نے پڑھا:

Marfat.com

تَبِــتُ اَنَ رَسُــوْلَ اللّٰهِ اَوعَلَانِــی
وَالْعَفُو عِنْدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ مَامُوْنِی
''اگر چہ مجھے خبر دی گئی کہ رسول اللہ نے میرے لیے سزا کا حکم دے رکھا ہے، لیکن پھر بھی مجھے رسول اللہ سے معافی کی اُمید تھی۔''

آپ کو شعر پسند آیا اور فرمایا مکرر پڑھ یعنی دوبارہ پڑھو۔ اس نے دوبارہ یہی شعر پڑھا۔ محفل سماع میں کسی شعر کی تکرار سننے کی بنیاد یہاں سے پڑی اور یہ سنت ٹھہری۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر اسے معاف فرما دیا اور چادر جو آپ اوڑھے ہوئے تھے انعام کے طور پر ان کی طرف پھینک دی۔ اسی کی تقلید اور سنت میں مشائخ قوالوں کو روپے نذر کرتے ہیں اور کبھی کوئی جامہ یا کپڑا بھی دے دیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب امیر معاویہ کا دور آیا تو انہوں نے کعب بن زبیر کو پیغام بھیجا کہ وہ چادر شریف دس ہزار درہم کے عوض انہیں دے دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ تاہم جب اس کا انتقال ہو گیا تو امیر معاویہ نے وہ چادر مبارک اس کی اولاد سے بیس ہزار درہم کے عوض حاصل کر لی جو عباسی خلیفہ الناصر الدین باللہ کے پاس بغداد میں اس وقت بھی موجود تھی جب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا زمانہ تھا۔

حضور محبوب پاک فرماتے ہیں کہ سماع کی تین شرائط ہیں۔

اوّل اخوان دوئم مکان اور سوئم زمان۔

☆ اخوان سے مراد یہ ہے کہ سننے والے ہم خیال اور پوری طرح متوجہ ہوں۔
☆ مکان یعنی مقام سماع مناسب جگہ پر ہو جو دوسروں کے لیے باعث خلل نہ ہو۔
☆ زمان، وقت مناسب ہو یعنی نماز اور کھانے وغیرہ سے فراغت ہو۔

شیخ سعدی شیرازیؒ سماع کے بارے میں فرماتے ہیں:

سماع اے برادر بگویم کہ چیست مگر مستمع را ندانم کہ کیست

''اے بھائی مجھ سے پوچھتے ہیں سماع کیا ہے، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ سننے والا کون ہے۔''

یعنی میں اس وقت تک اس کے بارے میں کہ سماع حلال ہے یا حرام کچھ نہیں کہہ سکتا جب تک مجھے یہ علم نہ ہو کہ یہ کس کے بارے میں ہے یعنی سننے والا کون ہے تا کہ پتہ چل سکے کہ اہل ہے

Marfat.com

یا نا اہل۔ اس بات کی تشریح آسان اور عام فہم الفاظ میں اس واقعہ سے ملتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ (گولڑہ شریف) کے پاس ایک دیہاتی شخص آیا اور پوچھا کہ حضرت جی میں بالکل ان پڑھ اور دیہاتی آدمی ہوں مجھے دیہاتی اور سیدھی سادی زبان میں بتایا جائے کہ قوالی (سماع) حلال ہے یا حرام کیونکہ ملاں (مولوی) حضرات نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔ کوئی کہتا ہے حلال ہے کوئی کہتا ہے حرام ہے۔ پیر صاحب مسکرائے اور فرمایا اچھا تجھے تیری ہی زبان میں بتاتے ہیں اور پھر پنجابی میں کہا ''ایہ حلالی لئی حلال اے تے حرامی لی حرام اے۔'' اس نے کہا حضور ابھی بھی سمجھ میں بات نہیں آتی تب انہوں نے اس کا مطلب سمجھایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سننے سے دل میں حلال تاثیر پیدا ہو یعنی طبیعت اچھے حلال یا مباح کاموں کی طرف جائے تو ایسے شخص کے لیے یہ حلال اور جائز ہے اور اگر اسے سن کر طبیعت میں حرام تاثیر پیدا ہو یعنی حرام کاری یا گنہ گاری کی طرف مائل ہو تو اس کے لیے یہ حرام ہے۔ پیر صاحب قبلہ کی یہ بات صرف قوالی پر نہیں بلکہ ہر قسم کے نغمات اور موسیقی پر بھی مکمل طور پر لاگو ہوتی ہے کہ یہی اس کی حقیقت ہے۔

دنیا میں کئی ایسی چیزیں ہیں جو اپنی ذات میں نفع اور نقصان دونوں رکھتی ہیں۔ لہٰذا کسی بھی اچھائی یا برائی کا حکم ان پر بالذات نہیں لگایا جا سکتا مگر اس پر جو انہیں استعمال کرے اور جیسے کرے آج کی دنیا میں اس مسئلے کو کون جانتا کہ دو طرح سے ہے یعنی ایٹم برائے امن و خوشحالی اور ایٹم برائے تباہی و بربادی۔ تو قصور اس میں ایٹم کا تو نہ ہوا ان ہاتھوں کا ہو گا جو اسے استعمال کرتے ہیں اچھا یا برا۔ اسی طرح روزمرہ زندگی میں بے شمار مثالیں ہیں چھری یا چاقو جو ہماری ضرورت اور ہمارا مددگار ہے۔ اگر اسی سے ہم کسی کا پیٹ پھاڑ دیں یا قتل کر دیں تو برا کسے کہیں گے اس چھری یا چاقو کو یا اس ہاتھ کو جس نے اس کا یہ استعمال کیا۔ آگ کے بغیر انسانی زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی۔ یہ زندگی کے ساتھ لازم اور ملزوم ہے لیکن جب ہی کسی کے گھر کو یا کھیت کو لگائی جائے اور اسے جلا کر تباہ کر دیا جائے تو ذمہ دار اور مجرم وہ ہاتھ ہوں گے جو یہ کام کریں گے نہ کہ آگ جو زندگی کا حصہ اور لازمہ ہے۔

Marfat.com

بارگاہ حسن میں نذرانہ

میں تیرگی ہوں شب کی تم سحرِ دلربائی
آمد تیری اُجالا اے زینتِ خدائی

مسحور کن ہے تیرا وہ حسنِ بے مثالی
بے خود کیا اسی کو جس سے نظر ملائی

ہو دل کی روشنی تم اور زندگی تمہیں سے
تیرے بغیر جاناں جاں ہے لبوں پہ آئی

فرقت میں تیری پیارے یہ کھل گئی حقیقت
جنت ہے تیرا ملنا، دوزخ تیری جدائی

ہو مثل ماہ کامل تم پیار کے فلک پر
اے مرکز تخیل اے صورتِ زیبائی

ناز و عتاب شیوہ، عشوہ گری ہے عادت
غمزہ تیرا قیامت کافر ادا ہے پائی

وہ لگا سکا نہ اس کو نہ بجھا سکا وہ جس کو
ایسی کچھ آگ تم نے حسنی کو ہے لگائی

(نواز حسنی)

Marfat.com

اختتامیہ

دوستانِ گرامی کتاب ہذا کے بغور مطالعہ کے بعد آپ یقیناً یہ جان گئے ہوں گے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ کے نزدیک کیا ہے اور یہ بھی کہ اس کے حصول کے لیے کسی انسان کامل یعنی شیخ کامل کا وسیلہ لازمی ہے۔ ورنہ آج کا انسان جسے دنیا نے اپنے پنجوں میں کچھ زیادہ ہی جکڑ رکھا ہے اس قابل نہیں کہ بغیر کسی کامل کی مدد کے اس کی ہلاکتوں سے بچ سکے اور اللہ کی راہ پر چل سکے۔ یہ نکتہ بھی نہایت غور طلب ہے کہ جو کچھ انسان کو کرنا ہے وہ اسی دنیا میں ہے جسے دارالعمل کہتے ہیں کہ موت کے بعد آخرت تو صرف جزا اور سزا کا مقام ہے۔ دنیا میں زندگی کی جو مہلت انسان کو دی گئی۔ وہ عمل کے لیے ہی تو ہے اس کی بات کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ایک حکایت پیش خدمت ہے جو نہایت توجہ طلب ہے۔

کیفیتِ قلب دنیا اور آخرت میں:

کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں ملک چین کے ایک بادشاہ نے اپنا محل بنوایا اور اس میں دربار کے لیے ایک بڑا مستطیل نما ہال کمرہ (Hall) بنوایا جب اس ہال کی آرائش کی باری آئی تو دیگر ممالک سمیت دنیا بھر سے یگانہ روزگار کاریگر طلب کیے گئے۔ دو کاریگروں نے اپنے اپنے فن کو بے مثال بتایا جس پر بادشاہ نے ان کو موقع دیا کہ کام مکمل ہونے کے بعد فیصلہ کیا جائے گا کہ کون بہترین ہے۔ ان دونوں کاریگروں میں ایک نقاش (Painter) اور دوسرا شیشہ ساز تھا۔ چنانچہ ان کو ہال کمرے کے آمنے سامنے کی ایک ایک دیوار کاریگری کے لیے دے دی گئی اور درمیان میں ایک پردہ تان دیا گیا تاکہ ایک دوسرے کا کام دیکھ یا نقل نہ کر سکیں۔ دونوں نے اپنا اپنا کام شروع کر دیا اور جب مکمل کر چکے تو بادشاہ کو دعوت دی گئی کہ آ کر ان کا کام ملاحظہ کرے۔ نقاش نے اپنی دیوار پر ایک انتہائی خوبصورت نقش (Scenery) بنایا جبکہ دوسری جانب شیشہ ساز

Marfat.com

پتھر کی دیوار کو صیقل کرتا رہا۔ چنانچہ جب بادشاہ نے آ کر درمیان سے پردہ اُٹھوایا تو آمنے سامنے دونوں دیواروں پر ایک ہی نقش ہو بہو نظر آیا جس کی وجہ صاف ظاہر تھی کہ نقاش نے جو نقش اپنی دیوار پر بنایا وہ سامنے عین اسی طرح منعکس ہو گیا۔ کیونکہ شیشہ ساز نے اس دیوار کو رگڑ کر یعنی صیقل کر کے شیشہ کر دیا تھا۔ معرفت اس حکایت کی یہی ہے کہ وہ دونوں دیواریں گویا ایک دنیا ہے تو دوسری آخرت اور ان کے درمیان موت کا پردہ حائل ہے جیسے ہی وہ پردہ اُٹھے گا یعنی موت وارد ہوگی تو جو نقش قلب انسانی پر دنیا میں رہ کر بنا ہوگا یعنی وہ جس حالت میں ہوگا وہی آخرت میں من و عن قائم ہو جائے گی جس پر پھر جزا یا سزا کا دارومدار ہوگا۔ لہٰذا جب ہم فرمانِ الٰہی پڑھتے ہیں کہ

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

”تحقیق اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم ہوگا۔“

تو ہم جان لیتے ہیں کہ یہ صرف ان کے لیے آخرت میں ہی نہیں بلکہ اس دنیا میں بھی وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں کوئی خوف یا غم نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس حالت میں انسان اس دنیا سے جاتا ہے وہی وہاں بھی ہوتی ہے وہاں اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی کہ وہ دار جزا اور سزا ہے دار العمل نہیں۔ اس حالت کا بیان سورہ بقرہ آیت ۲۵ میں دوسرے انداز میں یوں ہوا ہے:

”کہ جب کوئی پھل انہیں (اہل جنت کو) کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ ایسے ہی پھل اس سے پہلے دنیا میں ہم کو دیے جاتے تھے۔“

اس حقیقت کی تصدیق سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۷۲ سے ہوتی ہے جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا○

”اور جو کوئی اس زندگی (دنیا) میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا بلکہ اور بھی زیادہ گمراہ۔“

اسی آیت سے یہ بات ثابت ہوا کہ اندھے سے مراد طبعی یا پیدائشی اندھا نہیں بلکہ گمراہ ہونا ہے۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ دنیا میں عام طور پر خوف اور غم کا شکار وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس اسباب دنیا اور دولت بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ اسے فرمان الٰہی کے مطابق غریبوں اور مسکینوں پر خرچ نہیں کرتے بلکہ اس پر خزانے کا سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں جس کی مثال قرآن حکیم میں

Marfat.com

قارون سے دی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ایسے لوگوں کا انجام سورہ تکاثر میں جہنم بیان کیا گیا ہے جو مرتے دم تک دولت کی ہوس میں رہتے ہیں۔

مَتَاعُ الدُّنیا قَلِیلٌ:

دوسری جس نے انسان کو اللہ سے دور بلکہ بھلا ہی دیا ہے وہ اپنی موت کا بھول جانا ہے۔ فطری طور پر انسان بے راہ رو اور گناہوں کی دلدل میں پھنسا ہی اس وقت ہے جب وہ اپنا مرنا بھول جاتا ہے۔ اسے کبھی خیال نہیں آتا کہ موت ہر وقت اس کے تعاقب میں ہے اور کسی بھی وقت آسکتی ہے۔ یہاں تک کہ اگلے سانس تک کا بھی علم نہیں کہ آئے گا یا نہیں اور پھر مزید یہ کہ اگر کسی کی عمر پوری یعنی لمبی بھی ہو تو وہ کون سی ایسی زیادہ ہے۔ ہمارے ملک میں تو اوسط انسانی عمر ۵۰ یا ۶۰ سال کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ اب اگر انسان غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیاوی زندگی سے دوسری یعنی آخرت کی عمر اتنی لمبی ہے جس کی کوئی مثال بھی نہیں ہوسکتی یعنی باوا آدمؑ اور ان کی نزدیکی اولاد اس دنیا میں کتنی عمر تک رہے ہوں گے سو سال دو سو سال اور اگر اس زمانے میں انسانی عمر اس سے بھی کچھ زیادہ ہو تو بھی فرق نہیں پڑتا کہ دیکھنے یا سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ ان کو اس دنیا سے گئے ہوئے یعنی مرے ہوئے ہزاروں سال بیت چکے ہیں تو پھر عمر کون سی لمبی ہوئی دنیا کی یا آخرت کی۔ اس لیے اللہ نے اس دنیا کی متاع کو جس میں عمر بھی شامل ہے قلیل یعنی نہایت مختصر بتایا ہے۔ اگر آپ کی عمر پچاس یا ساٹھ برس ہوگئی ہے تو ذرا پیچھے دھیان کریں کہ جب آپ نوعمر، نوجوان، طالب علم وغیرہ وغیرہ تھے تو ایسا لگتا ہے جیسے کل کی بات ہے۔ حالانکہ اسے گزرے ہوئے کئی سال گزر چکے ہوتے ہیں۔ اس سے عمر کی تیز رفتاری کا بھی پتہ چلتا ہے اور انسان جان سکتا ہے کہ دنیا اور اس کی متاع عمر سمیت واقعی بقول خداوندی بہت قلیل ہے۔ لہٰذا یہ تو انسان کے اپنے مفاد میں ہے کہ قلیل اور چھوٹی شے کے لیے عمر عزیز ضائع کرنے کی بجائے لمبی دائمی اور ابدی زندگی جسے آخرت کہتے ہیں اس کے بارے میں بھی سوچے اور اس کی بھی فکر کرے۔ محض ہر وقت دنیا کی فکر میں لگے رہنا غافلوں اور کم عقلوں کا کام ہے۔

فلاحِ انسانی اور صدقۂ جاریہ:

ایک اور بات کی وضاحت نہایت ضروری ہے کہ اسلام ترکِ دنیا یا رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا

Marfat.com

بلکہ مخلوق میں رہ کران کی خدمت کرنے اور فلاح و بہبود کے کام کرنے کو اللہ کے پسندیدہ اعمال کہتا ہے جنہیں اعمالِ صالحہ کہا جاتا ہے۔ اپنی ذات کے لیے کوئی نیک یا اچھا عمل کرنا بے شک اچھی بات ہے لیکن دوسروں کے لیے بےلوث کچھ کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ نہ تھے کروبیاں

یہ کارِ خداوندی ہے یعنی اللہ نے اپنی مخلوق اور خاص طور پر انسان کے لیے کس قدر اور کیا کیا ہے۔ اس کا اجمالی تذکرہ خود ذات باری تعالیٰ نے سورہ رحمٰن میں کیا ہے۔ ارشاداتِ حضور محبوب پاک میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ اللہ کی اطاعت ایک لازمی ہوتی ہے دوسرے متعدی۔ لازمی میں تمام فرائض اور واجبات شامل ہیں جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات اور فائدے سے ہے۔ تاہم ان کا ثواب اسی وقت تک ہے جب تک انسان اس کی ادائیگی بذات خود کرتا ہے۔ یعنی اس کی زندگی تک ہے جبکہ متعدی یعنی دوسروں کے لیے کچھ کر جانا جیسے فلاحی کاموں میں اگلے زمانے میں لوگ کنویں کھدواتے، پل بنواتے تھے وغیرہ وغیرہ اور آج کل کے زمانے میں یتیم خانے، ہسپتال، امداد باہمی کے ادارے یا ٹرسٹ جن کے ذریعے غریب طالب علموں کو پڑھانا، غریبوں کی بیٹیوں کی شادی کے اخراجات اُٹھانا وغیرہ وغیرہ شامل ہیں، کرتے ہیں ان کاموں کا کرنا صدقہ جاریہ کہلاتا ہے۔ یعنی جب تک ان چیزوں سے مخلوق خدا کو فائدہ پہنچ رہا ہے اس کا اجر اس کام کے کرنے والے کو ملتا رہے گا۔ خواہ وہ خود اس دنیا سے جا بھی چکا ہو یعنی ان اعمال کا اجر موت کے بعد تک اور ابدی قسم کا ہے۔ لہٰذا جن لوگوں نے فلاحِ انسانی کے کام عالمی سطح پر کیے ہیں جیسے بجلی کی ایجاد، ٹیلیفون، ریل گاڑی، ہوائی جہاز، ادویات اور آلات سرجری وغیرہ وغیرہ تو وہ اعمال جاریہ ہیں جن کا فائدہ بنی نوع انسان کو پہنچ رہا ہے اور قیامت تک پہنچتا رہے گا۔ لہٰذا اس کام کا اجر اللہ ان لوگوں کو ضرور دے گا جنہوں نے یہ کام کیے کہ فرمان الٰہی ہے کہ اللہ کسی اچھے عمل کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

دنیا کسے کہتے ہیں:

یہ بھی ہم ارشادات حضور محبوب پاک میں پڑھ چکے ہیں کہ دنیا گویا زر، زن، زمین کا نام

Marfat.com

نہیں بلکہ دنیا ان چیزوں سے محبت کرنے اور ان کے پیچھے بھاگنے کو کہتے ہیں جس میں بندے کو خدا بھی بھول جاتا ہے ورنہ تو یہ کون نہیں جانتا کہ عزت، دولت، اقتدار وغیرہ سب کچھ انسان کو اللہ ہی دینے والا ہے۔ لہٰذا جو چیز من جانب اللہ ہے وہ فی نفسہ کیسے غلط یا بری ہو سکتی ہے۔ ہاں اس کے بے جا استعمال اور اس میں پھنس کر رہ جانے اور اس سے محبت کرنے کو برا یا غلط کہا گیا ہے کہ پھر یہ چیزیں جو ویسے تو اللہ کی نعمتوں میں شمار ہوتی ہیں لیکن جب انسان کو اپنے رب سے دور کریں تو رحمت کی بجائے زحمت بن جاتی ہیں اور دین و دنیا ہر جگہ، باعث ذلت و رسوائی ہوتی ہیں۔

اسلام اور دیگر مذاہب:

یہ بھی دین اسلام کا ایک لازمی جزو ہے کہ ہم تمام سابقہ پیغمبرانؑ پر اور ان پر نازل کی گئی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں کیا گیا ہے۔ نیز ان پیغمبرانؑ کے اسمائے گرامی کے ساتھ علیہ السلام بھی کہتے اور لکھتے ہیں۔ تاہم اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم اور اللہ کے آخری نبی حضرت محمدؐ پر ایمان لانے سے ہم ان قوانین اور ارشادات کے پابند ہیں جو اللہ کی طرف سے قرآن میں نازل ہوئے اور قیامت تک رہیں گے۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے نبوت کا باب دائمی طور پر بند ہو گیا ہے۔ ہر دین و مذہب کی غرض و غایت بندے کو اللہ تک پہنچانے کی ہوتی ہے یعنی بندہ نقطہ اوّل ہے جہاں سے ابتدا ہے اور دوسرا نقطہ ذات باری ہے جو انتہا یا منزل ہے۔ دین اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ بندے کو اللہ تک پہنچانے کے لیے صراط مستقیم بتاتا ہے۔ صراط مستقیم یا خط مستقیم کیا ہے۔ از روئے علم ریاضی اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ دو نقطوں کے درمیان کم سے کم فاصلے کو خط مستقیم کہتے ہیں۔ یعنی اسلام جو راستہ بندے کو اللہ تک پہنچانے کے لیے بتاتا ہے وہ صراط مستقیم یعنی کم سے کم یا چھوٹے سے چھوٹا راستہ ہے۔ جبکہ یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ راستہ جس قدر چھوٹا ہوگا اس پر چلنے میں خطرات و مصائب اسی قدر کم ہوں گے اور منزل بھی جلد ملے گی۔ جبکہ راستہ لمبا ہونے کی صورت میں اس کے برعکس حالات ہوں گے۔ لہٰذا راستہ تو ہر مذہب میں اللہ تک پہنچنے کا بتایا گیا ہے لیکن دین اسلام کا دعویٰ اور خصوصیت صرف یہ ہے کہ اللہ کے لیے جو راستہ یہ بتاتا ہے وہ ان سب میں چھوٹا ہے۔ جو دیگر مذاہب میں بتائے گئے ہیں۔

Marfat.com

حرف وعرض آخر:

دوستانِ گرامی! جیسا کہ باب المشائخ میں بیان کردہ سورۂ واقعہ سے آپ یہ جان چکے ہیں کہ فرمانِ الٰہی کے مطابق اللہ کے مقرب بندے پہلوں میں زیادہ اور بعد میں آنے والوں میں کم ہو جائیں گے۔ تاہم اسی فرمان سے ان مقربانِ بارگاہ الٰہی کا اس دنیا میں ہر زمانے میں موجود ہونا بھی لازم ٹھہرا اور پھر صحابی حضرت ہلالؓ کے وصال پر آنحضرتؐ کے فرمان کے مطابق (جو باب محبت میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے) کہ ہر زمانے میں اللہ کے سات بندے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی دعاؤں سے مخلوق کی مدد کی جاتی ہے۔ ان کے طفیل آسمان سے بارش ہوتی ہے اور انہیں کی برکتوں سے لوگوں کو رزق ملتا ہے...... یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کے حقیقی محبوب بندے ہر زمانے میں ہیں ضرورت صرف تلاش یعنی جستجو کی ہے جس کی بنیادی شرط اس خواہش یا آرزو میں صدقِ دل اور اخلاص کا ہونا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو انسان جب نماز پڑھے یا کسی درگاہ یا آستانہ پر جائے تو اپنی دعا میں اس طلب کا اظہار ضرور کرتا ہے اور پھر جوئندہ یابندہ کے مصداق اللہ کے فضل سے اسے راہبر مل جاتا ہے تاکہ ذیل میں دیے گئے، سورہ کہف آیت ۱۷ کے فرمان الٰہی کے مطابق وہ اللہ کی ہدایت سے ہدایت یاب ہو سکے:

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا۝

''جسے اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یاب ہے اور جسے گمراہ کرے تو ہرگز تم اس کا کوئی دوست (ولی) اور مرشد (راہبر) نہ پاؤ گے۔''

جب کسی کو ایسا کامل شیخ مل جائے تو پھر تن، من اور دھن سے اس کی خدمت کرے اور اس کے ہر حکم کو اپنے لیے بمنزلہ فرض اور اس کی حکم عدولی کو گناہ کبیرہ سمجھے کہ فرمان باری تعالیٰ بھی یہی ہے۔ سورہ الانعام آیت ۹۰ میں حکم ہوتا ہے:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ

''یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے بس تم انہیں کی راہ پر چلو۔''

جب ایسا در مل جائے تو اسے مضبوط پکڑنا چاہیے اور چھوڑنا نہیں چاہیے تاکہ انسان اللہ اور اس کی محبت جیسی عظیم نعمت اور دولت پا سکے۔ دنیا سے نہ ڈرے، نہ اس کی پرواہ کرے اور نہ ہی اپنے مطلوب یعنی شیخ کے سوا کسی اور سے کچھ طلب کرے یا توقع رکھے۔ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں

Marfat.com

صاحبؒ، کے اس شعر کو وظیفہ سمجھ کر یاد رکھے:

بیٹھ گئے کمر کو کھول یار کے در پہ جم گئے
لاکھ کہے سنے کوئی دیکھیں ہمیں ہٹائے کون

کیونکہ منشائے ایزدی اور اللہ کا طریقہ یہی ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اپنے شیخ یعنی امام کے جھنڈے تلے رکھا جائے گا اور جسے یہ میسر نہ ہوگا وہ گویا بھٹکے ہوئے لوگوں میں ہوگا۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۱ میں ارشاد ہے:

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ

''جس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔''

آخر میں ان تمام حضرات کا ممنون ہوں اور تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی عملی مشاورت اور معاونت سے یہ کارِ خیر تکمیل کو پہنچا۔

Marfat.com

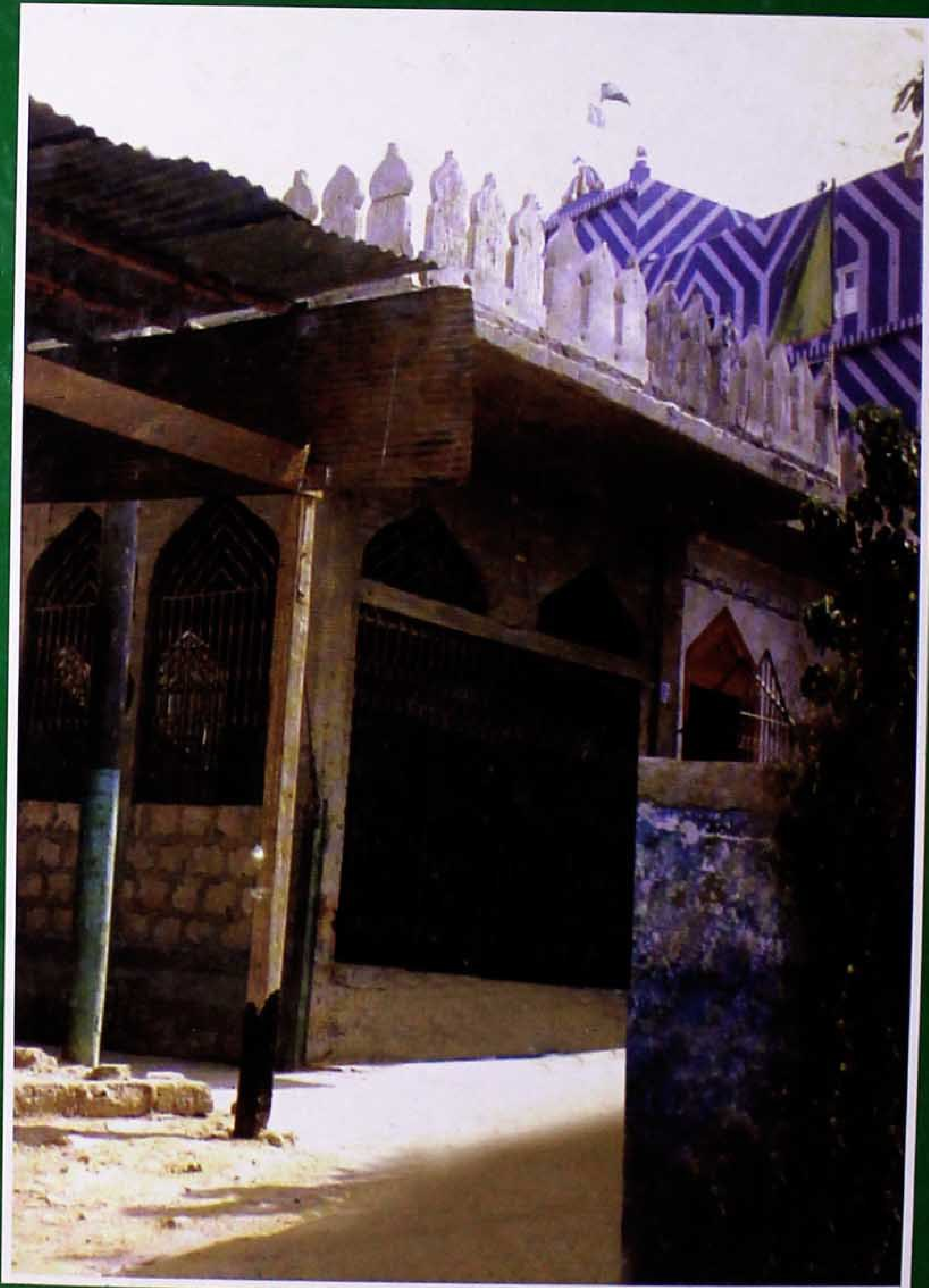

ماورا